قرآن کی عظمتیں

اور اس کے معجزے

فضیلۃ الشیخ / محمود بن احمد الدوسری حفظہ اللہ

ترجمہ: پروفیسر حافظ عبدالرحمن ناصر حفظہ اللہ

دار السلام
DARUSSALAM

القرآن

لو أنزلنا
هذا القرآن على
جبل لرأيته خاشعا
متصدعا من
خشية الله

قرآن کی عظمتیں اور اس کے معجزے

قرآن کی عظمتیں اور اس کے معجزے

القرآن

لو أنزلنا هذا القرآن على جبل لرأيته خاشعا متصدعا من خشية الله

تحقیق و تخریج سے مزین ایڈیشن

فضيلة الشيخ

محمود بن احمد الدوسري حفظه الله

ترجمہ: پروفیسر حافظ عبدالرحمن ناصر حفظہ اللہ

دار السلام
DARUSSALAM

دارُالسّلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966
فیکس: 4021659 E-mail: darussalam@awalnet.net.sa
Website: www.dar-us-salam.com

1. طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945
2. شارع العین۔ الملز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
3. جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
4. الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624

لندن فون: 85394885 20 0044 فیکس: 85394889 020

امریکہ
1. ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431
2. نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

1. 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7240024-7232400-711023-7110081 42 0092 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com
2. غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
3. موُن مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔ لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ (بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال) کراچی
فون: 4393936-21-0092 فیکس: 4393937
Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 2500237-051

مضامین

باب 1

قرآن کریم کا تعارف اور اس کی عظمت کے عقلی ونقلی دلائل

باب 2

شریعت وقانون سازی، قصص وواقعات اور مقاصد جلیلہ کے سلسلے میں قرآن کریم کی عظمت

باب 3

قرآن کریم کی تاثیر اور اس کے ذریعے سے دعوت دینے کی اہمیت

4

قرآن کریم کی عظمت ورفعت کا تذکرہ

باب 5

قرآن کریم کے فضائل و برکات کا تذکرہ

باب 6

مسلمانوں پر قرآن کریم کے حقوق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا

عرضِ ناشر

قرآن نازل ہوا تو اس نے اپنی فصاحت و بلاغت پر اِترانے اور ساری دنیا کو عجم قرار دینے والے عربوں کے نامور خطیبوں اور شاعروں کو بھی ہکا بکا کر دیا۔ قرآن کی اٹل سچائیاں، دلآ ویز استدلال، پاکیزہ دعوت اور اس کا حسن بیان دیکھ کر سبھی دنگ رہ گئے۔ بڑے سے بڑے کافر اور مشرک کا دل بھی اندر سے بول اُٹھا کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ یقیناً یہ ایسی بزرگ و برتر نادیدہ ہستی کا کلام ہے جس نے اسے نازل فرما کر حقائق و معارف کے دریچے کھول دیے ہیں۔

قرآن کے محاسن و فضائل بے پایاں ہیں لیکن اس آخری آسمانی کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کی بلند پایہ دعوت اور بناوٹ سے پاک سادہ اور بے تکلف طرزِ تخاطب ہے جو رہ رہ کر انسان کی عقل و شعور کو جھنجوڑتا ہے اور اُس قادرِ مطلق کی بندگی کی طرف رہبری کرتا ہے جس نے ہمیں اور اس پوری کائنات کو پیدا فرمایا۔

قرآن ہمارے سامنے پھیلی ہوئی جانی بوجھی چیزوں کی طرف اشارے کرتا ہے اور ہمارے دل و دماغ سے پوچھتا ہے کہ تم کس کی بندگی کرو گے؟ بنے ہوئے مظاہر کو پوجو گے یا اِن کے بنانے والے مقدس پروردگار کے آگے سر جھکاؤ گے؟ اگر تم اس فانی دنیا کی عارضی لذتوں میں گم رہنا چاہتے ہو تو معاملہ دوسرا ہے!...... لیکن اگر تم اپنے مالکِ حقیقی کی بندگی کرنے اور فلاح پانے کے آرزومند ہو تو راستہ بالکل سیدھا اور صاف ہے اور وہ یہ ہے کہ میری بات مانو۔ میں اللہ کی کتاب ہوں، میں اللہ کا کلام ہوں میں هُدًى لِلْمُتَّقِين ہوں۔ میں امام مبین ہوں، میں

پیغامِ ہدایت ہوں، میں رہنمائی کا نور ہوں، میں ایک اللہ کی عبادت اور اس کے آخری رسول ﷺ کی اطاعت کی دعوت دینے آیا ہوں، میں واضح کرنے آیا ہوں کہ سب انسانوں کا پروردگار ایک ہے۔ سب انسانوں کو اللہ رب العزت ہی کی بندگی کرنی اور نیکی کی زندگی بسر کرنی چاہیے۔ ایک دن یہ دنیا فنا ہو جائے گی۔ قیامت قائم ہوگی۔ جو شخص ذرہ برابر خیر کا کام کرے گا اُس کی جزا پائے گا اور جو ذرہ بھر شر کرے گا اُسے اس کی سزا ملے گی۔ آؤ، میری دکھائی ہوئی روشن راہ پر چلو۔ اس طرح تم اِس دنیا میں بھی خوش رہو گے اور آخرت میں بھی عزت اور کامیابی کی مسند پر فائز ہو جاؤ گے۔

قرآن کریم کا یہ پیغام ہر آن گونجتا ہے۔ جو لوگ اس صدائے حق کا مثبت جواب دیتے ہیں اور راہ ہدایت کے راہگیر ہیں اللہ تعالیٰ اُنھیں اصل مقصد زندگی کی معرفت عطا فرما دیتا ہے۔ ایسے خوش بخت لوگ صرف اپنے ہی علم و آگہی پر قانع رہنا نہیں چاہتے بلکہ ان کا جوشِ ایمان اور ذوقِ تبلیغ قرآن کے پیغام کو اتنی قوت سے عام کرنا چاہتا ہے کہ شش جہات گونج اُٹھیں۔ ایسی ہی ایک صدا سعودی عرب کے جلیل القدر عالم محمود بن احمد الدوسری کے دل سے اُٹھی ہے۔ موصوف قرآن کریم کے ایسے محبِّ صادق ہیں کہ ہر انسان کے دل و دماغ میں قرآنی مقاصد اور مطالب کا نور بھر دینا چاہتے ہیں۔ ان کی اسی دلی تڑپ کی آئینہ دار ان کی زیرِ نظر تصنیف ''عظمتِ قرآن'' ہے۔ اسے توجہ اور یکسوئی سے پڑھیے۔ آپ محسوس کریں گے کہ اس کتاب کے ہر حرف کی رگوں میں علم و آگہی اور ایمان و یقین کی بجلیاں چمک رہی ہیں۔

اس گرانمایہ کتاب کے چھ باب ہیں۔ ان ابواب میں موصوف نے قرآن کی صداقت، جلالت، عظمت نصب العین اور پیغام کے بارے میں جو باتیں جس جامعیت سے کہہ دی ہیں، وہ بڑی بڑی کتابوں پر بھاری ہیں، مثلاً پہلے باب میں انھوں نے قرآن کی عظمت کے دلائل پیش کیے ہیں اور قرآن کا تعارف خود قرآن کریم ہی کی آیات مقدسہ سے کرایا ہے باب دوم

میں انھوں نے دلائل و براہین کی روشنی میں یہ حقیقت اُجاگر کردی ہے کہ قرآن کریم قیامت تک زمانے اور زندگی کے ہر تقاضے کا جواب دینے کے جوہر سے آراستہ ہے۔ وہ طہارت و عبادت، معاشیات و معاشرت، سیاست و عدالت، صنعت و تجارت، اور قانون سازی کے سلسلے میں پوری رہنمائی فرماتا ہے اور اپنے سے باہر کسی غیر کے قانون کا ہرگز محتاج نہیں۔ انھوں نے آخر میں بے خبر انسانوں کو دعوت دی ہے کہ دائیں بائیں نہ پھرو۔ تذبذب کا راستہ ترک کردو قرآن کی صدا پر سچے دل سے لبیک کہو، اس طرح دونوں جہانوں کی نعمتیں اور خوش بختیاں نصیب ہوں گی۔

اردو میں اس کتاب کا ترجمہ پروفیسر حافظ عبدالرحمٰن ناصر نے کیا ہے۔ ترجمہ بڑا شگفتہ اور بامحاورہ ہے۔ اب کتاب کا عنوان ''قرآن کی عظمتیں اور اس کے معجزے'' قرار پایا ہے۔ کتاب کی تدوین، تزئین اور عمدہ طباعت کے لیے عزیز گرامی حافظ عبدالعظیم صاحب اسد نے بڑی محنت کی ہے۔ دارالسلام کے ریسرچ فیلو جناب احمد کامران اور مولانا محمد عثمان منیب نے اس کی تصحیح و ترتیب کا فرض بخوبی انجام دیا ہے۔ ریسرچ فیلو مولانا محمد فاروق اور قربان انجم نے پروف پڑھے ہیں۔ ممتاز صحافی اور محقق جناب محسن فارانی کی غلطیوں کی تہ تک پہنچ جانے والی نظریں اس کتاب کے پیچ وخم میں بار بار دوڑتی رہیں۔ کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کے فرائض جناب زاہد سلیم چودھری، ہارون الرشید اور ابومصعب نے ادا کیے ہیں۔ اب اِس ساری سعی و محنت کا ماحصل پیش خدمت ہے۔ دُعا ہے کہ یہ کتاب خیالوں کا رُخ موڑے، دلوں میں انقلاب برپا کرے اور ہر انسان کو قرآن کریم پڑھنے، سمجھنے اور اِس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا خوگر بنادے۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام، الریاض۔ لاہور

رجب 1427ھ / اگست 2006ء

ابتدائیہ

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ الَّذِي أَرْسَلَهُ اللهُ مُبَيِّنًا لِّكِتَابِهِ الْحَكِيمِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ، أَمَّا بَعْدُ:

قرآن مجید کے مطالعے اور اس سے استفادے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ یہ ہے کیا؟ یعنی قرآنِ مجید کا تعارف بزبانِ قرآن حاصل کیا جائے۔ اس کے بعد یہ معلوم کیا جائے کہ اس کا منبع اور سرچشمہ کیا ہے، یعنی یہ کہاں سے آیا ہے اور اسے کس نے نازل فرمایا ہے؟ پھر یہ معلوم کیا جائے کہ یہ کیوں آیا ہے، یعنی اس کا مقصدِ نزول اور اس کی آمد کی غرض وغایت کیا ہے؟ تعارف ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ یہ انسانوں تک براہِ راست اور بلاواسطہ پہنچا ہے یا کسی کے ذریعے سے پہنچا ہے؟ اگر بالواسطہ پہنچا ہے تو اس واسطے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ جب تک ان باتوں اور قرآنِ کریم کا بنیادی تعارف حاصل نہیں ہوتا، اس سے صحیح استفادے اور اس کے اثرات، برکات اور ثمرات سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔ قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل جوہری خصوصیات ہی اس کا تعارف ہیں:

قرآن ایک یقینی، قطعی اور غیر مشتبہ کتاب ہے

قرآن کی سب سے اہم اور اساسی خصوصیت اور امتیاز اس کا یقینی اور غیر مشتبہ ہونا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ﴾

''یہ کامل کتاب ہے، اس میں کسی شک وشبے کی (مطلق) کوئی بات نہیں۔''[1]

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

''یہ (قوانین واحکام) کی تفصیل وبیان ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں (کیونکہ جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔''[2]

نیز فرمایا:

﴿وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝﴾

''یہ نہایت وقیع کتاب ہے۔ اس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے، حکیم، ستودہ صفات کی طرف سے اتاری گئی ہے۔''[3]

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝﴾

''(یہ) ایک عظیم کتاب ہے جس کی آیات مضبوط کی گئی ہیں، پھر ان کی تفصیل حکیم باخبر ذات کی طرف سے کی گئی ہے۔''[4]

---

[1] البقرة 2:2۔ [2] يونس 10:37۔ [3] حمٓ السجدة 41:41، 42۔ [4] هود 11:1۔

قرآن محکم اور مفصل ہے

اس میں دین کے اصول اور کلیات بیان کیے گئے ہیں اور وہ علم جو انسان کی دنیوی اور اخروی کامیابی و کامرانی کے لیے ضروری ہے، وہ نہایت واضح اور مفصل طریقے سے صاف صاف بیان کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ﴾

”کیا پھر میں اللہ کے سوا کوئی (اور) حکم چاہوں، حالانکہ اس نے تمھاری طرف مفصل کتاب اتاری ہے؟“ [1]

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ﴾

”ہم نے ان کے پاس ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم سے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔“ [2]

نیز فرمایا:

﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ ﴾

”یہ ایک محکم کتاب کی آیات ہیں۔“ [3]

قرآن حق و باطل کی امتیازی کسوٹی ہے

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ ﴾

---

[1] الأنعام 114:6 ۔ [2] الأعراف 52:7 ۔ [3] لقمٰن 2:31 ۔

ابتدائیہ

”بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر امتیاز کرنے والی کتاب اتاری ہے تاکہ وہ جہان والوں کو آگاہ کردے۔“ ❶

قرآن مجید میں کفر وایمان، ہدایت وضلالت، حق وباطل، جائز وناجائز، صحیح وغلط، حلال اور حرام، یقین وظن، توحید اور شرک میں قیامت تک کے لیے ایسا فاصلہ اور امتیاز قائم کردیا گیا ہے کہ اس سلسلے میں کسی قسم کا کوئی ادنیٰ سا احتمال اور کمزور سے کمزور اشتباہ بھی باقی نہیں چھوڑا، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ط﴾

”تاکہ جسے ہلاک وتباہ ہونا ہے، وہ اتمام حجت کے بعد تباہ وبرباد ہو اور زندہ رہنے والا اتمامِ حجت کے بعد زندہ رہے۔“ ❷

قرآن سابقہ کتابوں کا مصدق اور نگران ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾

”اور ہم نے آپ کی طرف بامقصد کتاب اتاری ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کے مضامین کی نگران ونگہبان ہے۔“ ❸

قرآن نگران ونگہبان اس لیے ہے کہ (ا) دین کے اصول وکلیات تمام کتبِ سماوی اور آسمانی تعلیمات میں یکساں اور مشترک ہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا

❶ الفرقان 1:25 . ❷ الأنفال 42:8 . ❸ المآئدة 48:5 .

﴿ وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾

''تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کی تاکید ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کی تھی، یہ کہ تم دین کو قائم کرو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ﴾

''(بلاشبہ تمھارا) دین، ایک ہی دین ہے۔''[2] یعنی تمھاری یہ امت ایک ہی امت ہے۔

(ب) قرآن سے پہلی کتب اور صحیفے اپنے اپنے وقت کے لیے تھے اور اس کا ایک حصہ تھے، چنانچہ فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾

''کیا آپ نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں فرمایا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا تھا، انھیں اللہ کی (پوری) کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے۔''[3]

یہ صحیفے ایک خاص وقت تک محفوظ رہے مگر بعد ازاں محفوظ نہ رہ سکے اور تحریف و تغیر کا شکار ہو گئے۔

(ج) قرآن دائمی صحیفہ اور آخری کتاب ہے، اس میں دین کے تمام اصول و ضوابط کامل شکل میں پوری طرح آ گئے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾

---

[1] الشوریٰ 13:42. [2] الأنبیآء 92:21. [3] آل عمران 23:3.

’’آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دستورِ زندگی مکمل کر دیا اور اپنی نعمت (شریعت) تم پر پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بطور ضابطۂ حیات پسند کر لیا۔‘‘ [1]

اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود لی ہے، ارشادِ باری ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ ﴾

’’بے شک (یہ) ذکر (قرآن) ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔‘‘ [2]

قرآن مجید وہ آئینہ ہے جس میں مختلف عقائد، افکار وخیالات، متفرق اخلاق واعمال اور سیرت وکردار کے لوگ اپنا اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں اور اس کسوٹی ومیزان پر اپنی جانچ پڑتال کر سکتے ہیں۔ اس میں کہیں اشارتاً کہیں صراحتاً، کہیں سابقہ اقوام وافراد کے حالات کے پیرائے میں اور کہیں براہِ راست قرآن کے مخاطب افراد کا تذکرہ موجود ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ ﴾

’’بلاشبہ ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے جس میں تمھارا ہی تذکرہ ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟‘‘ [3]

امام ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی (202-294ھ) نے اپنی کتاب ’’قیام اللیل‘‘ میں عظیم تابعی اور حلم وبردباری میں ضرب المثل سردار احنف بن قیس کا ایک عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ بیان کیا ہے جس سے اس آیت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور سلف کے زاویۂ نگاہ اور تدبرِ قرآن کے اسلوب پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت احنف بن قیس ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ انھیں یہ آیت سنائی دی:

﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ ﴾

’’بلاشبہ ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے، اس میں تمھارا ہی تذکرہ ہے،

---

[1] المآئدة 3:5 . [2] الحجر 9:15 . [3] الأنبياء 10:21 .

کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟''[1]

یہ آیت سن کر وہ چونک پڑے اور فرمایا: ذرا قرآن مجید لاؤ، میں اس میں اپنا تذکرہ تلاش کروں اور دیکھوں کہ میں کس درجے میں ہوں، کن لوگوں کے ساتھ ہوں اور مجھے کن سے مماثلت یا مشابہت ہے؟ قرآن مجید میں کچھ لوگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے:

﴿يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝﴾

''وہ (لوگ جو) اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کر کے رات گزارتے ہیں۔''[2]

پھر انھوں نے قرآن میں ان لوگوں کا تذکرہ پڑھا جو راتوں کو اپنے بستروں سے الگ ہو کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی سامنے آئے جو راتوں کو تھوڑا سا سوتے ہیں اور سحری تک اپنے اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینے والوں اور کبیرہ گناہوں، فواحش ومنکرات سے بچنے والوں کا تذکرہ پڑھ کر کہنے لگے: ''میرا تو ان لوگوں میں شمار نہیں ہے۔''

پھر ورق گردانی کی تو قرآن میں کلمے کا انکار اور تکبر کرنے والوں اور اللہ وحدہ لاشریک کے ذکر سے ناخوش اور بتوں کی یاد سے خوش ہونے والوں، بے نمازوں، کھانا نہ کھلانے والوں اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا ذکر پڑھ کر فرمانے لگے: ''اے اللہ! ان لوگوں سے تیری پناہ! میں ان لوگوں سے بری ہوں۔''

اب وہ اپنے تذکرے کی تلاش میں قرآن پڑھتے پڑھتے ان آیات پر رُک گئے:

﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ملے جلے عمل کیے،

---

[1] الأنبیاء 10:21. [2] الفرقان 64:25.

کچھ اچھے اور کچھ برے۔ امید ہے اللہ ان پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔"[1]

اس موقع پر ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا: "ہاں! ہاں! بے شک یہی میرا تذکرہ ہے۔"[2]

قرآن مجید ایک مُعْجِز (عاجز کر دینے والی) کتاب ہے:

قرآن کریم نے اپنے معجز ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ان لوگوں کو دعوت مقابلہ دی ہے جو اس کے کتابِ الٰہی ہونے کا انکار یا اس میں شک وشبہے کا اظہار کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ○﴾

"(اے نبی!) فرما دیجیے: اگر سارے انسان اور سارے جن مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تب بھی اس طرح کا نہیں لاسکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔"[3]

پھر اس میں تخفیف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ﴾

"کیا وہ کہتے ہیں: اس نے قرآن گھڑ لیا ہے؟ فرما دیجیے: اگر تم سچے ہو تو دس سورتیں

---

[1] التوبة 102:9.

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے مختصر قیام اللیل 64-66.

[3] بني إسرآءيل 88:17.

اس جیسی (گھڑی ہوئی) لے آؤ، اور اللہ کے سوا جن جن کو بلا سکتے ہو بلا لو، پھر اگر یہ تمھاری بات نہ مانیں تو یقین کرلو کہ یہ (قرآن) صرف اللہ کا علم لے کر اترا ہے۔''[1]

مزید تخفیف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○﴾

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں: اس نے اسے (یونہی) جھوٹ مُوٹ بنالیا ہے؟ فرمادیجیے: اگر تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلالو۔''[2]

رسول اللہ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء اور رسل گزرے ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے معجزات سے نوازا تھا جو ان کی نبوت و رسالت کی دلیل بن سکتے تھے۔ چونکہ ان کی نبوت و رسالت ایک محدود وقت اور ایک مخصوص قوم کے لیے ہوتی تھی، اس لیے ان کے معجزات ان کے ہاتھوں ظاہر ہوتے اور ان کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے تھے۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت چونکہ عالمگیر اور دائمی ہے، یعنی جب تک یہ دنیا قائم ہے، آپ کی رسالت برقرار رہے گی، اس لیے آپ کو ایسا معجزہ دیا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ»

''ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا جس کی بنا پر لوگ ایمان لا سکتے تھے اور جو معجزہ مجھے دیا گیا ہے، وہ ایک ایسی وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف کی ہے۔''[3]

---

[1] هود 14,13:11. [2] يونس 38:10.

[3] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحي......، حديث:4981.

اس لیے جب آپ سے معجزات کا مطالبہ کیا گیا تو یہ ارشادِ باری تعالیٰ نازل ہوا:

﴿ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

''کیا (یہ بطور نشانی) ان کے لیے کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر (کامل) کتاب اتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے رحمت اور یاددہانی (نصیحت) ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔''[1]

اہلِ کتاب اور مشرکین کو قرآن کا مثل لانے کا چیلنج دیا گیا، پھر یہ چیلنج دس سورتوں تک محدود کر دیا، پھر صرف ایک ہی سورت کا مثیل لانے کا چیلنج دیا۔ حق یہ ہے کہ کوئی کلام یا کتاب قرآن یا اس کی کسی سورت کی مثل اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک اس کے اعجاز کے تمام پہلوؤں اور اس کی تمام خصوصیات کی حامل نہ ہو۔ قرآن صرف اپنے الفاظ وتراکیب، فصاحت وبلاغت ہی کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے بلکہ یہ جس طرح اپنے الفاظ وتراکیب اور فصاحت وبلاغت میں لاثانی، بے مثل اور معجزہ ہے، اسی طرح اپنے معانی ومضامین، اپنے بلند پایہ حقائق ومعارف، اپنی غیبی معلومات، حقائقِ ابدی اور اپنی پیش کی ہوئی دینی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور مدنی واجتماعی تعلیمات میں بھی سراسر معجزہ ہے حتیٰ کہ اپنے اثرات ونتائج، انقلاب انگیزی اور پیش گوئیوں میں بھی لاجواب ہے۔ اگر صرف الفاظ اور تراکیب میں، جو اس کے اعجاز کا محض ایک پہلو ہے، اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکا تو اس کے اعجاز کے تمام پہلوؤں کا مقابلہ بھلا کس کے بس کی بات ہے!

اعجازِ قرآن کے چند گوشے:

(1) قرآن مجید کا سب سے بڑا اور بنیادی اعجاز اس کا ایک مکمل دستورِ حیات اور نظامِ زندگی

---

[1] العنکبوت 51:29.

پیش کرنا ہے۔قرآنِ حکیم نے ایمان وعقائد، افکار ونظریات، اقتصاد ومعیشت، امارت ومشاورت، نظامت وعدالت، معاشرت ومعاملات، علم وعمل، غرضیکہ دین ودنیا کے ہر گوشے کے بارے میں ایسا آخری ہدایت نامہ اور نظامِ عمل پیش کیا ہے کہ اس سے زیادہ محکم واُستوار، جامع، واضح اور نافع ہدایت نامہ دنیا میں آج تک پیش نہیں کیا جا سکا۔اس سے پہلے کے ادیان اور الہامی کتب بھی چونکہ اپنے اپنے وقت کے ساتھ محدود ومخصوص تھیں، اس لیے وہ بھی اس کے مقابلے میں ناقص ہیں۔اس نے انسانی زندگی کے انفرادی واجتماعی، جسمانی وروحانی، معاشی ومعاشرتی، تہذیبی وتمدنی، عدالتی وتجارتی، سیاسی وعمرانی اور حکمرانی وفرمانروائی، غرض زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں ایسے احوال وکلیات پیش کیے ہیں کہ اب ان میں کسی قسم کی کمی بیشی، ترمیم وتنسیخ اور تغیر وتبدل کی ضرورت نہیں بلکہ قرآن کے جملہ محاسن اور کمالات کا استقصا اور استیعاب بھی حدِ امکان سے باہر ہے۔

قرآن کے حقائق ومعارف

قرآن کا دوسرا عظیم اعجازی پہلو اس کے بے پایاں علوم ومعارف اور حقائق ودقائق ہیں۔ انسان کا علم جس قدر ترقی کرتا جائے گا اور اس کی آنکھوں سے جتنے پردے اُٹھتے جائیں گے، قرآنی علوم ومعارف اسی قدر نکھر کر سامنے آتے جائیں گے۔مشہور فرانسیسی محقق موریس بوکائے کی کتاب (The Bible, The Quran and Science) کے عنوان سے چھپی ہے۔اس کا عربی ترجمہ دراسة الكتب المقدسة في ضوء المعارف الحديثية کے عنوان سے اور اردو ترجمہ ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔محقق موصوف نے اس کتاب کے باب اول میں لکھا ہے: ''ان سائنسی خیالات نے، جو قرآن کے ساتھ زیادہ مماثلت رکھتے ہیں، مجھے ہکا بکا کر دیا۔میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک ایسی تحریر میں، جو تیرہ صدیوں سے بھی پہلے

ظاہر ہوئی اور جس میں انتہائی مختلف النوع مضامین بیان ہوئے ہیں، میرے لیے یہ ممکن ہوگا کہ میں اس میں سے ایسے بیانات ڈھونڈ نکالوں گا جو جدید سائنسی معلومات سے کلی طور پر ہم آہنگ ہوں گے۔''[1] اور کتاب کے آخر میں لکھا ہے: ''حضرت محمد ﷺ کے زمانے کی معلومات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ناقابلِ تصور معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے بہت سے وہ بیانات جو سائنس سے متعلق ہیں، کسی بشر کا کلام ہو سکتے ہیں، لہٰذا یہ بات مکمل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو وحی آسمانی کا اظہار سمجھا جائے۔''[2]

یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ قرآنِ مجید میں ان حقائق و اشیاء کا تذکرہ ہوا ہے جن کا تعلق تاریخ، جغرافیہ، طبیعیات، فلکیات، اجرامِ سماوی، علم الحیات، انسان کی تخلیق، اس کے جسم کی تکوین و ترکیب اور دوسرے ایسے علوم سے ہے جن کے بارے میں اس دورِ جدید میں حقائق و معارف کا نیا عالم منکشف ہوا ہے اور پرانے انسانی علوم کے زمین و آسمان بدل گئے ہیں، وہ قرآن کا اصل موضوع و مقصد نہیں ہیں۔ قرآن کا اصل مقصد انسان کو اللہ رب العزت کی بندگی کی دعوت دینا ہے، اس لیے قرآنِ مجید میں جدید علمی حقائق تلاش کرنا اور ان کو جدید تحقیقات اور نت نئے انکشافات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرنا ایک بالکل مختلف، نازک اور پرخطر کام ہے کیونکہ علم و تحقیق کے جو نتائج اس وقت ثابت شدہ حقائق نظر آتے ہیں، وہ آئندہ ادوار میں بدل سکتے ہیں یا ان کے ثبوت و قطعیت مشکوک و مجروح بھی ہو سکتے ہیں، اس لیے قرآنی حقائق و معارف کو کسی قدیم یا جدید نظریے سے تطبیق دینے کی ضرورت نہیں۔ علم و تحقیق کی تاریخ میں اس کا تجربہ کئی بار ہو چکا ہے کہ ایک دور کے مسلّمات و حقائق دوسرے دور میں یکسر بدل گئے۔ کبھی زمین کو مرکزِ کائنات ٹھہرایا گیا اور کبھی آفتاب کو۔ زمین کبھی مسطح ثابت ہوئی اور کبھی گول۔ سیاروں پر آبادی کبھی ناممکن قرار دی گئی اور کبھی ممکن۔ کبھی زمین متحرک ٹھہری اور کبھی ساکن، البتہ

---

[1] بائبل، قرآن اور سائنس: 192. [2] بائبل، قرآن اور سائنس: 402.

یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ قرآنِ مجید میں ہرگز کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے خلافِ واقعہ ثابت کیا جا سکے۔ قرآنی حقائق ومعارف کی جدید سائنسی انکشافات سے تطبیق جدید علم وتحقیق سے مرعوبیت کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے۔

اعجازِ قرآن کا تیسرا پہلو

قرآن کریم کے بیان کردہ غیبی واقعات اس کے اعجاز کا تیسرا پہلو ہیں۔ قرآنِ مجید میں انبیائے سابقین اور گزشتہ امم کے بارے میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، وہ بجائے خود قرآن کا ایک مستقل معجزہ ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ان کی اطلاعات کا سرچشمہ اور ماخذ، علمِ الٰہی کے فیض اور وحی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تمام واقعات وحیِ الٰہی کا کرشمہ ہیں۔ اعجاز کے اس پہلو کی طرف قرآنِ مجید بار بار توجہ دلاتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے واقعات کی بعض جزئیات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ ﴾

''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اور آپ اس وقت ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے (کہ قرعہ ڈال کر فیصلہ کرلیں) کہ کون مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔'' [1]

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ

[1] آل عمران 44:3.

مِنْ قَبْلِ هٰذَا ﴾

''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس (وحی) سے پہلے نہ آپ یہ خبریں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔''❶

قرآن مجید نے کفار کے اس الزام کی، کہ یہ واقعات آپ کی پرانی یا قلمی یادداشت ہیں، تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ ﴾

''اور وہ کہتے ہیں (یہ قرآن) اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو اس نے لکھوا رکھے ہیں جو صبح وشام اس کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ فرما دیجیے: اسے (قرآن کو) اسی نے اتارا ہے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بڑا بخشنے والا، انتہائی مہربان ہے۔''❷

سورۂ عنکبوت میں آپ کی ان چیزوں سے بیگانگی اور آپ کی ناخواندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ آپ اس ماحول سے قطعاً ناآشنا اور علم کے سامان ولوازم سے بالکل بیگانہ تھے، اس لیے شکوک وشبہات کا اظہار کرنے والوں کے لیے آپ کے علم کے ماخذ ومصدر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ ﴾

''اور آپ اس (قرآن) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ

❶ هود 49:11 . ❷ الفرقان 5:25،6.

سے لکھ سکتے تھے۔ (اگر ایسا ہوتا) تو یہ باطل پرست ضرور شبہ کرتے۔"[1]

اس لیے یہ دعویٰ اور خیال کہ قرآنِ مجید کے واقعات تورات وانجیل سے ماخوذ ہیں، بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہے۔ یہ دعویٰ کرنے والے کتبِ قدیمہ اور قرآنِ مجید دونوں سے ناآشنا ہیں۔ قرآنِ مجید اور تورات وانجیل دنیا میں موجود ہیں، ان کا آپس میں تقابل آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے جس کے نتیجے میں اصل حقیقت فوراً اُجاگر ہوسکتی ہے۔

موریس بوکائے نے بائبل اور قرآن کے بہت سے موضوعات کا تقابل کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے: "قرآن اور بائبل میں بڑے اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات اس دعوے کو غلط ثابت کردیتے ہیں جس میں بغیر کسی شہادت یا ثبوت کے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے قرآن کا متن پیش کرنے کے لیے بائبل کی نقل کرڈالی۔"[2]

قرآنِ مجید کا چوتھا اعجازی پہلو

کتابِ الٰہی کی پیش گوئیاں قرآنی اعجاز کا چوتھا پہلو ہیں۔ معجزہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خرقِ عادت طریقے پر محض قدرتِ ربانی سے کسی رسول کی تصدیق کے لیے ظاہر ہو اور انسانی عقل اس کی ظاہری توجیہ وتعلیل سے قاصر ہو۔ جن حالات میں یہ پیش گوئیاں کی گئی ہیں اور جس طرح ان کا ظہور ہوا ہے وہ ایک معجزہ ہے، ان میں اعجاز کے دو پہلو ہیں:

(1) بظاہر ناموافق حالات میں ان بعید از عقل اور اہم واقعات کی خبر واطلاع۔

(2) اس اطلاع کے عین مطابق ان کا ظہور اور وقوع۔

- ان سب پیش گوئیوں میں سب سے زیادہ صاف اور محیر العقول پیش گوئی رومیوں کا غلبہ ہے جسے سورۂ روم کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] العنکبوت 48:29.

[2] بائبل، قرآن اور سائنس :402.

- اسی طرح موحّد اور مطیع مسلمانوں کی حکومت وخلافت کی پیش گوئی سورۂ نور، آیت: 55 ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ میں۔
- دین کے غلبے کی پیش گوئی سورۂ توبہ، آیت: 33,32، سورۂ فتح، آیت: 28، سورۂ صف، آیت: 9,8 میں۔
- فتح مکہ کی پیش گوئی سورۂ فتح، آیت: 1-3 اور سورۂ صف، آیت 13 میں۔
- صلح حدیبیہ اور غنائم کے حصول کی پیش گوئی، سورۂ فتح، آیت: 18-20، میں۔
- قرآنِ مجید کے جمع واشاعت اور تبیین کی پیش گوئی سورۂ قیامہ میں۔
- رسول اکرم ﷺ کی وفات کے قرب اور اشاعتِ اسلام کی پیش گوئی سورۂ نصر میں کی گئی ہے۔
- اسی طرح اور بھی پیش گوئیاں ہیں جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔

قرآنی ہدایت کا انقلابی پہلو

رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ مجید اور اس کی عملی تفسیر، یعنی اپنی سیرتِ مقدسہ اور کردار واخلاق [كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ] ”آپ کا اخلاق قرآن ہی ہے۔“[1] کے ذریعے سے جو ذہنی، فکری، اعتقادی، روحانی، اخلاقی، نفسیاتی، معاشرتی، اجتماعی اور سیاسی انقلاب برپا فرمایا، پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہ پہلے ملتی ہے، نہ آپ کے بعد۔ یہ قرآن کا ایک معجزہ ہے۔ اس انقلاب کے زیرِ اثر جو افراد اور جماعتیں وجود میں آئیں ان میں سے ہر جلیل القدر صحابی خصوصاً عشرۂ مبشرہ، حضرت ابوہریرہ، عبادلۂ اربعہ (عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) وغیرہ میں سے ہر ایک انفرادی طور پر بجائے خود علومِ دین کا مستقل سرچشمہ ہے۔ انسانی تاریخ میں کسی وقت کسی جگہ اور کسی گروہ میں اتنے قلیل عرصے میں اس قدر وسیع انقلاب کا

[1] مسند أحمد: 216/6 عن عائشة رضي الله عنها.

مشاہدہ نہیں ہوسکا۔اس میں اعجاز کا پہلو یہ ہے کہ یہ ہمہ گیر انقلاب ان تمام وسائل وذرائع کے بغیر رونما ہوا جن سے دنیا آشنا ہے۔قرآنِ مجید نے اعجاز کے اس پہلو کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ان میں بے مثل قلبی مؤدّت ومحبت اور وحدت ویگانگت پیدا کی، اسی کے متعلق فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝﴾

”وہی تو ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنوں کے ذریعے سے آپ کو قوت بہم پہنچائی اور مسلمانوں کے دلوں کو جوڑ دیا (ان میں الفت پیدا کردی) اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کردیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کرسکتے تھے۔لیکن اللہ نے ان کے مابین الفت پیدا کردی۔ بلاشبہ وہ غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔“ [1]

زمانۂ جاہلیت اور دورِ اسلام کا فرق نمایاں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ﴾

”اور تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت (احسان) کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور تم اس کی نعمت کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔“ [2]

قرآنِ مجید کی فصاحت وبلاغت

عرب، قرآنِ مجید کے اولین مخاطب تھے۔ یہ علم وفن سے کورے، ان پڑھ لوگ تھے مگر

[1] الأنفال 8:62،63. [2] آل عمران 3:103.

فصاحت و بلاغت ان کا پیدائشی وصف اور کمال تھا جس میں وہ اپنے آپ کو ساری دنیا سے ممتاز سمجھتے تھے بلکہ دوسروں کو اپنے مقابلے میں عجمی (گونگے) قرار دیتے تھے۔ قرآنِ مجید نے ان کو مقابلے کا چیلنج دیا۔ اگر قرآن کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ باصلاحیت عرب ہی تھے۔ عرب سرداروں نے قرآن اور صاحبِ قرآن کو مغلوب کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ وہ مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سمیت ہر متاع پر حملہ آور ہوئے لیکن یہ جرأت نہ کر سکے کہ قرآن کے مقابلے میں کوئی کلام پیش کریں۔ اس کے برعکس تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی خصوصی نجی مجالس و محافل میں اس کے بے مثل ہونے کا خود اعتراف کیا۔ ولید بن مغیرہ بنو مخزوم کا ایک فرد تھا۔ اس نے کہا:

وَاللّٰهِ ! إِنَّ لِقَوْلِهِ حَلَاوَةً وَّإِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً

''اللہ کی قسم! اس کے قول میں بڑی شیرینی اور بڑی رونق و شادابی ہے۔''

ایامِ حج کے موقع پر اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا: ایامِ حج میں عرب کے مختلف وفود آئیں گے، اس لیے محمد کے بارے میں کوئی مناسب بات طے کر لو، پھر تم میں سے کوئی اس بات کی مخالفت نہ کرے۔ لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کہیں، یہ کاہن ہے، یہ مجنون ہے، یہ شاعر ہے، یہ جادوگر ہے۔ مغیرہ نے ہر بات کو رد کر دیا۔ جب کوئی بات قابل قبول نہ ٹھہری تو لوگوں نے مغیرہ سے کہا: تم ہی کوئی بات بتا دو تو اس نے عاجز آ کر کہا: ''بس یہی کہو کہ وہ جادوگر ہے کیونکہ اس نے ایسا کلام پیش کیا ہے جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر بیوی غرضیکہ خاندان بھر میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔''[1]

اس قسم کے واقعات عتبہ بن ربیعہ، نضر بن حارث وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔ مزید برآں

[1] المستدرك للحاكم، التفسير، سورة المدثر:507/2 ، حديث:3872 اور تفصیل کے لیے دیکھیے السيرة النبوية لابن هشام:271,270/1.

اس چیلنج میں اعجاز کا ایک پہلو یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں یہ پیش گوئی بھی موجود ہے کہ وہ قرآن کا یہ چیلنج قبول نہیں کر سکتے اور باہم مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جیسے سورۂ بقرہ میں فرمایا:

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ ﴾

''اور اگر تمھیں اس کلام کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو اس کی ہم پلہ ایک سورت ہی بنالاؤ، اور اللہ کے سوا جتنے تمھارے حمایتی ہیں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور کر بھی نہ سکو گے تو تم آگ سے بچو۔''[1]

اس چیلنج کے قبول کرنے کے محرکات اور دواعی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں لیکن آج تک کوئی شخص، کوئی گروہ اور کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکی اور نہ آئندہ کر سکے گی۔

قرآن کی فصاحت و بلاغت کا اعجاز الفاظ، تراکیب، اسلوب، نظم، قصص اور امثال ہر اعتبار سے درخشاں ہے۔[2]

حفاظتِ قرآن

قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے اور کتابیں ہمیشہ تحریف و تغیّر کا نشانہ اور تلف و تباہی کا ہدف بنتے رہے کیونکہ وہ ایک خاص اور محدود مدت کے لیے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ و بقا کی ذمہ داری خود نہیں اُٹھائی، اور یہ تاریخی طور پر ثابت شدہ ایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان لوگوں نے بھی کیا ہے جن کے پاس وہ صحیفے اور کتابیں آئی تھیں۔ عہدِ عتیق

---

[1] البقرة 2:23، 24.

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے التحرير والتنوير المعروف بتفسير ابن عاشور، المقدمة العاشرة في إعجاز القرآن.

ابتدائیہ

(تورات) کے صحیفے برابر غارت گری اور آتش زدگی کا نشانہ بنتے رہے۔ یہودی مؤرخین کے اعتراف کے مطابق تخریب وتحریف کا یہ کام تین دفعہ ہوا:

(1) پہلی دفعہ جب بابل کے بادشاہ بُخت نُصر نے ریاست یہودیہ پر 586 ق م میں حملہ کیا۔ بیت المقدس کو آگ لگا دی جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے تورات کی تختیاں اور آلِ موسیٰ و آلِ ہارون کے تبرکات محفوظ کر رکھے تھے۔ بعد میں انھیں حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے حافظے کی مدد سے دوبارہ لکھوایا، پھر ان میں اضافے ہوتے رہے۔

(2) دوسری دفعہ انطاکیہ کے بادشاہ انطوکوس (Antiochus iv) چہارم نے بیت المقدس پر 168 ق م میں حملہ کیا اور صُحُفِ مقدسہ کو جلا دیا۔

(3) تیسری دفعہ رومن سپہ سالار ٹائٹس (Titus) نے بیت المقدس پر 70 ق م میں حملہ کیا اور اس کو ہیکلِ سلیمانی سمیت برباد کر ڈالا۔

عہد نامۂ جدید (انجیل) کا معاملہ عہدِ عتیق سے بھی گیا گزرا ہے۔ یہ انجیلیں مذہبی کونسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر وتبدل اور اصلاح وترمیم کا نشانہ بنتی رہیں۔ یوں یہ آسمانی کتابیں وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سِیَر وسوانح اور واقعات وحکایات کا مجموعہ بن گئی ہیں۔ [1]

لیکن عہدِ قدیم اور عہدِ جدید (بائبل، کتابِ مقدس) کی کتابوں کے برعکس قرآنِ مجید جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے، اس کی حفاظت اور اسے ہر قسم کی تحریف وترمیم اور کمی وبیشی سے پاک رکھنے کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

''ہم ہی نے ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' [2]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے ''مختصر اظہار الحق'' کا ترجمہ از شیخ صفی الرحمن مبارکپوری، پہلا باب اور ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے بائبل سے متعلقہ ابواب۔ [2] الحجر 9:15.

نیز فرمایا: ﴿لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط﴾
''باطل (جھوٹ) کا اس میں دخل ہی نہیں، نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔''[1]

ان آیات میں یہ پیش گوئی کر دی گئی ہے کہ قرآنِ کریم، اپنی اصل شکل میں ہمیشہ محفوظ رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹانے یا اس میں تحریف وترمیم کرنے کی مذموم کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ قرآنِ کریم میں آج تک ایک نقطے کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ قرآن میں قلم لگانے اور کسی بھی نوعیت کا ردوبدل کرنے کی جس نے بھی جسارت کی، وہ بری طرح ناکام ہو گیا۔ آج بھی یہودی اور عیسائی اس ناپاک مقصد کے لیے سرگرداں ہیں لیکن نام نہاد سپر طاقت کی پشت پناہی کے باوجود منہ کی کھا رہے ہیں۔ ''حفاظت'' بہت وسیع المعنی لفظ ہے۔ اس میں قرآنِ مجید کے حفظ وبقا، نشر واشاعت، قراءت وتلاوت اور اس کے معانی ومطالب، سب کی حفاظت کی ابدی ضمانت مضمر ہے۔

قرآن کا سرچشمہ

قرآنِ مجید کی مذکورہ بالا خصوصیات اور امتیازات اس بنا پر ہیں کہ اس کا سرچشمہ اور ماخذ علمِ الٰہی ہے اور اس کے نزول کا واسطہ وذریعہ وحی ہے اور یہ وہ سرچشمہ ہے جو ہر قسم کے عیب ونقص، شک وشبہ، ریب وارتیاب، ظن وتخمین اور تعارض واختلاف سے یکسر پاک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور ابدی ہے اور وہ خالقِ کائنات ہونے کے اعتبار سے انسان اور اس کی فطرت کا خالق ہے اور انسان کی ہر قسم کی ضروریات اور اس کے مسائل ومشکلات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ○﴾

---

[1] حٰمٓ السجدة 42:41.

''(بھلا) جس نے پیدا کیا اسے معلوم نہیں، وہ تو از حد باریک بین اور بڑا باخبر ہے۔''❶

اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر حاوی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝﴾

''(اس نے) ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔''❷

اور فرمایا: ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ۝﴾

''میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔''❸

اور فرمایا: ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾

''وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔''❹

﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾

''آسمانوں میں اور زمین میں ذرہ برابر کوئی چیز بھی اس سے چھپی نہیں رہ سکتی۔''❺

قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کے علم سے ماخوذ ہے، اس لیے وہ اس کی خصوصیات کا حامل اور اس کی صفات کا مظہر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾

''اور ہم نے ان کے سامنے ایسی کتاب پیش کی ہے جسے ہم نے اپنے علم و آگہی سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔''❻

انسانوں تک قرآن پہنچنے کا واسطہ:

انسانوں تک قرآنِ مجید بلا واسطہ نہیں پہنچا، اس لیے کہ ہر انسان اس کے تحمل اور قبول کی صلاحیت و استعداد سے بہرہ مند نہیں ہے۔

---

❶ الملك 14:67. ❷ طٰه 98:20. ❸ طٰه 52:20.

❹ الحشر 22:59. ❺ سبا 3:34. ❻ الأعراف 52:7.

جیسا کہ فرمایا:

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾

’’اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کسے سونپے۔‘‘ ❶

بسا اوقات یہ صورت پیش آتی ہے کہ کسی علم واطلاع کا اصل منبع اور سرچشمہ تو پورے طور پر صاف اور محفوظ ہوتا ہے لیکن دوسروں تک پہنچنے کا وسیلہ قابلِ وثوق اور لائق اعتماد نہیں ہوتا۔ اپنے اصل سرچشمے سے چیز صحیح اور محفوظ روانہ ہوتی ہے لیکن اپنے منتہی تک پہنچتے پہنچتے اس میں تبدل وتغیر ہو جاتا ہے۔

لیکن رسولِ اکرم ﷺ تک قرآنِ مجید پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ وحیِ الٰہی ہے۔ فرمانِ باری ہے:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○﴾

’’وہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے، اسے ایک بڑی قوتوں والی شخصیت (جبریل) نے سکھایا ہے۔‘‘ ❷

نیز فرمایا:

﴿ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ○ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ○﴾

’’وہ بڑی قوت والا اور صاحبِ عرش کے ہاں بڑا درجہ رکھنے والا ہے۔ وہاں اس کا کہا مانا جاتا ہے اور وہ قابلِ اعتماد ہے۔‘‘ ❸

اور اس کی قراءت اور بیان کی ذمے داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○﴾

’’اس (وحی) کو لینے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تا کہ آپ اسے جلد از جلد لے سکیں بلکہ اسے (آپ کے سینے میں) جمع کرنا اور آپ کو پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔‘‘ ❹

❶ الأنعام 124:6. ❷ النجم 5,4:53. ❸ التکویر 21,20:81. ❹ القیمة 17,16:75.

اس لیے انسانوں تک پہنچانے والا رسول بھی اسے تبدیل نہیں کرسکتا، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآيِٕ نَفْسِيٓ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ۖ﴾

''فرما دیجیے: میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں۔ میں تو بس جو چیز میری طرف وحی کی جاتی ہے اُسی کی پیروی کرتا ہوں۔''[1]

نزولِ قرآن کے مقاصد

جب اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو آباد کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس میں حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو بھیجا تو فرمایا:

﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ○ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا﴾

''تم دونوں اکٹھے (آدم وابلیس) یہاں سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ پس اگر تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ راہِ راست سے پھرے گا نہ ناکام ہوگا (نہ شقاوت وبدبختی کا شکار ہوگا) اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا، اس کی گزر بسر تنگ ہوگی۔''[2]

اس وعدۂ الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کی ہدایت ورہنمائی کے لیے دینِ اسلام کو ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی بنا کر بھیجنے کا آغاز فرمایا۔ اور اس ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی کی تکمیل اپنے آخری صحیفۂ ہدایت کے ذریعے سے کر دی جو خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے سے انسانوں تک پہنچا اور جو انسانوں کے لیے برہان، نور، موعظہ، شفاء، ہدایت اور رحمت ہے

---

[1] یونس 15:10. [2] طٰہٰ 124,123:20.

بشرطیکہ وہ اس صحیفۂ ہدایت کو اپنا دستور العمل بنا لیں اور اپنی پوری زندگی کا ہر ہر گوشہ اس کے مطابق سنوار لیں جیسا کہ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ ﴾

''اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے آقا و مالک کی طرف سے ایک کھلی دلیل آ چکی ہے اور ہم نے تمھاری طرف واضح روشنی اتاری ہے، چنانچہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس (برہان و نور) کو مضبوطی سے تھام لیا تو اللہ انھیں اپنی رحمت سے سرفراز فرمائے گا اور اپنے فضل سے نوازے گا اور انھیں اپنی طرف پہنچنے کی سیدھی راہ پر چلائے گا۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے آقا و مالک کی طرف سے (قرآن کی) نصیحت آ گئی ہے اور یہ (ان بیماریوں کے لیے) شفا ہے جو سینوں میں ہیں اور مومنوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔''[2]

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ۭ ﴾

''فرما دیجیے! یہ (کتاب) ان لوگوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے جو ایمان والے ہیں۔''[3]

انسان کی حقیقی زندگی اور شفا و تندرستی کا انحصار دل پر ہے کیونکہ

---

[1] النسآء 4:174، 175۔ [2] یونس 10:57۔ [3] حٰمٓ السجدۃ 41:44۔

﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝﴾

”تو حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں۔“ ❶

اور یہ وحیِ الٰہی جو قرآن کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے، آدمی کی روح اور زندگی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»

”خبردار! بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ صحیح اور صالح ہوتا ہے تو تمام بدن (کا فعل) صالح اور درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگاڑ اور فساد سے دوچار ہوتا ہے تو سارا بدن بگاڑ کا شکار ہوتا ہے۔ خبردار! وہ ٹکڑا دل ہے۔“ ❷

کسی شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

دل کے بگاڑ ہی سے بگڑتا ہے آدمی
جس نے اِسے سنبھال لیا وہ سنبھل گیا

قرآن دل کی روح اور اصلاحِ قلب کا مؤثر ترین عامل ہے۔ جب دل زندہ و بیدار ہو جاتا ہے تو انسانی زندگی کے تمام گوشے قرآنی ہدایت کے نور سے منور ہو جاتے ہیں۔ اور انسان اللہ کے فضل و رحمت کا حقدار بن جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ

---

❶ الحج 46:22 .

❷ صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه ، حديث:52 ، وصحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، حديث:1599 .

لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط﴾

''اوراسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح (قرآن) کی وحی کی۔آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب (قانون وشریعت) کیا ہےاورایمان (کی حقیقت وتفصیلات) کیا ہیں لیکن ہم نے اس (وحی وروح) کونور بنادیا۔ہم اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں جسے چاہتے ہیں سیدھی راہ پر گامزن کردیتے ہیں۔اور بلاشبہ آپ سیدھی راہ دکھاتے ہیں۔اللہ کی راہ جوآسمانوں اورزمین کی ہر چیز کا خالق ومالک ہے۔''[1]

اور یہ قرآن ہی اس راہ کی دعوت دیتا ہےاوراسے بیان کرتا ہے جوتمام راہوں سے زیادہ سیدھی، سچی اورسدھار کا باعث ہے۔ارشاد باری ہے:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾

''بلاشبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جوسب سے زیادہ سیدھی ہے۔''[2]

قرآن مجید کی تفہیم کیونکر؟

قرآنِ مجید تمام انسانوں کے لیے قیامت تک آخری صحیفۂ ہدایت ہے جوایسا دستورِ زندگی اور لائحہ عمل پیش کرتا ہے جسے اپنانے اور نظامِ حیات بنانے میں انسانوں کی دنیوی واخروی کامیابی کا راز مضمر ہے۔اس کے بغیر دنیا امن وسکون کا گہوارہ نہیں بن سکتی، نہ وہ حقیقی اور ابدی زندگی جوموت کے بعد حاصل ہوگی خوش بختی سے ہمکنار ہوسکتی ہے،اس لیے اس کا سمجھنا بے حد ضروری ہے تاکہ ہم اس کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔قرآن کے علم وفہم کے بغیر اس پر عمل ممکن نہیں ہےاورعمل کے بغیر قرآن کے برکات وثمرات سے فیض یاب ہونے کی تمنا کرنا

[1] الشوریٰ 42:52،53. [2] بني إسرآءيل 17:9.

دیوانے کا خواب ہے۔

آج کل کا انسان قرآنِ مجید کے فہم وعلم اور اس پر عمل کرنے کا جس قدر محتاج ہے وہ محتاجِ وضاحت نہیں۔قرآنِ کریم کا فہم وعلم حاصل کر کے اور اس پر عمل پیرا ہو کر ہمارے اسلاف صحابہ اور تابعین نے جس قدر عروج وترقی حاصل کر لی تھی اس کی تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی،اسی لیے قرآنِ مجید بار بار غور وفکر اور تدبر وتعقل کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ ﴾

”یہ ایک عظیم بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر سوچ بچار کریں اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔“[1]

نیز فرمایا: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○ ﴾

”کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں؟“[2]

مزید فرمایا: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ ﴾

”بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں اتارا ہے تاکہ تم اسے سمجھو۔“[3]

نیز فرمان ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ ﴾

”اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) اتارا ہے تاکہ لوگوں کے لیے جو کچھ اتارا ہے آپ اسے ان کے سامنے کھول کر بیان کر دیں اور وہ (خود بھی) اس پر غور وفکر کریں۔“[4]

قرآن بلکہ کسی بھی کلام میں تدبر وتفکر اس کے معانی ومطالب سمجھے بغیر ممکن نہیں اور قرآنِ مجید، چونکہ ایک ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی ہے، اس لیے اس کا فہم اور تدبر وتفکر اس کے نزول کے ساتھ ہی شروع ہو گیا۔اور رسولِ اکرم ﷺ کا فریضۂ منصبی یہی تھا کہ وہ تلاوتِ آیات کے ساتھ

[1] صٓ 29:38. [2] محمد 24:47. [3] یوسف 2:12. [4] النحل 44:16.

ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اور کتاب وحکمت کی روشنی میں عقائد، اعمال اور اخلاق کی تطہیر وتزکیہ فرمائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ﴾

''وہ (اللہ، ملک، قدوس، عزیز اور حکیم ہی) ہے جس نے (اپنی ان صفات کے اظہار کے لیے) امیوں میں، انھی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے، انھیں پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔''[1]

صحابۂ کرام اہلِ زبان تھے، ان کے سامنے قرآن اتر رہا تھا لیکن اس کے باوجود آپ ان کو پڑھ کر سناتے، اس کے معانی ومطالب اور حقائق ومعارف سکھاتے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ سمجھاتے تھے اور فرمانِ الٰہی: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾[2] کے امتثال میں اس کی علمی وعملی توضیح وتبیین فرماتے تھے۔

امام ابوعبدالرحمٰن سلمی بیان کرتے ہیں: ہمیں قرآن کی تعلیم دینے والے صحابۂ کرام، حضرت عثمان بن عفان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بتایا کہ جب وہ دس آیات سیکھ لیتے تھے تو اس وقت تک ان سے آگے نہ بڑھتے جب تک کہ ان آیات کے علم وعمل کو نہ سیکھ لیتے۔ انھوں نے کہا: اسی طرح ہم نے پڑھا اور علم وعمل سیکھا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی سورۂ بقرہ اور آلِ عمران پڑھ لیتا تھا تو وہ ہماری نظروں میں جلیل القدر آدمی ٹھہرتا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف سورۂ بقرہ کے حفظ کرنے پر آٹھ برس صرف کر دیے تھے۔[3]

ظاہر ہے یہ آٹھ برس محض الفاظ یاد کرنے پر صرف نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ قرآن کی حکمت

[1] الجمعة 62:2. [2] النحل 16:44. [3] مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية :13/331 .

اس کے حقائق ومعارف جاننے اوران پر عمل پیرا ہونے پر صرف ہوئے تھے۔اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر قرآن اتارا، آپ کی زبان پر اسے جاری کیا اور پڑھایا اور اس کے معانی ومطالب کی تعلیم دی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝﴾

''اس کا بیان اور توضیح بھی ہمارے ذمے ہے۔'' [2]

اسی لیے آپ پر حکمت اتاری، تنہا قرآن نہیں اتارا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط﴾

''اور آپ پر اللہ نے کتاب وحکمت اتاری اور آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے۔'' [3]

اسی طرح صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن پڑھنا، اس کے معانی ومطالب سمجھنا اوراس پر عمل کرنا سیکھا اوران تینوں چیزوں کی تعلیم اپنے تلامذہ تابعین عظام کو دی۔ علم وعمل اور تعلیم وتعلّم کی یہ روایت تابعین سے تبع تابعین تک پہنچی۔ یوں یہ سلسلہ قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسلٍ آج تک قائم ہے اور جب تک سورج چمکے گا اور انسان کتم عدم کے پردے سے بساط ہستی پر جلوہ گر ہوتے رہیں گے، قرآنِ کریم کی تعلیم وتفہیم کا مقدس سلسلہ اسی طرح جاری وساری رہے گا۔ فی الجملہ قرآن اپنی یگانہ عظمت ومعجزات کے ثبوت کے لیے کسی کی گواہی کا محتاج نہیں لیکن انسان اپنے شرف کے حصول کے لیے قرآن کے مطالعے کا ہمیشہ محتاج رہے گا۔

حافظ عبدالعزیز علوی

(شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ۔فیصل آباد)

رجب 1427ھ / اگست 2006ء

[2] القیٰمۃ 19:75 [3] النسآء 113:4.

مقدمہ

وہ کتاب، جو ہر شک وشبہ سے بالا اور ہر نقص سے پاک ہے، قرآن عظیم ہے۔ یہ کتاب مقدس امتِ اسلامیہ کی روح ہے، اسی میں اُمت کی زندگی، عزت اور سرفرازی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ﴾

”اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک روح (قرآن) کی وحی کی۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا، ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے ذریعے سے ہدایت دیتے ہیں۔“ [1]

پس قرآنِ عظیم وہ روح ہے جو زندگی کی لہر پیدا کرتی اور دلوں کو بیدار اور متحرک کرتی ہے۔ یہ کوئی مفروضہ نہیں، ایک حقیقت واقعی ہے جس کا دنیا مشاہدہ کر چکی ہے، جبکہ قرآن کے بغیر امتِ اسلامیہ محض جسدِ بے روح ہے جس میں حرکت ہے نہ حرارت، کوئی وزن ہے نہ وقار!

---

[1] الشوریٰ 52:42

عظمتِ قرآن

قرآن عظیم کے نزول سے کرۂ ارض پر ایک ایسا عظیم الشان انقلاب برپا ہوا کہ کاروانِ زندگی کے قدم ہدایت وسعادت کی راہ پر چل پڑے اور نفوسِ انسانی میں ایسی حرکت پیدا ہوئی کہ انھوں نے اللہ کی پکار پر لبیک کہا، تو اللہ نے ان کے اندر زندگی کی برقی روح پھونک دی اور انھیں عالمگیر انسانیت کے لیے مینارۂ نور بنادیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِى بِهِۦ فِى ٱلنَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ فِى ٱلظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾

”کیا ایک ایسا شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا، اور اس کے لیے ایک نور بنادیا کہ اس کی روشنی میں وہ لوگوں کے درمیان (بے کھٹکے) چلتا پھرتا ہے، بھلا اس آدمی جیسا ہوسکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے اور ان سے باہر نکلنے والا نہیں؟“ [1]

یوں قرآن کریم رہتی دنیا تک بنی نوعِ انسان کے لیے روشنی اور رہبری کا ایک ایسا لازوال سرچشمہ ہے جس کے خاتمے کی کوئی جسارت نہیں کرسکتا۔ قرآن عظیم نورِ ہدایت کا ایک آفتاب ہے جسے جبریل امین علیہ السلام آسمان سے زمین پر لے کر آئے اور مخلوقات کے سردار، اشرف الرسل، خاتم النبیین محمد ﷺ کے سپرد کیا۔ آپ ﷺ نے اسے لوگوں تک پہنچایا اور اس کی ہمہ گیر مثالی تعلیمات عام کردیں جس کے نتیجے میں ایسی درخشاں تہذیب وجود میں آئی جس پر تاریخ انسانیت ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔

بظاہر یہ کہنے کو الفاظ ومعانی کا مجموعہ ہے لیکن درحقیقت اس کی قوت بحرِ زخار کی موجوں کی

---

[1] الأنعام 122:6

طرح بے پایاں ہے اور اس کے حروف حیاتِ آخرت کی خبر دیتے ہیں، اس کے وعدہ ہائے بشارت سے چہروں پر تازگی آجاتی ہے اور اس کی وعیدوں سے زبانیں لڑکھڑا جاتی ہیں اور دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝﴾

''بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور ان مومنوں کو، جو نیک کام کرتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ یقیناً ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔'' [1]

قرآن عظیم ہمیشہ زندہ رہنے والا معجزہ ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول عظیم ﷺ کی صداقت کے ذریعے سے بالیدگی بخشی اور اسے جیتا جاگتا اور بولتا ہوا ناصح بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج دیا ہے کہ وہ قرآن جیسا کلام بنا کر دکھائیں لیکن کسی نے یہ چیلنج قبول نہیں کیا، بلکہ سب نے اپنی عاجزی اور درماندگی کا برملا اظہار واعتراف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے مقابلے میں ان کی بے بسی کو اس طرح بیان فرمایا:

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝﴾

''(اے پیغمبر!) اعلان کر دیجیے: اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو کبھی اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔'' [2]

---

[1] بنی إسرآء یل 17:9-10 [2] بنی إسرآء یل 17:88

پورا عالم قرآن کریم کی روشنی کا محتاج ہے تاکہ انسان کی اس عزت وکرامت کا تحفظ کیا جائے جو آج طاغوتی قوتوں کے ہاتھوں دنیائے انسانیت کی ارزاں ترین چیز بن گئی ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی دنیا قرآن کی محتاج ہے تاکہ یہ کتاب مقدس انسانوں کے باہمی معاملات طے کرنے میں حق وانصاف کی بنیاد بن جائے۔ خود مسلمان اس زمانے میں قرآن کریم کی رہنمائی کے کس قدر محتاج ہیں، اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ان کو آج جن مسائل وقضایا سے سابقہ پڑا ہے اور جس عالمگیر آشوب اور آزمائش سے وہ دوچار ہیں اس کا کامیاب مقابلہ وہ قرآن عظیم ہی کے ذریعے سے کرسکتے ہیں، اسی کے ذریعے سے وہ باہمی روابط وتعلقات کو مضبوط، اس کے احکام کو اپنی زندگی میں نافذ، اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد اور اپنے دنیوی معاملات کی اصلاح کرسکتے اور اسی کی بدولت اپنی آخرت سنوار سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے لیے جو سنت ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ قرآن کریم کی پیروی ہی ان کی نجات کا واحد ذریعہ بنے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ۝ ﴾

”پھر جب تمھارے پاس میری ہدایت پہنچے، تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا، اور جس نے میری یاد سے منہ موڑا، بلاشبہ اس کی زندگی تنگ ہوگی، اور روز قیامت ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔“[1]

وہ خوش قسمت شخص جو علومِ قرآن کی سند حاصل کرتا ہے اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ قرآنِ کریم کی تعلیم وتدریس اور اس کے اسرار ومعانی کی معرفت حاصل کرنے پر بھرپور توجہ

---

[1] طٰہٰ 20:123-124

دے تاکہ وہ اس قابل ہو جائے کہ اس پر قرآن کی عظمت و معنویت کے خزانے کھل جائیں، اس کے فضائل اور اس کے اعجاز کے دلائل و براہین اس پر واضح ہو جائیں۔ بالخصوص جب کوئی خود کو قرآن کریم پر غور و خوض کے لیے وقف کر دے تو ضروری ہے کہ تدریسی اسلوب میں بحث و مذاکرہ کیا جائے، اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر امت کے مقام و مرتبے کا تعین کتاب الٰہی یا رسولِ مرسل ہی کے شرف کے مطابق کیا جاتا ہے اور جب دو شرف (کتابِ الٰہی اور پیغمبر اعظم ﷺ) جمع ہو جائیں تو پھر کیا کہنے، اس لیے قرآن پر غور و خوض بھی لازمی ہے اور پیغمبر کا اتباع بھی فرضِ عین ہے۔

عظمتِ قرآن کا موضوع اختیار کرنے کے اسباب

یہ موضوع اختیار کرنے کے کئی اسباب و اُمور میرے پیش نظر تھے۔ ان میں سے اہم اُمور یہ ہیں:

- اللہ کی کتاب کی خدمت اور اس کی خیر خواہی، تاکہ اس کی عظمت و جلالت کی وجوہ پوری طرح آشکار ہو جائیں، اس کے خزانے ظاہر ہوں اور اس کے احکام واضح ہو جائیں۔ اس خدمت کے ذریعے سے شاید میں ان لوگوں کے لیے کچھ پیش رفت کا باعث بن سکوں جو قرآن سے متعلقہ علوم کے کسی نہ کسی شعبے میں کام کر رہے ہیں۔
- اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کا بیان جو اس نے نبی ﷺ اور آپ کی امت پر کیا کہ انھیں اس کتاب مقدس (قرآن کریم) کے ساتھ خصوصیت سے نوازا جو تمام آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ عظمت و فضیلت والی ہے۔
- مسلمانوں کو غفلت سے بیدار کر کے ان میں قرآن کریم کی عظمت و جلالت کا شعور اجاگر کرنا تاکہ وہ اس کے دامن سے وابستہ ہو جائیں اور اس کے سیکھنے سکھانے، اس کی تلاوت و حفظ، اس پر تدبر کرنے اور اس پر عمل کرنے میں پورے انہماک سے مصروف ہو جائیں۔

❁ اس بات کا گہرا یقین کہ اس موضوع کا حق ادا نہیں کیا گیا اور خاص طور پر ایسے بحث و مذاکرے کا اہتمام نہیں کیا گیا جو اس کے متفرق امور اور جزئیات کا احاطہ کر کے انھیں اپنے دامن میں سمیٹ لے۔

❁ عصر حاضر کی بہت بڑی اکثریت کا قرآن کی تعلیمات سے بے بہرہ ہونا، جن کے شب و روز اس انداز سے بسر ہو رہے ہیں کہ وہ لوگ عظمتِ قرآن کے احساس سے بہت دور ہیں، چنانچہ وہ قرآنی تعلیمات کے سب سے زیادہ محتاج ہیں تاکہ قرآن انھیں گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے اجالے میں لے آئے۔

❁ دشمنانِ قرآن کی ان گمراہ کن کوششوں کا جائزہ لینا جو اپنی دجل و تحریف سے معمور کتابوں اور ذرائع ابلاغ کی جدید فنی تکنیک کی مدد سے اپنے عقائدِ باطلہ، اخلاقِ فاسدہ اور اپنے ظالمانہ قوانین کو زیادہ سے زیادہ دلفریب اور پرکشش بنا کر پیش کر رہے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کی دولتِ ایمان کو غارت کرنے کے درپے ہیں۔

❁ اس کج فکری اور کوتاہ فہمی کی تصحیح جو قرآن کریم اور اس کی عظمت کے شایان شان نہیں، مزید برآں آیات قرآنی اور احادیث و آثار کے فہم و ادراک میں غلطیوں کی نشان دہی کرنا ہے۔

طریقۂ بحث

میں نے اس بحث میں جو طریق کار اختیار کیا ہے، اس کی وضاحت ضروری ہے تاکہ قارئین کرام کو اس کے مباحث سمجھنے میں آسانی ہو، اور وہ حسب ذیل ہے:

❁ قرآن کریم کی عظمت سے متعلقہ جس قدر مواد ہے، خواہ وہ قرآنی آیات کی شکل میں ہے یا احادیث و آثار کی صورت میں، یا اہل علم کے اقوال ہوں، میں نے ان سب سے حسبِ استطاعت بھرپور استفادہ کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ ان میں سے کوئی اہم بات اور

ضروری پہلو شامل ہونے سے رہ نہ جائے۔

- جتنے بھی قدیم مصادر و مراجع ہیں، ان سے براہ راست استفادہ کیا ہے۔ جہاں قدیم مصادر سے حصولِ مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی وہاں جدید مصادر سے مدد لی گئی ہے، مزید برآں مصادر جدیدہ کا دائرہ ہم عصر علمی رسائل و مجلّات، علمی مذاکروں اور کانفرنسوں تک وسیع کردیا ہے۔ یوں ان ذرائع سے میسر آنے والی ہر علمی متاع سے استفادہ کیا ہے۔
- قرآنی آیات کا مکمل حوالہ درج کیا ہے، یعنی سورت کا نام، پھر اس کا نمبر اور پھر آیت کا نمبر۔
- احادیث و آثار کی تخریج اور اصل کتب حدیث کے حوالے کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ حتی الامکان صحیح اور حسن ہونے کے اعتبار سے حدیث کے اس درجے کی وضاحت کی ہے جو اہل علم نے متعین کیا ہے، تاہم درجہ صحت کی وضاحت صرف ان احادیث کے بارے میں کی ہے جو صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں شامل ہیں کیونکہ صحیحین کی بابت تو اتفاق ہے کہ ان میں درج تمام روایات صحیح ہیں، خواہ وہ متفق علیہ (دونوں میں) ہوں یا ان میں سے کسی ایک میں ہوں۔

”عظمتِ قرآن کریم“ کے موضوع پر میں نے جو یہ علمی تحقیق و توضیح کی ہے، اس کے بارے میں، میں یہ دعوٰی تو نہیں کرسکتا کہ یہ ہر لحاظ سے جامع و کامل ہے کیونکہ کمی، کوتاہی اور لغزش کا احتمال انسانی فطرت میں ہے۔ کمال صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے مگر میرے اطمینان کے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ میں نے اپنی استطاعت کے مطابق اس موضوع کا حق اسی طرح ادا کرنے کی کوشش کی ہے جس طرح قرآنی تعلیمات کا تقاضا ہے۔

میرا یہ خوش گوار فرض ہے کہ میں ہر اس شخص کا شکریہ ادا کروں جس نے اس کام میں میرا ہاتھ بٹایا ہے، میری طرف اپنا دستِ تعاون بڑھایا ہے اور اپنا قیمتی وقت میری معاونت میں صرف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بیش از بیش جزائے خیر عطا فرمائے۔

وما توفيقى إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب، والحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات

محمود بن أحمد الدوسرى

الداعية بوزارة الشؤن الإسلاميه والأوقاف والدعوة والإرشاد
بالمملكة العربية السعودية

الدمام۔ رقم البريد2779۔ 15-8-1426ھ

باب 1

قرآن کریم کا تعارف اور اس کی عظمت کے عقلی و نقلی دلائل

قرآنِ کریم کا تعارف

''قرآن'' کے اصطلاحی معنٰی

علماء نے قرآن کی جو اصطلاحی تعریف بیان کی ہے اس سے اس کے معنی واضح اور اس کا امتیاز نمایاں ہوجاتا ہے۔ وہ تعریف حسبِ ذیل ہے:

«كَلَامُ اللهِ ، الْمُنَزَّلُ عَلٰى نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ ﷺ ، الْمُعْجِزُ بِلَفْظِهِ ، الْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهِ ، الْمَكْتُوبُ فِي الْمَصَاحِفِ ، الْمَنْقُولُ بِالتَّوَاتُرِ»

''اللہ تعالیٰ کے پیغمبر محمد ﷺ پر نازل کردہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو الفاظ کے اعتبار سے معجز، یعنی اپنی نظیر پیش کرنے سے عاجز کردینے والا ہے، اس کی تلاوت کے ذریعے سے عبادت کی جاتی ہے، وہ مصاحف میں تحریر شدہ اور تواتر کے ساتھ منقول ہے۔''[1]

اس تعریف کے بیان سے علماء کا مقصد اُن حدود و قیود کا تعین ہے جن سے ایک طرف قرآن کا معنی اور مطلب واضح ہوجائے اور دوسری طرف کوئی اور کلام اس میں شامل نہ ہوسکے۔

[1] مباحث فی علوم القرآن، ص: 20

''قرآن کریم'' کی تعریف میں مذکورہ قیود کی وضاحت

* ''اللہ تعالیٰ کا کلام'': اس قید سے تمام انسانوں، جنوں اور ملائکہ وغیرہ کے کلام نکل جاتے ہیں۔
* ''نازل کردہ'': اس قید سے وہ کلام الٰہی نکل گیا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس سے اس نے کسی کو آگاہ نہیں کیا، نیز وہ کلام بھی خارج ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں پر اس لیے القا کیا کہ وہ اس کے مطابق کام کریں، نہ کہ اس سے کسی انسان کو آگاہ کریں۔ یوں اللہ کا کلام دو قسموں پر مشتمل ہے۔ ایک تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرف نازل کرتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ صرف اپنے پاس رکھتا ہے، کسی اور کو اس سے آگاہ نہیں کرتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا○﴾

''کہہ دیجیے: اگر میرے رب کی باتوں (کو لکھنے) کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم اس کے مانند (اور سمندر) مدد کو لے آئیں۔''[1]

* ''اللہ تعالیٰ کے پیغمبر محمد ﷺ پر'': اس قید سے وہ کلام نکل گیا جو نبی کریم ﷺ کے علاوہ دوسرے نبیوں پر نازل ہوا، جیسے: تورات، جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، انجیل، جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، زبور، جو حضرت داود علیہ السلام اُتری اور صحیفے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔
* ''الفاظ کے اعتبار سے مُعجِز'': اس قید سے وہ کلامِ الٰہی نکل گیا جو معجز، یعنی عاجز کرنے

---

[1] الکھف 109:18

والا نہیں ہے، جیسے احادیثِ قدسیہ اور دیگر کتب سماویہ۔ ان کو ''قرآن'' نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان کی مثل لانے کا چیلنج نہیں دیا۔

- ''اس کی تلاوت کے ذریعے سے عبادت کی جاتی ہے'': اس قید سے بہ طریق آحاد نقل ہونے والی قراءتیں (شاذّہ) اور احادیث قدسیہ نکل گئیں، کیونکہ انھیں پڑھنا قرآن کی طرح عبادت نہیں ہے۔
- ''مصاحف میں تحریر شدہ'': اس قید سے اللہ تعالیٰ کا وہ کلام نکل گیا جو مصاحف میں درج نہیں ہے، جیسے تلاوت منسوخ ہونے والی آیات ہیں، ان کو قرآن نہیں کہا جاتا۔
- ''تواتر کے ساتھ منقول'': اس قید سے وہ کلامِ الٰہی نکل گیا جو تواتر سے منقول نہیں ہے، جیسے شاذ قراءتیں جنھیں قرآن نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ وہ تواتر کے ذریعے سے نہیں بلکہ بطور آحاد منقول ہیں۔

عظمتِ قرآن کے معنی اور مطلب

لفظ ''عَظُمَ'' کی لغوی تحقیق اور آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں اس لفظ (مادّے) کے استعمالات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''عظمتِ قرآن'' سے مراد حسب ذیل امور ہیں:

- مضامین قرآن کی بلندی اور پرشکوہ، زوردار اور مؤثر اندازِ بیان
- قرآن کی پیش کردہ معتدل راہِ عمل
- احکامِ قرآن کی وسعت
- قرآن کی قوتِ تاثیر
- قرآن کے اہداف و مقاصد کی راستی اور عظمت و برتری
- اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت جو وہ ہر اس چیز کے دل میں پیدا کرتا ہے جو قرآن کو سنتی یا

پڑھتی ہے، چاہے وہ انسان ہو یا جن، مومن ہو یا کافر، اس کا تعلق جمادات سے ہو یا وہ حیوان ہو۔

❀ وہ شرف و مرتبہ جو ہر اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اس پر ایمان لاتا اور اس کی دعوت پر لبیک کہتا ہے۔

❀ قرآن کے اعجاز و بلاغت کی وہ قوت جس نے کافروں کو اس کے مانند کوئی آیت بنا لانے سے عاجز و درماندہ کر دیا۔

عظمتِ قرآن، کلام الٰہی کی روشنی میں

قرآن کریم وہ عظیم کتاب ہے جس کا تذکرہ پہلی کتابوں میں بھی موجود ہے اور اس کی حفاظت کی ذمے داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے۔ اس کی عظمت اور شان کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ ہر دور میں کفار اس کی عظمت کے قائل رہے ہیں۔ ذیل میں ہم قرآن کی عظمت کلامِ الٰہی کی روشنی میں پیش کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا اپنی کتاب کی تعریف وتوصیف کرنا

اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں اپنی کتابِ عزیز کی تعریف بیان کی ہے جو اس کتاب کی عظمت کی دلیل ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا ایک وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ ''عظیم'' ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ ﴾

''بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم دیا ہے۔'' [1]

---

[1] الحجر 87:15

ایک آیت میں اس کتاب کا ''محکم'' ہونا بیان فرمایا:

﴿الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ۙ﴾

''الٓرٰ (یہ) وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، بڑی حکمت والے، بہت خبر رکھنے والے (اللہ) کی طرف سے۔'' [1]

اس کا ایک وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ کتاب پچھلی تمام الہامی کتابوں پر ''مُهَيْمِن'' یعنی نگران ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾

''اور (اے نبی) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، یہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس پر نگہبان ہے۔'' [2]

پس یہ کتاب، تمام سابقہ نازل شدہ کتابوں کے مقاصد کی ''مُهَيْمِن'' یعنی محافظ و نگران ہے اور ان میں درج شدہ باتوں کی معتبر گواہ ہے، ان کی صحیح باتوں کی تصدیق و اثبات کرتی ہے اور (لوگوں کی طرف سے تحریف کردہ یا بڑھائی ہوئی) غلط باتوں کی تصحیح کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی کتاب کا ایک وصف ''عَلِيٌّ حَكِيْمٌ'' بھی بیان فرمایا ہے یعنی وہ بہت بلند، برگزیدہ اور نہایت محکم کتاب ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ؕ﴾

''اور بلاشبہ یہ (قرآن) ہمارے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) میں بہت بلند مرتبہ، نہایت حکمت والا ہے۔'' [3]

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے قرآن اور اس کی حکمت کے بارے میں نہایت اعلیٰ درجے

---

[1] هود 11:1 [2] المائدة 5:48 [3] الزخرف 43:4

کی گواہی ہے۔ بلاشبہ یہ عظمتِ قرآن کا ایک پہلو ہے کہ یہ کتاب اپنے مقام ومحل اور شرف و منزلت کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ ہے، اس لیے وہ تمام سابقہ آسمانی کتب پر غالب و برتر ہے، نیز اس وجہ سے بھی کہ وہ روئے زمین پر بطور معجزہ برقرار ہے۔[1]

اور ''حکیم'' کے معنی ہیں: نہایت محکم، یعنی ایک مضبوط نظم میں پروئی ہوئی کتاب جس میں کسی طرح اور کسی بھی اعتبار سے کوئی خلل نہیں۔ پس یہ کتاب بذات خود حکیم ہے اور دوسروں پر حاکم و غالب ہے ''حکیم'' کے دوسرے معنی ''حکمت والا'' بھی ہیں۔ پس قرآن کریم جن اوامر ونواہی اور جن خبروں پر مشتمل ہے، ان میں کوئی حکم اور کوئی خبر حکمت اور عدل ومیزان کے خلاف نہیں ہے۔[2]

قرآن کریم کی تعریف میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین سورتوں میں اس کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ یہ ''کتابٌ مبارکٌ'' یعنی بڑی برکت والی کتاب ہے۔[3]

قرآن لے کر نازل ہونے والے فرشتے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کی بڑی شان بیان فرمائی ہے جو ہمارے رسول محمد ﷺ پر قرآن لے کر نازل ہوتا تھا۔ وہ فرشتہ جبریل علیہ السلام ہیں جو وحیِ الٰہی کے امین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ان کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک آیت مبارکہ یہ ہے:

﴿قُلۡ نَزَّلَهٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهُدًى وَّبُشۡرٰى لِلۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝﴾

''کہہ دیجیے: اس (قرآن) کو روح القدس (جبریل) نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے، تاکہ اللہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لیے

---

[1] التفسير الكبير: 167/27 [2] تفسير السعدي: 437/4

[3] الأنعام 155,92:6، الأنبياء 50:21، صٓ 29:38

ہدایت اور بشارت ہو۔"[1]

آیت میں "روح القدس" سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ یہاں "روح" کے معنی فرشتہ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا﴾

"ہم نے مریم کی طرف اپنی روح بھیجی۔"[2]

یعنی اپنے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ بھیجا (اور وہ جبریل امین علیہ السلام تھے)۔ "القدس" کے معنی ہیں، نزہت وطہارت (صفائی ستھرائی) یا پاکیزگی، اور یہاں مراد مقدس فرشتہ ہے۔[3]

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝﴾

"اور (اے نبی) بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ روح الامین (جبریل) اسے لے کر نازل ہوا آپ کے دل پر، تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔"[4]

جبریل علیہ السلام کو جو "روح" کہا گیا ہے، اس کی کئی وجوہ ہیں:

- اس لیے کہ وہ ایک پاک روح ہیں، لہٰذا ان کا ذکر اس وصف کے ساتھ بیان کرنے میں ان کا اکرام واحترام بھی ہے اور ان کے بلند مرتبے کا اظہار واعلان بھی!
- اس لیے کہ دین اسی (روح یا وحیٔ الٰہی) کے ساتھ زندہ ہوتا ہے، جیسے جسم کی زندگی روح کی وجہ سے ہے، اور جبریل ہی انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی لانے کے ذمے دار تھے۔

---

[1] النحل 102:16 [2] مریم 17:19

[3] التحریر والتنویر 229:13,578/1

[4] الشعراء 26:192-194

❁ اس لیے کہ روحانیت (باطنی پاکیزگی و لطافت) جبریل پر غالب ہے اور اسی طرح دوسرے تمام فرشتوں پر بھی غالب ہے، تاہم جبریل کی روحانیت، دوسرے فرشتوں کے مقابلے میں، اتم و اکمل ہے۔

❁ اس لیے کہ روح کا مسکن مردوں کی پشتیں اور ماؤں کے رحم ہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر حضرت جبریل علیہ السلام کو پانچ صفات سے متصف کیا ہے، فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۭ ﴾

''بے شک یہ (قرآن) ایک معزز فرشتے (جبریل) کا (لایا ہوا) قول (کلامِ الٰہی) ہے جو بڑی قوت والا، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔ وہاں (آسمانوں میں) اس کی اطاعت کی جاتی ہے، وہ امین ہے۔'' [2]

یہ پانچ صفات حسب ذیل ہیں:

❁ وہ کریم (معزز) ہیں۔

❁ وہ صاحب قوت ہیں۔

❁ رب العالمین کے ہاں بلند مرتبہ ہیں۔

❁ آسمانوں میں ان کی بات مانی جاتی ہے۔

❁ وہ امین ہیں۔

یہ پانچوں صفات اس حقیقتِ کبریٰ کا ثبوت ہیں کہ قرآن عظیم کی سند بالکل صحیح ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر محمد ﷺ نے قرآن، جبریل علیہ السلام سے سنا جبکہ جبریل امین نے رب العالمین سے سنا، چنانچہ اس سند کے بلند اور عظیم ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

---

[1] التفسیر الکبیر، للرازی: 161/3

[2] التکویر 81:19-21

قرآن، تمام جہانوں کے رب نے نازل فرمایا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ ﴾

"اور بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ اسے روح الامین (جبریل) لے کر نازل ہوا۔"[1]

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے قرآن کریم نازل فرمانے کی نسبت اپنی طرف صرف اسی آیت میں نہیں کی بلکہ پچاس یا اس سے بھی زیادہ آیتوں میں کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عنایت اور بے مثال مہربانی ہے۔ یہ تصور انسان کے جذبات میں ہلچل پیدا کرتا اور وجدان کو متحرک کرتا ہے، نیز قرآن کریم سنتے وقت اللہ کی جلالت و ہیبت طاری کر دیتا ہے۔

اس کے علاوہ اس میں اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ یہ قرآن بڑی حکمت والی اور باخبر ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اللہ کا کلام ہے۔ کلام کرنے والے کا حسنِ کمال، کلام کی سچائی کی دلیل ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی عظمت و رفعت کی شان بھی واضح ہوتی ہے کیونکہ اسے نازل فرمانے والا بڑی عظمتوں والا ہے، مزید برآں قرآن کے شرف، اس کی قدر و منزلت اور عظمت ہی کی وجہ سے امت مسلمہ کی شان بلند ہوتی ہے۔[2]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] الشعراء 26:192-193

[2] عناية الله وعناية رسوله بالقرآن الكريم، الأستاذ الدكتور، أبو سريع محمد، ص: 1۔ یہ دراصل ایک مقالہ ہے جو كلية الشريعه، جامعة الكويت کے زیر اہتمام ہونے والی کانفرنس، بنام "قرآن کریم اور انسانیت کی سعادت پر اس کا اثر" میں پیش کیا گیا تھا۔

﴿ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾

''بلاشبہ ہم نے قرآن کو قدر کی رات میں اتارا۔'' [1]

عظمت کی ضمیر ''نَا'' (ہم) میں اور اسے نازل کرنے کی نسبت اپنی طرف کرنے میں قرآن کا عظیم شرف ہے۔ [2]

قرآن کی عظمت یہی ہے کہ وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی طرف سے نازل ہوا ہے، کسی اور کی طرف سے نہیں۔ اس کے نزول کا مقصد لوگوں کو فائدہ پہنچانا اور راہ راست دکھانا ہے۔ پس قرآن کریم میں پانچ فضائل جمع ہو گئے ہیں:

- قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں میں سب سے افضل ہے۔
- جو رسول (جبریل) قرآن لے کر اترا، وہ سب رسولوں (پیغام رساں فرشتوں) سے افضل واعلیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحی کا امین ہے۔
- یہ تمام مخلوقات میں افضل ترین شخصیت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔
- یہ اس امت کے لیے نازل ہوا جو تمام امتوں سے افضل ہے اور اسے لوگوں کی راہ حق کی طرف رہبری کا فرض سونپا گیا ہے۔
- یہ اس زبان میں نازل ہوا جو تمام زبانوں میں افضل، سب سے زیادہ رفیع، فصیح اور وسیع ہے، اور وہ عربی زبان ہے۔ [3]

قرآن بالکل واضح اور راست ہے، اس میں کوئی ابہام نہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے، جس کی حمد بے حد ہے اور جس کی توصیف وثنا کی کوئی انتہا نہیں، اپنی

---

1. القدر 1:97
2. التحریر والتنویر :4,2/3
3. تفسیر السعدی :485/3

تعریف خود کی اور فرمایا کہ وہ قرآن عظیم نازل کرنے پر حمد وثنا کا مستحق ہے۔ اس سے اس کا مقصد اس بات سے مطلع کرنا ہے کہ قرآن کریم کا نزول اس کی سب سے بڑی نعمت ہے، اس لیے کہ یہ قرآن کریم اس دین کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس سے انسانوں کو شرف وکمال حاصل ہوتا ہے اور اس چیز کی طرف بلاتا ہے جس میں ان کی دنیا اور آخرت کی صلاح وفلاح ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو سکھایا کہ وہ قرآن کی عظیم الشان اور جلیل القدر نعمت عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کس طرح کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ قَیِّمًا ﴾

”ساری حمد وستائش اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہیں رکھی، ٹھیک اور سیدھی (بغیر کسی افراط وتفریط کے نازل فرمائی۔)“ [1]

اہل لغت کا بیان ہے کہ معانی میں کجی بھی اسی طرح ہوتی ہے جس طرح خود اشیاء میں ٹیڑھ پن ہوتا ہے اور قرآن میں کجی کی نفی کئی اعتبار سے ہے:

- اس کی آیات میں کوئی تناقض اور ایک دوسری سے کوئی تضاد نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ۝ ﴾

”اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔“ [2]

- اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ توحید ونبوت اور احکام ومسائل ہیں، اور وہ سب کے سب حق اور سچ ہیں، ان میں سے کسی میں بھی قطعاً کوئی خلل نہیں۔ [3]

---

[1] الکھف 18:1-2 [2] النساء 4:82

[3] التفسیر الکبیر، للرازی 21:64

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں صاف صاف بتا دیا ہے کہ اس میں کوئی تضاد و اختلاف ہے نہ کوئی ایسا عیب جو انسانی کلام میں ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ ﴾

''قرآن عربی (زبان) میں ہے، کجی والا نہیں۔''[1]

یعنی اس کے الفاظ اور معانی میں کسی بھی اعتبار سے کوئی خلل ہے نہ کسی قسم کا نقص۔ ہر بات صاف، واضح اور دوٹوک ہے اور یہ بے مثل خوبی اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن میں کمال درجے کا اعتدال اور توازن ہے۔[2]

جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم ہر کجی و ابہام سے پاک اور اعتدال و توازن کا مرقع ہے تو اس سے قرآن کریم کی وہ عظمت، اونچی شان اور قدر و منزلت بھی عیاں ہو جاتی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں نصیب ہے۔

جمادات کا قرآن سے متاثر ہونا

قرآن کریم کی شان، اس کی عظمت و جلالت اور اس کی شدتِ تاثیر کا یہ عالم ہے کہ اگر اسے کسی پہاڑ پر نازل کیا جاتا جسے انسانوں کی طرح عقل و شعور حاصل ہوتا تو تم اس پہاڑ کو دیکھتے کہ وہ اپنی تمام تر صلابت اور سختی و مضبوطی کے باوجود اللہ کے ڈر سے کانپ اٹھتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط ﴾

''(اے نبی!) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے

---

[1] الزمر 28:39

[2] تفسیر ابن کثیر: 53/4

خوف سے دب جاتا (اور) پھٹ جاتا۔''[1]

یعنی پہاڑ نصیحت قبول کر لیتا اور اللہ کے خوف کا اس پر اس قدر زبردست اثر ہوتا کہ اس کی چٹانیں چیخ کر ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔

خشوع کا مطلب ہے: بے بسی سے جھک جانا، یعنی تم اس پہاڑ کو دیکھتے کہ وہ بلندی سے زمین پر آگرا ہے۔

تَصَدُّع کا مطلب ہے: پھٹ جانا، ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا، یعنی وہ متزلزل ہو جاتا اور اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے (ریزہ ریزہ) ہو جاتا۔[2]

جب حالت یہ ہے کہ اگر پہاڑ بھی قرآن کو اس طرح سمجھ سکتا جس طرح تم سمجھ سکتے ہو تو وہ اپنے طول وعرض اور سختی و مضبوطی کے باوجود بلندی سے اتر کر نشیب میں آجاتا اور اللہ کے ڈر سے ریزہ ریزہ ہو جاتا، پھر تم اللہ کے حکم کو سمجھتے ہو اور اس کی کتاب پر غور و تدبر کرتے ہو لیکن اس کے باوجود تم پر اللہ کا خوف طاری ہوتا ہے نہ اس کے حضور جھکنے کا کوئی داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ اے انسانو! کیا تمھارا یہ طرز عمل تمھارے شایانِ شان ہے؟[3]

اس آیت کا مقصود قرآن کریم کی عظمت کا اظہار اور اس کے جلیل القدر نصائح پر غور وفکر کی ترغیب دینا ہے، اس لیے کہ اس کے بارے میں کوئی شخص کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا حق اس وقت ہی ادا ہو سکتا ہے جب اس کی کتاب کی تعظیم اور اس شخص کو سرزنش کی جائے جو قرآن عظیم کا احترام نہیں کرتا۔

انسانوں اور جنوں کو ایک چیلنج

قرآن کی عظمت اور اس کی اونچی شان کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور

---

[1] الحشر 21:59

[2] التحریر والتنویر: 104/28 [3] تفسیر ابن کثیر: 343/4

جنوں کو یہ چیلنج کیا ہے کہ وہ قرآن جیسی کوئی کتاب، یا اس جیسی دس سورتیں، اور دس سورتیں نہ سہی تو صرف ایک سورت ہی بنا کر دکھا دیں۔ اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝﴾

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے: اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی نظیر لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ (اس سلسلے میں) وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝﴾

"کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟ (اے پیغمبر!) کہہ دیجیے: (اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو) تم بھی اس جیسی دس سورتیں گھڑ لاؤ اور اللہ کے سوا تم جنھیں (اپنی مدد کے لیے) بلا سکتے ہو انھیں بھی بلا لو، پھر اگر وہ تمھیں جواب نہ دے پائیں تو جان لو کہ یقیناً یہ (قرآن) اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ (بات بھی سچ ہے) کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر (اے لوگو!) اب بتاؤ کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟"[2]

اس روشن دلیل کے باوجود وہ راہ راست پر آئے نہ انھیں ایسے افراد میسر آئے جو اس جیسا کلام پیش کر سکیں۔ تب وہ اپنی اسی روش پر آ گئے جس سے انھیں روکا گیا تھا۔ وہ کہنے لگے: یہ کلام محمد (ﷺ) نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔

---

[1] بنی إسرآءیل 88:17 [2] ھود 11:13-14

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر محسوس طریقے سے مہلت دی، پھر انھیں ذلت ورسوائی کی انتہا پر پہنچا دیا اور انھیں چیلنج کیا کہ وہ زیادہ نہ سہی قرآن جیسی ایک سورت ہی بنالائیں لیکن وہ اس سے بھی عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝﴾

''کیا وہ کافر کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر اسلام) نے اسے گھڑ لیا ہے؟ (اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تم (اپنے اس قول میں) سچے ہو تو تم اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ اور (اس میں مدد کے لیے) اللہ کے سوا جنھیں بلا سکتے ہو بلا لو۔'' [1]

جب کافر مبہوت اور لاجواب ہوگئے لیکن پھر بھی سچائی کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تو وہ اس شخص کی طرح ہوگئے جسے شیطان نے مخبوط الحواس بنادیا ہو۔ کبھی تو وہ استہزا کے طور پر کہتے:

﴿لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝﴾

''اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس طرح (کا کلام) کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو اگلے لوگوں ہی کی داستانیں ہیں۔'' [2]

کچھ اور لوگ ہنسی مذاق کرتے ہوئے کہتے:

﴿ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ﴾

''تو اس کے علاوہ کوئی (اور) قرآن لے آ، یا اسے (کچھ) بدل دے۔'' [3]

پس یہ قرآن عظیم محض چند ایسے الفاظ وعبادات کا مجموعہ نہیں ہے کہ انسان اور جن اس کی نقل اتارنے کی جسارت کرسکیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے

---

[1] یونس 10:38 [2] الأنفال 8:31

[3] یونس 10:15، دیکھیے: عنایة اللّٰہ وعنایة رسوله بالقرآن الکریم، ص:11-14

ساری مخلوق کو چیلنج کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝﴾

''کہہ دیجیے: اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔''[1]

یہ قرآن کے شرف و مجد اور اس کی عظمت کا واضح اظہار ہے۔ یہ آیت اور اس کی ہم معنی دیگر آیات ''آیاتِ تحدّی'' یعنی چیلنج کرنے والی آیات کہلاتی ہیں کہ ساری مخلوق مل کر بھی اس قرآن کے مانند بلکہ اس کی کسی ایک سورت کی مثال بھی پیش کرنے سے عاجز ہے۔ پس قرآن کی عظمت اور اس کی اونچی شان نے انسانوں اور جنوں میں سے کسی کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ اس کی نظیر پیش کرنے کا تصور بھی کر سکے، چاہے وہ اس سلسلے میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔

[1] بنی إسرآء یل 17:88

عظمتِ قرآن کے عملی مظاہر

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو طرح طرح کی بے شمار نعمتیں دی ہیں۔ ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت قرآن کریم ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے بندوں پر خصوصیت سے نازل فرمایا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت کا ذکر تخلیق انسان اور دوسری بہت سی نعمتوں سے پہلے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ ﴾

''رحمٰن۔ اسی نے قرآن سکھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اسے بولنا سکھایا۔''[1]

قرآن کریم پر غور وفکر کرنے والا جانتا ہے کہ بہت سی آیات اور سورتوں میں، بالخصوص مکی سورتوں کے آغاز واختتام پر، قرآن کی عظمت پر کثرت سے گفتگو کی گئی ہے۔ اسی طرح قرآن کی قَسم، بالخصوص اپنے حق میں قرآن کی اپنی قَسم، سورتوں کی ابتدا اور ان کے آخر میں قرآن کریم کی عظمت کا اظہار، قرآن کی تنزیل میں اسمائے حسنیٰ کا امتزاج، قرآن کے اسماء واوصاف کی کثرت، اس کا بہترین زمانے میں، سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور وسیع ترین زبان میں نزول،

[1] الرحمٰن 55:1-4

اسے سارے جہان کے لیے سمجھنا آسان ہونا، اس کا تمام کتب الٰہیہ کا محافظ ونگران ہونا، اس کا تمام انسانوں کے لیے نازل ہونا، زمانے اور زندگی کے الٹ پھیر اور لیل ونہار کی گردشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کا اس کی حفاظت کا ذمہ لینا۔ یہ ساری باتیں قرآن کی رفعت اور عظمت وجلالت کی روشن دلیل ہیں۔ قرآن عظیم کی عظمت کے مظاہر ودلائل پر گفتگو حسب ذیل امور کے تحت ہوسکتی ہے۔

قرآن کا بہترین زمانے میں نزول

زمان ومکان کی بذات خود کوئی حیثیت نہیں۔ ان کی حیثیت واہمیت ان میں نازل ہونے والی چیزوں اور ان میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی وجہ سے ہوتی ہے۔ قرآن عظیم کی عظمت کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سب سے بہترین زمانے یعنی رمضان المبارک میں نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾

”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی واضح اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی دلیلیں ہیں۔“ [1]

قرآن کریم کو اس مبارک مہینے کی بھی اس رات میں نازل فرمایا گیا جو بہت بابرکت رات ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝﴾

---

[1] البقرۃ 185:2

''بلاشبہ ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں نازل کیا، بے شک ہم ڈرانے والے ہیں۔اسی (رات) میں ہر حکمت والے معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔''[1]

یہ برکتوں والی رات کون سی ہے؟ یہ شرف ومجد اور بلند رتبے والی رات وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝﴾

''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔''[2]

لیلۃ القدر کا نام لیلۃ القدر اسی لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا غیر معمولی شرف ومجد اور زبردست فضیلت ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس کا شرف ومجد محض زمانے کی وجہ سے نہیں ہے، اس لیے کہ زمانہ تو اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہے، اس لیے یہ ناممکن ہے کہ فی نفسہٖ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے بہتر یا برتر ہو۔اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس رات کی بے مثال فضیلت اس لیے ہے کہ اس میں بہت سے ایسے اہم امور سرانجام پائے جو نہایت عظیم الشان اور بہت عالی مرتبت تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ دین کا درجہ دنیا کے منصب ومقام سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے اور خود دین میں منصب ومقام کے اعتبار سے جو متاع سب سے اعلیٰ اور اشرف ہے وہ قرآن عظیم ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اثبات ہوا ہے، اسی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ساری کتابوں میں حق وباطل کے درمیان فرق ظاہر ہوا ہے اور اسی سے اہل سعادت کے درجات بلند ہونے اور اہل شقاوت کے مواخذہ واحتساب کا پتہ چلتا ہے۔اس اعتبار سے بلاشبہ قرآن سے بڑھ کر کوئی

---

[1] الدخان 44:3-4 [2] القدر 97:1-3

چیز عظیم القدر نہیں ہے۔ ذکر میں کوئی چیز اس سے اعلیٰ ہے نہ منصب و مقام میں عظیم تر! [1]

قرآن کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور جامع ترین زبان میں نزول

اللہ عزوجل نے اپنی نازل کردہ کتابوں میں سے آخری کتاب قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کرنا پسند فرمایا۔ اللہ عزوجل کا اس عظیم زبان کو پسند کرنا اس بات کا مظہر ہے کہ یہ زبان لچک دار اور وسیع ہونے، اشتقاق کے ذخیرے اور صرف ونحو کے قواعد مرتب ہونے کے اعتبار سے دیگر زبانوں سے ممتاز ہے۔ علاوہ ازیں یہ مفرد الفاظ، صیغوں اور اوزان میں بڑی وسعت اور قدر رکھتی ہے۔ [2]

اس لیے ہر وہ شخص جو عالمی زبانوں میں مہارت رکھتا ہے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ عربی زبان تمام زبانوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور سب سے زیادہ وسیع و فصیح ہے۔ اس کے تھوڑے سے الفاظ میں بہت زیادہ مفاہیم ادا ہو جاتے ہیں۔ اس کے الفاظ کا دروبست نہایت خوب صورت ہے اور توضیح و بیان میں کوئی دوسری زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

عربی کا یہ اعزاز و امتیاز عظمتِ قرآن پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا نزول سب سے بہترین اور سب سے ترقی یافتہ زبان میں ہوا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں قرآن کے عربی زبان میں اترنے کی تعریف وتحسین فرمائی ہے، جیسے فرمایا:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ ﴾

"بے شک ہم نے اسے عربی (زبان کا) قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو۔" [3]

---

1. التفسير الكبير، للرازي: 27/203-204
2. كتاب لغة القرآن مكانتها والأخطار التي تهددها، الدكتور إبراهيم بن محمد أبوعبادة، ص: 11-12
3. الزخرف 43:3

اور فرمایا:

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝﴾

''بے شک ہم نے اسے عربی قرآن نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔''[1]

اگر کوئی سوال کرے کہ قرآن عظیم عربی زبان میں کیوں نازل ہوا، دوسری زبانوں میں سے کسی ایک میں کیوں نازل نہ ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ قرآن کو ایسی کتاب بنایا جائے جس کے مخاطب ہر زمانے کے تمام لوگ ہوں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عربی زبان کا انتخاب فرمایا جو انسانی زبانوں میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ زبان ہے۔

اس کی فصاحت کے دلائل حسب ذیل ہیں:

- مادے کے اعتبار سے یہ زبان سب سے زیادہ فراواں اور حروف تہجی کے اعتبار سے سب سے کم تر ہے، نیز لہجے میں فصیح تر اور متکلم کے مدعا و مقصود کی وضاحت میں آسان تر ہے۔ علاوہ ازیں ایک ایک معنی ادا کرنے کے لیے اس میں کئی کئی الفاظ ہیں۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ خوبی بھی رکھی ہے کہ یہ تھوڑے سے الفاظ میں وسیع تر مفاہیم و معانی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ پس اس کے اسالیب کی بنیاد ایجاز و اختصار اور جامعیت پر استوار ہے۔ اسی لیے اس کی مثالیں جس طرح عرب کے فصیح البیان لوگوں کے کلام میں ملتی ہیں، دوسری زبانوں کے فصحاء کے کلام میں نظر نہیں آتیں۔
- عرب پیدائشی طور پر بڑے ذہین و فطین ہیں، ان کی ذکاوت و فطانت ہی کی بنیاد پر ان کے کلام کے اسالیب بھی استوار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں مجاز، استعارہ، تمثیل،

[1] یوسف 2:12، نیز یہ مضمون ان آیات میں بھی مذکور ہے: الرعد 37:13، النحل 103:16، طٰہٰ 113:20، الشعراء 26:192-195، الزمر 39:27-28، حم السجدة 41:3، الشوریٰ 42:4، الأحقاف 46:12

کنایہ، تعریض، استعمال میں اشتراک وتسامح، مبالغہ آمیز تراکیب، امثال، تلمیح وتملیح، اثبات وانکار میں استفہام کا استعمال اور اس قسم کے دیگر فنون کی کثرت ہے۔

قرآن ایسے نادر اسلوب میں نازل ہوا جس نے فصحائے عرب کو ہکا بکا کر دیا۔ قرآن نے منکرین کے بڑے سے بڑے قادر الکلام لوگوں کو چیلنج دیا کہ وہ اس کے مقابلے کی کوئی چیز بنا کر دکھائیں، لیکن وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کے آگے عاجز و درماندہ رہ گئے، خواہ وہ قرآن پر ایمان لے آنے والے تھے، جیسے لبید بن ربیعہ، کعب بن زہیر اور نابغہ جعدی رضی اللہ عنہم یا بغض اور عناد کے طور پر اپنے کفر پر مصر رہنے والے، جیسے ولید بن مغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ قرآن مجید اپنے اعجاز کے اعتبار سے کثیر المعانی ہے۔ معانی کی یہ کثرت بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کے کلام میں نہیں ملتی۔ یہ بات واضح ہے کہ قرآن کریم شریعت وقانون اور تعلیم وتادیب کی کتاب ہے، اس کے باوجود اس کے کم سے کم الفاظ میں معانی ومقاصد کی جو وسعت وکثرت ہے، وہ حیطۂ بیان سے باہر ہے۔[1]

اور جب عربی زبان کو علم لسانیات کی سطح پر جانچا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ کوئی بھی زبان الفاظ وقواعد کے اعتبار سے بلیغ زبان کی شرطوں کو اس سے زیادہ پوری کرنے والی نہیں ہے۔

ہم پر لازم ہے کہ ہم اسے اس پیمانے سے بھی دیکھیں جس میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ پیمانہ ہے انسانی نطق وگویائی میں اظہار ضروریات کا، یعنی وہ زبان اظہار مدعا میں کہاں تک کامیاب ہے؟ اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان انسانی ضرورتوں کے بیان واظہار میں نہایت احسن طریقے سے مکمل طور پر اپنا کردار ادا کرتی ہے اور کسی ایک چیز کو بھی مہمل نہیں چھوڑتی جیسا کہ اکثر دوسری زبانوں کی ابجدیات میں دیکھا اور محسوس کیا جاتا ہے۔ عربی کی امتیازی خوبی یہ بھی ہے کہ اگر اس زبان میں کسی حرف کے دو مخارج ہیں تو ان دونوں مخارج میں یا

---

[1] التحریر و التنویر:1/91

کسی مخرج کے دو حروف ہیں تو ان دونوں حرفوں میں کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض خوبیاں اگرچہ دوسری زبانوں میں بھی پائی جاتی ہیں، لیکن عربی زبان میں یہ تمام خوبیاں جس طرح جمع ہوگئی ہیں اس کی نظیر کسی اور زبان میں نہیں ملتی۔ [1]

ابن فارس رحمہ اللہ کا قول ہے:

''کوئی مترجم اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ قرآن کو کسی بھی زبان میں صحیح طریقے سے منتقل کردے، جیسے کہ انجیل سریانی زبان سے حبشی اور رومی زبان میں اور تورات وزبور اور دیگر کتب الٰہیہ عربی زبان میں منتقل کی گئیں، اس لیے کہ اہل عجم اتنی فصاحت وبلاغت نہیں رکھتے جتنی فصاحت وبلاغت عربوں کے ہاں ہے۔'' [2]

فہم وتلاوت میں قرآن کریم کا آسان ہونا

قرآن عظیم کی عظمت کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم گیر انسانیت کے لیے اس کا پڑھنا اور سمجھنا نہایت آسان رکھا ہے تاکہ اس کے مطالب ومعانی جاننے اور اس کا علم حاصل کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کے پاس اللہ کے حضور پیش کرنے کے لیے کوئی حجت نہ رہے۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝﴾

''اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟'' [3]

[1] أشتات مجتمعات فی اللغة والأدب، عباس محمود العقاد، ص:11-12

[2] الصحابی، ص:26

[3] القمر 17:54

اور فرمایا:

﴿ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ ﴾

''یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان (عربی) میں بہت آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔'' [1]

اس تیسیر (آسان رکھنے) میں مسلمانوں کے لیے یاد دہانی اور رغبت ہے تا کہ وہ اس کے پڑھنے پڑھانے پر زیادہ توجہ دیں اور کافروں کے لیے اشارہ ہے کہ شاید وہ اعراض وگریز سے باز آجائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ ''پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟'' سے واضح ہوتا ہے۔

تَیْسِیْر کے معنی ہیں کسی چیز میں آسانی پیدا کرنا، چاہے فعل کے ذریعے سے ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ ﴾

''اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے۔'' [2]

یا قول کے ذریعے سے ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

''بس (اے نبی!) ہم نے تو اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے، تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔'' [3]

قرآن کے آسان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ زبان میں اترا ہے اور اس پیغمبر ﷺ کی زبان مبارک سے ملا ہے جو رسولوں میں سب سے افضل ہیں۔ اس کے آسان ہونے کا مطلب اس کے معانی ومقاصد کا فہم آسان ہونا ہے، یعنی سننے والا کسی دقت اور

---

[1] مریم 97:19 [2] البقرۃ 185:2 [3] الدخان 58:45

ابہام کے بغیر اس کے وہ مطالب آسانی سے سمجھ لیتا ہے جو متکلم کی مراد ہیں، جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ کانوں میں بے کھٹکے اور بغیر اجازت داخل ہو جاتا ہے۔ یہ آسانی الفاظ میں بھی پائی جاتی ہے اور معانی میں بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔

الفاظ کی آسانی یہ ہے کہ وہ تراکیب وکلمات کی فصاحت کے اعلیٰ درجوں میں ہیں، یعنی کلام کی فصاحت اور الفاظ کا دروبست ایسا رواں ہے کہ زبانی طور پر انھیں یاد کرنا کوئی مشکل نہیں۔ مفہوم ومعانی کی آسانی یہ ہے کہ وہ واضح بھی ہیں اور وافر بھی اور قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے اس میں تدبر کرنے والا جب بھی دوبارہ غور کرے تو معانی کی نت نئی گرہیں اس پر کھلتی چلی جائیں۔ [1]

امام رازی رحمہ اللہ نے ﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ ﴾ کی تفسیر میں قرآن کریم کے آسان ہونے کی کئی توجیہات بیان کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

- ہم نے قرآن حفظ کرنا آسان کر دیا ہے، چنانچہ انسانی تاریخ کا یہ فقید المثال واقعہ ہے کہ قرآن کریم کے سوا، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کسی اور کتاب کو حفظ نہیں کیا جا سکا (قرآن کریم کے کروڑوں حفاظ ہیں لیکن کسی اور کتاب کا کہیں کوئی حافظ نہیں۔)
- ہم نے قرآن سے نصیحت پذیری کا عمل آسان کر دیا ہے کیونکہ اس میں ہر قسم کی حکمت ودانائی جمع کر دی گئی ہے۔
- ہم نے اس میں یہ خلقی وصف رکھا ہے کہ یہ دلوں کو متاثر کرتا ہے اور اس کا سننا باعث فرحت وانبساط ہے۔ جو اسے نہیں سمجھتا وہ بھی کچھ نہ کچھ مطلب پالیتا ہے، اسے سمجھنے اور سننے سے کسی پر اکتاہٹ طاری نہیں ہوتی اور وہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے اس کا علم ہے، اس لیے میں اسے نہیں سنتا، بلکہ ہر لمحے اس کے علم وسرور میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] التحریر والتنویر: 25/344، 27/180-181

[2] التفسیر الکبیر: 29/38-39

ان وضاحتوں سے یہ تو واضح ہے کہ قرآن کریم بالکل حق اور سچ ہے اور اسے سمجھنا نہایت آسان ہے، لیکن اصل مشکل یہ ہے کہ اس روشن کلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے کہاں ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لینا

اللہ تعالیٰ نے عظمت قرآن کے سلسلے میں قرآن کریم کی حفاظت کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔ حفاظت کی تین صورتیں ہیں: (1) نزولِ قرآن سے پہلے (2) نزولِ قرآن کے دوران میں (3) نزولِ قرآن کے بعد۔

① نزول سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں کیا ہے۔ ان میں سے ایک آیتِ مبارکہ یہ ہے:

﴿كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۙ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ؕ﴾

"ہرگز نہیں! بے شک یہ (صحیفہ) تو ایک نصیحت ہے، چنانچہ جو چاہے اسے یاد کرے۔ (یہ) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے جو بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں۔ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو معزز اور نیکوکار ہیں۔"[1]

② نزولِ قرآن کے دوران میں اس کی حفاظت کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان میں موجود ہے:

﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ﴾

"اور ہم نے اس (قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا۔"[2]

---

[1] عبس 80:11-16 [2] بنی إسرآءیل 17:105

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۙ﴾

''(وہی) عالم الغیب ہے، وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا، سوائے کسی رسول کے جسے وہ پسند کرے، پھر بے شک وہ اس (رسول) کے آگے اور پیچھے نگہبان لگا دیتا ہے۔''[1]

③ نزول کے بعد حفاظت کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ کیا ہے، جیسے فرمایا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾

''بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''[2]

یہ اللہ ہی کی حفاظت کا نتیجہ ہے کہ قرآن اپنی اصلی شکل میں باقی ہے، جیسے بلند و بالا، ناقابل عبور پہاڑ ہو۔ وہ غالب و مقتدر ہے جس کی حفاظت گاہ میں کوئی داخل ہونے کی جسارت نہیں کر سکا۔ ہر وہ کوشش جو اسے بدلنے کے لیے کی گئی اس طرح ناکام و نامراد ہوئی کہ اس کا ایک حرف بھی تبدیل نہیں کیا جا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝﴾

''بے شک جن لوگوں نے ذکر (قرآن) کو نہ مانا جب وہ ان کے پاس آیا (تو وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے) حالانکہ بلاشبہ یہ تو ایک بہت بلند مرتبہ کتاب ہے۔ باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ بڑی حکمت والی

---

[1] الجن 72:26-27

[2] الحجر 15:9، نیز یہ مضمون ان آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔ الزخرف 43:31-34، الواقعة 56:75-80، البروج 85:21-22

اور قابل تعریف ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔"[1]

پس قرآن عظیم ام الکتاب میں درج اور لوح محفوظ میں بحفاظت موجود ہے۔ وہ آسمانوں میں بھی ہر اس چیز سے محفوظ رہا جس سے اسے کسی نقصان کا اندیشہ ہوتا اور جو اس کی شان سے فروتر تھی۔ یہ سب کچھ سراسر اللہ تعالیٰ کا کمال اور قرآن پر اس کی خصوصی عنایت و توجہ کے باعث ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝﴾

"بلا شبہ یہ قرآن نہایت معزز ہے، ایک محفوظ کتاب میں، اسے بس پاک (فرشتے) ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔"[3]

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صفت "مَكْنُون" بیان فرمائی جو "اکتنان" سے مشتق ہے۔ اس کے معنی پردے میں ہونے کے ہیں، یعنی یہ کتاب لوگوں کی نظروں سے محجوب (چھپی ہوئی) ہے۔ اس لحاظ سے یہ عالم غیب کا ایک پوشیدہ معاملہ ہے جس کی کنہ اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مذکورہ بالا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم جو لوگوں تک پہنچا اور جسے انھوں نے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے سنا، یہ اللہ تعالیٰ کی اس مشیت کے مطابق ہے جس سے وہ لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کا یہ وصف مکمل ہو جائے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں کسی

---

[1] حٰم السجدة 41:41-42، نیز دیکھیے: الأنعام 6:105، الکهف 18:27

[2] عناية الله وعناية رسوله بالقرآن الكريم، ص: 9-11

[3] الواقعة 56:77-79

انسان کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔ [1]

❁ **حفاظت کا اصل مقصد:** اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم کی حفاظت فرمانا یہ معنی رکھتا ہے کہ قرآن کریم ناپید ہونے کے ہر اندیشے سے اور ہر قسم کی کمی بیشی سے محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قراءت کے تواتر اور اس کے متن کی تفہیم کو آسان بنا دیا اور اسے تبدل و تغیر سے بچا لیا۔ امت مسلمہ اسے نبی ﷺ کی حیات مبارکہ ہی سے حفظ کرتی چلی آرہی ہے۔ یوں ہر شہر میں اس کے حفاظ اتنی بڑی تعداد میں رہتے آئے ہیں کہ اس سے تواتر کی شرطیں پوری ہو جاتی ہیں۔

گزشتہ کتابوں میں تغیر کیوں راہ پا گیا؟ اور قرآن کریم اس سے کیوں محفوظ رہا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ کتابوں کی حفاظت کی ذمے داری اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کے احبار (علماء) پر ڈالی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک سے پتہ چلتا ہے:

﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾

''اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے نگران بنائے گئے تھے۔'' [2]

جب کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا، چنانچہ فرمایا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾

''بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' [3]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی یہ ذمے داری کیسی باریک بینی سے ادا فرمائی، اس کی ایک مثال حسب ذیل ہے:

بعض لوگوں نے قرآن کریم میں ایسی چیز داخل کرنے کا قصد کیا جو قرآن میں نہیں ہے۔

---

[1] التحریر والتنویر: 304/27

[2] المائدة 44:5

[3] الحجر 9:10، دیکھیے: التحریر والتنویر: 13/17-18

اس تحریف کے لیے انھوں نے نہایت پر فریب طریقہ اختیار کیا۔ وہ یہ کہ چونکہ ہر مسلمان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت و توقیر ہے، اس لیے انھوں نے قرآنی آیت:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت سخت اور آپس میں نہایت مہربان ہیں۔''[1]

میں درود ''ﷺ'' کا اضافہ کر کے قرآن کریم کا نسخہ شائع کر دیا، یعنی اس طرح:

«مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ ﷺ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ»

ان کی شاطرانہ فن کاری یہ ہے کہ درود و سلام کے الفاظ کا اضافہ کر کے مسلمانوں کے جذبات سے فائدہ اٹھائیں اور اس کے پردے میں تحریف قرآن کی مذموم جسارت کر لی جائے جو انھوں نے کر ڈالی۔

علمائے اسلام کے شدید احتجاج پر مذکورہ ناشرینِ قرآن نے اپنے قرآن کی تقسیم روک دی۔ علماء نے کہا: اس کی تقسیم روک دینا کافی نہیں ہے بلکہ اس مصحف کے تمام نسخے تلف کر دینے چاہئیں۔ انھوں نے زور دیا کہ تلف کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس میں ایک اضافہ ہے۔ ناشرین کہنے لگے: یہ اضافہ تو نہایت پسندیدہ اور محمود ہے۔ علماء نے ان کے اس موقف کو بھی مسترد کر دیا اور کہا: قرآن توقیفی کتاب ہے یعنی اس کتاب مقدس کے الفاظ اور ترتیب وحی الٰہی پر مبنی ہے، اس لیے ہم اس میں ایک لفظ کی بھی کمی بیشی کیے بغیر اس کو ٹھیک اسی شکل میں پڑھیں گے اور شائع کریں گے جس شکل میں وہ نازل ہوا ہے۔[2]

❁ قرآن کریم کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی تدبیر: ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] الفتح 29:48 [2] تفسیر الشعراوی: 7653/12

قرآن کریم کے لیے ایسے حالات واسباب مہیا کیے ہیں جو گزشتہ کتابوں کے زمانے سے مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھی کے ذریعے سے قرآن کریم کی حفاظت فرمائی۔ ان حالات واسباب میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم یاد کرنے اور یاد رکھنے والوں کا ایک مضبوط طبقہ پیدا فرمادیا۔ اسلام سے پہلے عرب اتنے قوی حافظے کے مالک تھے کہ ہزاروں اشعار ان کی نوک زبان پر رہتے تھے، حالانکہ شعراء کا یہ کلام کسی دیوان کی شکل میں مرتب و مدوّن نہیں تھا اور اس کی ساری بنیاد صرف ان کا حافظہ تھا۔ ان عربوں نے اسی طرح قرآن کریم بھی اپنے دماغوں میں محفوظ کرلیا۔

② اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم حفظ کرنا آسان بنادیا جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○﴾

''اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟''[1]

③ اس کے لیے ایک ایسا مستقل طبقہ مہیا فرمادیا جو حفظ و فہم قرآن اور اس بارِ امانت کو اٹھانے والا تھا۔ پس حُفّاظ کرام رسول اللہ ﷺ کے روبرو بھی قرآن کریم یاد کرتے تھے تاکہ وہ اسے پختہ طور پر حفظ کرنے میں ماہر ہوجائیں، اس کے بعد وہ اسے مدون کرتے تھے، اور اس کام کی نگرانی خود نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

④ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو فرشتوں کے ساتھ قرآن کی مراجعت کا موقع بھی فراہم کیا، چنانچہ نبی ﷺ قرآن کا نازل شدہ حصہ یاد فرماتے تھے اور سال میں ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام سے اس کی مراجعت (دور) کرتے تھے اور اپنی حیات مبارکہ کے آخری سال آپ نے

---

[1] القمر 17:54

پورے قرآن کریم کا حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ مراجعہ (دور) کیا۔

⑤ قرآن کریم کی تدوین کے بعد بھی اس میں ایسی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی جس سے کوئی کھلنڈرا فائدہ اٹھا سکے کیونکہ راسخ حفاظ کرام ہر اس نسخے کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیتے جو مصحف (قرآن کے قلمی نسخے) سے نقل کیا جاتا تھا۔ جب زمانہ آگے بڑھا اور پریس ایجاد ہوا تو قرآن کریم کی طباعت واشاعت کے لیے چھاپے خانے قائم ہوئے جنھوں نے اجل علماء اور حفاظ کرام کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں۔ وہ اس کی طباعت سے پہلے بڑی محنت وجاں فشانی سے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف بار بار باریک بینی سے دیکھتے ہیں تاکہ اس میں تحریف وتغیر تو کجا، کسی معمولی غلطی کا بھی کوئی امکان باقی نہ رہے۔

انھی اسباب ووسائل کی وجہ سے قرآن کریم کی حفاظت کا وہ عہد پورا ہوا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ازل ہی سے لوحِ محفوظ میں مقدر فرما دیا تھا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کی تکمیل فرما دی جس کا اعلان اس نے اس طرح فرمایا تھا:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ﴾

''بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''[1]

قرآن کریم کی یہ غیر معمولی حفاظت قرآن کریم کی حقانیت وعظمت کی بڑی مستند دلیل ہے۔[2]

اس حفاظت قرآن کے دو نتیجے بالکل واضح ہیں:

❁ ایک یہ کہ اس میں تحریف کا مذموم شوق رکھنے والے یکسر مایوس ہو گئے۔ انھیں پختہ یقین ہو گیا کہ وہ اپنے اس مذموم مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

❁ دوسرے، حفظ قرآن کی نعمت عظمیٰ اور اس کے احساس وشعور کی بدولت مسلمانوں میں یہ

---

[1] الحجر 15:9 [2] رکائز الإیمان، ص: 206-207

اعتقاد پیدا ہوا کہ یہ مقدس کتاب مکمل طور پر قابل اعتماد اور ہر قسم کے شک وشبہ کی پرچھائیوں سے پاک ہے اور اس ایمان افروز حقیقت نے ہمارے دشمنوں کو آتش زیر پا کر رکھا ہے۔

قرآنی تعلیمات کی عالمگیریت

دشمنانِ اسلام کا ایک خیال فاسد یہ ہے کہ قرآنِ عظیم محض ایک تاریخ کی کتاب ہے۔ اس کے مخاطب صرف ایک محدود زمانے کے لوگ تھے، بعد ازاں اس کی حیثیت اور افادیت ختم ہوگئی اور اب موجودہ دور میں اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

ہم مسلمانوں کا یہ پختہ اعتقاد ہے کہ قرآن عظیم وہ ابدی کتاب ہے جس کا مخاطب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے ہر انسان کو بنایا ہے۔ پس یہ کتاب کسی زمانے کے ساتھ، کسی جگہ کے ساتھ، کسی قوم یا طبقے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام انس وجن کی رہبری اور بھلائی اس کا مقصود ہے۔ اس کا خطاب سب سے ہے۔ یہ سب کو ایسی باتوں کی دعوت دیتی ہے جن میں ان کے دین ودنیا کی سعادتیں مضمر ہیں۔ اس کے بیان کردہ صحیح عقائد، عبادات کے پرحکمت نظام، بلند مرتبت احکام اور اخلاقِ عالیہ ہی کے ذریعے سے ان کی زندگیاں درست اور شاہراہِ مستقیم پر گامزن ہوسکتی ہیں۔

کتاب وسنت کے نصوص اور اجماع امت کی رو سے یہ حقیقت آشکارا ہے کہ قرآن کریم کا نزول سارے عالم کے لیے ہوا ہے۔ وہ تمام آیات جو قرآن کی آفاقیت کی مظہر ہیں ان کا احاطہ دشوار ہے۔[1]

---

[1] قرآن کی عالمگیریت پر دلالت کرنے والی بعض آیات ملاحظہ فرمائیں:
البقرۃ 185:2، النساء 174,170,79,1:4، الأعراف 158:7، یونس 108,104,99-57:10، یوسف 104:12، بنی إسرآءیل 106,105,94,89:17، الأنبیاء 107:21، الحج 73,49,27,5,1:22، الفرقان 56,51,50,1:25، الأحزاب 46,45:33، سبا 28:34، فاطر 24:35، صٓ 87:38، القلم 52:68، التکویر 27:81

بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن کی عالمگیریت بیان کرنے والی آیات تین سو پچاس سے بھی زیادہ ہیں۔[1]

یہاں ہم تین مقامات پر آنے والی ایک ہی آیت بیان کرتے ہیں جو بڑی وضاحت سے ثابت کرتی ہیں کہ قرآن کریم سارے جہانوں کے لیے نصیحت ہے:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَٰلَمِينَ ۝﴾

"یہ تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔"[2]

اس آیت کے الفاظ اور اس کے اندازِ بیان پر غور کرنے والا فوراً سمجھ جائے گا کہ قرآن سارے عالم کی رہنمائی کے لیے آیا ہے۔ بعض علمائے تفسیر نے اس آیت سے حسب ذیل امور اخذ کیے ہیں:

- یہ آیات صیغۂ حصر ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا﴾ کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔[3]

پس یہ حَصرِی صیغہ قرآن کریم کے متعلق ہر اس صفت کی نفی کر دیتا ہے جو قرآن کی عالمگیریت کے خلاف ہے اور قرآن کی عالمگیریت کو پوری وضاحت کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔

- یہ قرآن پورے عالم کو اس اعتبار سے نصیحت کرنے والا ہے کہ اس کے مخاطب تمام انسان اور تمام جنات ہیں۔ پس وہ ان سب کو نصیحت کرتا اور ان کو وہ باتیں بتلاتا ہے جن کے وہ سب محتاج ہیں، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی، حتی کہ خاندانی سطح اور ایوانِ حکومت میں فرمانروائی کی سطح پر بھی، زندگی کے ہر معاملے میں اور ہر سطح پر قرآن پوری رہنمائی کرتا ہے۔

---

[1] دلالة أسماء سور القرآن الكريم من منظور حضاري، الدكتور محمد خليل جيجك، ص:132

[2] يوسف 104:12، صٓ 87:38، التكوير 27:81

[3] التحرير والتنوير:125/17

اور ﴿ لِلْعٰلَمِيْنَ ﴾ کا لفظ عام ہے جو تمام انسانوں اور جنوں کو شامل ہے، چاہے وہ نبی ﷺ کے زمانے کے ہوں یا آپ کے بعد قیامت تک آنے والے ہوں۔[1]

❁ اَلْعَالَمِينَ، جمع مُعرَّف باللام (الف، لام کے ساتھ بطور معرفہ) ہے جو استغراق یعنی کُل کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ پس عربی زبان میں وہ جمع جو معرّف باللام ہو، بکثرت استعمال ہوتی ہے۔ اور ''عالَم'' کا لفظ عَالَمِیْن کا واحد ہے، پس یہ لفظ عام ہے جو کائنات کی ہر چیز کا احاطہ کرتا ہے۔ لیکن جب اس کی جمع واو اور نون کے ساتھ بنائی جائے گی تو پھر یہ صرف ذی عقل کے لیے خاص ہو جائے گی، یعنی اس سے مراد صرف انسان اور جن ہوں گے۔

اس اعتبار سے ﴿ لِلْعٰلَمِيْنَ ﴾ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن عظیم تمام ذی عقل انسانوں اور جنوں کے لیے نصیحت ہے، چاہے وہ کسی بھی جگہ کے ہوں یا کسی بھی زمانے کے ہوں، یا کسی بھی طبقے اور قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس میں کسی جگہ کی تخصیص ہے نہ زمانے کی، کسی طبقے کی تخصیص ہے نہ کسی قوم کی۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«لَفْظُ الْعَالَمِينَ يَتَنَاوَلُ جَمِيعَ الْمَخْلُوقَاتِ، فَدَلَّتِ الْآيَةُ عَلَى أَنَّهُ رَسُولٌ لِّلْخَلْقِ عَامَّةً إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''عالَمین کا لفظ تمام مخلوقات کو شامل ہے۔ پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ قیامت تک آنے والی تمام مخلوق کے لیے رسول ہیں۔''[2]

چند اور آیات، جو قرآنِ عظیم کی عالمگیریت کی صراحت کرتی ہیں، درج ذیل ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ ﴾

[1] تفسیر أبی حیان: 480/6 و تفسیر ابن عطیه: 199/4 [2] التفسیر الکبیر: 40/24

’’وہ ذات بڑی ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا تا کہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بنے۔‘‘ ❶

اور فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ز فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ ﴾

’’اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں ہر مثال (بار بار) پھیر پھیر کر بیان کی ہے، پھر بھی اکثر لوگ ناشکرے ہوئے بغیر نہیں رہتے۔‘‘ ❷

مزید فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

’’اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثال بیان کی ہے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔‘‘ ❸

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

’’اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔‘‘ ❹

مزید فرمان الٰہی ہے:

﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ ﴾

’’بلاشبہ ہم نے لوگوں کے لیے آپ پر (یہ) کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ سو جس

---

❶ الفرقان 1:25　❷ بنی إسرآء یل 89:17
❸ الزمر 27:39　❹ الأنبیاء 107:21

نے ہدایت پائی تو اپنے ہی بھلے کے لیے اور جو گمراہ ہوا، تو بس اس کی گمراہی (کا وبال) اسی پر ہے، اور آپ ان کے ذمے دار نہیں۔'' [1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ آیت مبارکہ ﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴾ کی آفاقیت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت کی بابت دو قولوں میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر (رحمت عام کی بشارت) ہے۔ اس اعتبار سے اس عموم کی دو صورتیں ہیں:

❁ **پہلی صورت:** نبی ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی فیض رساں رسالت ونبوت سے سارے جہان والوں کو فائدہ پہنچا ہے۔

آپ پر ایمان لانے والوں کو اس اعتبار سے زبردست فائدہ ہوا کہ وہ آپ کی اتباع کی بدولت دین ودنیا کی سعادتوں کے مستحق قرار پائے۔

اسی طرح آپ سے برسرِ پیکار دشمنوں کو اس لحاظ سے فائدہ پہنچا کہ جو کفار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، ان کا جلدی مرجانا ان کے لیے خیر کا باعث ہوا، اس لیے کہ وہ جتنی زیادہ دیر زندہ رہتے، ان کے گناہوں میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جو آخرت میں ان کے لیے عذاب کی شدت میں اضافے ہی کا باعث بنتا۔ پس ان کا بحالتِ کفر لمبی عمر گزارنے کے مقابلے میں نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے ہاتھوں مرجانا ان کے حق میں بہتر رہا۔

اسی طرح جن کافروں نے آپ سے جنگ کے برعکس صلح وآشتی سے رہنا پسند کیا، وہ دنیا میں آپ سے معاہدہ کرکے آپ کے سائے اور ذمے داری میں رہے۔ اس عہد کی بدولت وہ لڑنے والے کافروں کے مقابلے میں نسبتاً بہتر رہے۔

حتی کہ منافقین کو بھی نبی ﷺ کی عالمگیر رحمت سے فائدہ پہنچا۔ ان کے اظہارِ ایمان سے ان کی جان، مال اور اہل وعیال سب کچھ محفوظ ہوگیا اور وراثت وغیرہ میں ان پر مسلمانوں

---

[1] الزمر 41:39

والے احکام ہی لاگو ہوئے۔

یہ تو وہ لوگ تھے جو نبی ﷺ کے قریب تھے، یعنی براہ راست کسی نہ کسی طریقے سے آپ کے آس پاس تھے۔ یہ لوگ یا تو آپ کے پیروکار مومن تھے، یا آپ سے برسرِ پیکار۔ وہ آپ کے کھلم کھلا دشمن کافر تھے، یا صلح پسند کافر تھے جنھوں نے آپ سے جنگ کے بجائے معاہدۂ صلح کر کے امن و عافیت کے ساتھ رہنا پسند کیا، یا پھر وہ منافق تھے جنھوں نے صرف زبان سے ایمان کا اظہار کیا تھا جبکہ وہ مخلص اور سچے مسلمان نہیں تھے۔ ان سب کو مذکورہ طریقے سے نبی ﷺ کی عالمگیر رحمت سے فائدہ پہنچا۔

رہ گئے وہ لوگ جن کا براہ راست آپ سے کوئی تعلق نہیں تھا، وہ دور دراز کے دوسرے علاقوں اور ملکوں کے رہنے والے تھے، ان کو آپ کی رسالت سے یہ فائدہ پہنچا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کی وجہ سے اہل زمین سے عذابِ عام اٹھا لیا۔ یوں ساری دنیا کو آپ کی رسالت سے فائدہ پہنچا۔

❁ دوسری صورت: نبی ﷺ ہر ایک کے لیے رحمت ہیں۔ مومنوں نے اس رحمت کو قبول کیا اور اس سے دنیا و آخرت میں فائدہ اٹھایا جبکہ کفار نے اس رحمت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود وہ رحمت سے خارج نہیں ہوئے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کہا جائے کہ ”اس مرض کی یہ دوا ہے۔“ اب اس مرض میں مبتلا مریض اگر یہ دوا استعمال نہیں کرے گا، تو کیا وہ دوا اس مرض کی دوا ہی نہیں رہے گی؟ وہ دوا تو بدستور اس مرض کی دوا رہے گی، چاہے کوئی مریض اسے استعمال کرے یا نہ کرے۔ استعمال کرے گا تو فائدہ اٹھائے گا، نہیں کرے گا تو یقیناً اس کا اپنا نقصان ہوگا، لیکن اس کے مسترد کرنے سے دوا کی تاثیر ختم نہیں ہوگی۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں ایسے کلمات اور ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں جن میں بلا تخصیص تمام انسانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ اس میں کسی قوم یا طبقے کی تخصیص ہے نہ زمان و مکان کی۔

یہ اس امر کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ قرآن کا نزول پورے عالم کے لیے اور اس کے احکام ابد تک کے لیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خطاب میں عموم ہے تخصیص نہیں، اطلاق ہے تقیید نہیں۔ اس میں تخصیص وتحدید اور تقیید بہت کم ہے جیسے محدود جگہوں، خاص زمانوں اور معین اشخاص کا ذکر۔ جب بھی قرآنی بیان میں کسی خاص صفت کے تذکرے کی ضرورت پیش آتی ہے، تو قرآن ان میں بھی صفات عام کا اسلوب پسند کرتا ہے جیسے مومنین، متقین، صالحین، صابرین، کافرین، منافقین، غافلین، ظالمین، کاذبین وغیرہ۔ جس میں کسی خاص قوم یا طبقے کا ذکر نہیں ہوتا، یعنی یہ نہیں ہوتا کہ حجازی لوگوں، مکی لوگوں یا مدنی لوگوں کا یہ کردار ہے وغیرہ۔ اس طرح الفاظ کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے، لہٰذا قرآن نے یہ انداز بیان اختیار نہیں کیا۔

بطور مثال آیاتِ افک، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی سے متعلقہ آیات، پر غور کریں جو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے ہی میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں بہتان تراشوں کا ذکر تو ہے لیکن اس میں کسی کے خاص نام، نسب یا قرابت وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔ قرآن کے اسی انداز بیان سے کہ وہ اکثر و بیشتر اپنے دلائل و اطلاقات میں خصوص کے بجائے عموم کو پسند کرتا ہے، علمائے اصول وفقہ نے ان آیات کے بارے میں جو کسی خاص سبب سے نازل ہوئیں، یہ قاعدہ وضع کیا ہے کہ (اَلْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ) ''لفظوں کے عموم کا اعتبار ہوگا، نہ کہ خاص سبب کا'' یعنی الفاظ کے اعتبار سے مفہوم ومعنی میں جس قدر وسعت ہوگی، وہ معتبر ہوگی، اسے کسی ایک واقعے کے ساتھ (جس کی وجہ سے اس کا نزول ہوا ہو) مخصوص نہیں کیا جائے گا۔

قرآن عظیم کی عالمگیریت اس امر سے بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں قِصص واَمثال کے سلسلے میں جو فوائد بیان ہوئے ہیں، وہ ﴿لِلنَّاسِ﴾ ''لوگوں کے لیے'' کے الفاظ میں معرّف باللام اور بصیغۂ جمع بیان ہوئے ہیں جو کُل کا مفہوم دیتے ہیں جیسا کہ ماہرینِ لغتِ عربی کے

ہاں معروف ہے۔[1]

قرآن کریم کا دیگر الہامی کتابوں کی تصدیق اور نگرانی کرنا

❁ **لغت میں "مُصَدِّق" کے معنی:** لفظ "مُصَدِّق" تصدیق سے اسم فاعل ہے جس کے لغوی معانی حسب ذیل ہیں:

کسی چیز کی صداقت کا اعتراف کرنا ❁ کسی چیز کا اثبات و اقرار کرنا ❁ کسی چیز کی صداقت پر دلالت کرنا[2]

❁ **هَيمَنٌ کے لغوی معنی:** هَيمَنٌ کے لغوی معانی حسب ذیل ہیں:

❁ غلبہ وتسلط ❁ نگرانی کرنا ❁ یاد کرنا ❁ گواہی دینا[3]

قرآن عظیم کا یہ وصف کہ وہ کتب الٰہیہ کا مُهَيمِن اور مُصَدِّق ہے، اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ:

① ان کتابوں پر "مُسَيطِر" یعنی نگران ہے، ان معنوں میں کہ وہ ان پر حاکم اور ان کی بابت قاضی (فیصلہ کرنے والا) ہے۔ جب وہ کتابیں غلوّ اور باطل کی طرف مائل ہوتی ہیں، تو قرآن ان کا انحراف واضح کر کے اسے اس باطل سے دور کرتا ہے، مثلاً قرآن عیسائیوں کے اس زعم باطل کی تردید کرتا ہے جو انھوں نے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ

---

[1] دلالة أسماء سور القرآن الكريم من منظور حضاری، ص:137-141

[2] لسان العرب : 195/10 مادہ: صدق

[3] المعجم الوسيط، ص: 105 مادہ: هيمن

﴿ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝﴾

''مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر ایک رسول ہی۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اور ان کی ماں صدیقہ (نہایت راست باز) تھی۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان کے لیے کیسی کیسی نشانیاں بیان کرتے ہیں، پھر دیکھو وہ کدھر الٹے پھیرے جاتے ہیں۔''[1]

② ان کتابوں پر نگران ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن پچھلی کتابوں کی بیان کردہ خبروں کی تصحیح کرتا اور ان کے حقائق کو بے غبار کر کے پیش کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی بابت قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ﴾

''حالانکہ انھوں نے اسے قتل کیا، نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔''[2]

اس میں عیسائیوں کے اس زعم باطل کا رد ہے کہ مسیح علیہ السلام سولی پر چڑھا کر قتل کر دیے گئے تھے۔ پس قرآن نے ان کتابوں کی نگرانی کی اور مذکورہ آیت میں وضاحت فرما دی کہ یہ خبر، جو عیسائیوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر تحریف شدہ انجیل میں شامل کر دی تھی، عیسائیوں کے باطل خیالات کا حصہ ہے۔ یہ ان باتوں میں سے نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں۔

③ قرآن کا ان کتابوں کا محافظ ہونا یہ مفہوم تقریباً سابقہ مفہوم کے ہم معنی ہے۔

④ قرآن ان پر گواہ ہے اس اعتبار سے کہ وہ ان کی صحیح باتوں کی گواہی دیتا اور ان کا اثبات کرتا ہے۔ یوں وہ ان کی اصل باتوں کو برقرار رکھتا اور ان میں بیان کردہ حقیقتوں کی گواہی دیتا ہے۔

⑤ قرآن پچھلی کتابوں پر امین ہے، یعنی قرآن ان کتابوں کی بابت جو کچھ بتاتا ہے یا قرآن

---

[1] المائدة 75:5 [2] النساء 157:4

میں بیان کردہ جو باتیں ان کتابوں میں موجود ہیں، وہ صحیح اور برحق ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ ان کے ماننے والوں کے اوہام ہیں، وہ باطل ہیں جنھیں سچ نہیں سمجھا جاسکتا۔

ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں:

«اَلْقُرْآنُ أَمِينٌ عَلٰى مَا قَبْلَهُ مِنَ الْكُتُبِ، فَمَا أَخْبَرَ أَهْلُ الْكِتَابِ عَنْ كِتَابِهِمْ، فَإِنْ كَانَ فِي الْقُرْآنِ فَصَدِّقُوا، وَإِلَّا فَكَذِّبُوا»

''قرآن پچھلی کتابوں پر امین ہے، پس اہل کتاب اپنی کتابوں میں سے جو کچھ بیان کریں، دیکھو، اگر وہ قرآن میں ہے تو اُسے مان لو، ورنہ جھٹلا دو۔''[1]

⑥ قرآن پچھلی کتابوں کے سچ ہونے کا اعتراف کرتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو اس نے اپنے رسولوں پر اتاری تھیں، علاوہ ازیں وہ ان صحیح عقائد کو بھی اور ان اصول وکلیات کو بھی، جن کی بابت ارباب دانش میں کوئی اختلاف نہیں، تسلیم کرتا ہے جیسے خیر ورشد اور نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، انصاف کا قیام اور احقاقِ حق وغیرہ۔

⑦ قرآن پچھلی کتابوں کی حق باتوں کی تائید کرتا ہے، ان معنوں میں کہ ان کتابوں میں جو صحیح عقائد اور خبریں بیان ہوئی ہیں، قرآن ان سے اختلاف نہیں کرتا۔

⑧ قرآن ان کی سچائی پر دلالت کرتا ہے، یعنی وہ بتاتا ہے کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور ان کی بیان کردہ صحیح خبریں برحق ہیں، مثال کے طور پر کتب سابقہ میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوش خبری بھی دی گئی ہے۔ پس قرآن عظیم ان کتابوں میں مذکورہ باتوں کی تصدیق کرتا اور ان اوصاف کو تسلیم کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کتابیں ان باتوں کے بیان کرنے کی حد تک یقیناً صحیح ہیں اور ان کا اللہ کی طرف سے

[1] تفسیر البغوی: 43/2 و تفسیر الطبری: 266/6

نازل شدہ ہونا بھی مسلم ہے۔ [1]

گزشتہ الفاظ کے معانی پر غور کرنے والا فوراً یہ محسوس کر لے گا کہ یہ سب قریب المعنی الفاظ ہیں، تاہم اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر نکات وہ ہیں جن کی بابت قرآن کی بہت سی نصوص وارد ہوئی ہیں اور ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ [2]

ان آیات یا ان میں سے بعض آیات سے غالی اسلام دشمن مستشرقین اور عیسائی پادریوں نے استدلال کیا ہے اور یہ گمان ظاہر کیا ہے کہ پچھلی کتابیں منسوخ نہیں ہوئیں اور وہ تحریف سے بھی پاک ہیں، اس لیے ان کتابوں پر عمل کرنا اور قرآن پر عمل کرنا یکساں بات ہے۔

اس موضوع پر ان میں سے بعض نے کتابیں اور رسائل بھی تحریر کیے ہیں۔ [3]

قرآن کے سابقہ کتب الٰہیہ کی تصدیق کرنے کا مفہوم: گزشتہ تفصیلات کی روشنی میں قرآن عظیم کی جانب سے سابقہ آسمانی کتب کی تصدیق کرنے کے کئی مفہوم ہیں:

① قرآن نے اس بات کا اثبات کیا کہ گزشتہ کتابیں وحیٔ الٰہی ہی پر مبنی ہیں۔ اس طرح قرآن کریم نے وحی کے وقوع کے امکان کا اثبات کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ﴾

---

[1] التفسير الموضوعي للآيات القرآنية المتعلقة بالكتب السماوية، الدكتور عبدالعزيزالدردير موسٰی، ص392-393

[2] یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چودہ مقامات پر بیان فرمائی ہے جو حسب ذیل ہیں:
البقرۃ 41:2، 89-91، 97، آل عمران 3:3، النساء 47:4، المائدۃ 48:5، الأنعام 92:6، یونس 37:10، یوسف 111:12، طٰہٰ 133:20، الشعراء 196:26، فاطر 31:35، الأحقاف 30،12:46

[3] انھی میں سے ایک رسالہ: "أبحاث المجتهدين في الخلاف بين النصارٰى والمسلمين" ہے۔ اس رسالے کا مؤلف نکولا یعقوب گبریل ہے۔ یہ رسالہ 1901ء میں مصر سے چھپا تھا۔

''(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جس طرح ہم نے نوح اوران کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی کی تھی۔''[1]

یہ آیت اس امر کی تصدیق کررہی ہے کہ نزولِ وحی اور رسولوں کے آنے کا سابقہ سلسلہ صحیح ہے۔اس اعتبار سے قرآن اپنے سے پہلے آئی ہوئی وحی ورسالت کا مُصدِّق یعنی تصدیق کرنے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾

''اسی نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔''[2]

② قرآن نے ان اوصاف کا اثبات کیا جو گزشتہ کتابوں میں موجود ہیں، جیسے ان میں آخری پیغمبر کے وصف کا ذکر ہے اوران میں یہ خبر بھی ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک کتاب بھی آئے گی۔پس قرآن کا ان اوصاف کے مطابق نازل ہونا، سابقہ کتابوں کی تصدیق ہے۔

③ قرآن عظیم نے دین کے ان اصول و مقاصد کے سلسلے میں جو شریعتوں اور رسولوں کے مختلف ہونے کے باوجود جداگانہ نہیں ہوتے، سابقہ کتابوں سے موافقت کی ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے سابقہ کتابوں کے حسب ذیل اصولوں سے اتفاق کیا ہے:

- اس بات کی دعوت کہ اللہ تعالیٰ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا جائے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام نقائص سے پاک اوران تمام کمالات سے متصف ہے جو اس مقدس ذات کے لائق ہیں۔
- اسی طرح تمام نازل شدہ کتابیں اصولِ شرائع میں متفق ہیں، جیسے نماز، زکاۃ اور روزے رکھنا وغیرہ۔قرآن نے بتلایا ہے کہ ان عبادات کا حکم پچھلی امتوں کو بھی دیا گیا تھا،

---

[1] النساء4:163 [2] آل عمران3:3

چنانچہ روزے کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے، تا کہ تم متقی بن جاؤ۔'' [1]

نماز اور زکاۃ کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَٰقَ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَقُولُوا۟ لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ط﴾

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین، رشتے داروں، یتیموں اور مسکینوں سے نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا، اور نماز قائم کرنا، اور زکاۃ دینا۔'' [2]

اس آیت مبارکہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ شریعتوں کے بنیادی اصول تمام ادیان میں ایک جیسے رہے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے:

﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِۦ نُوحًا وَٱلَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِۦٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰٓ أَنْ أَقِيمُوا۟ ٱلدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا۟ فِيهِ ط﴾

''اس نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جو ہم نے (اے نبی) آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ

---

[1] البقرۃ 183:2 [2] البقرۃ 83:2

اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ تم اس دین کو قائم رکھو اور تم اس میں فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ۔‘‘[1]

البتہ آسمانی کتابوں میں شریعتوں کی عملی تفصیلات ہر زمانے کے مخصوص حالات کی روشنی میں ایک دوسرے سے مختلف بیان ہوئی ہیں، ان میں ان کے پیروکاروں کی عملی ضروریات کا خیال بھی رکھا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط﴾

’’ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ بنایا۔‘‘[2]

سابقہ آسمانی کتابیں اس معاملے میں بھی متفق ہیں کہ وہ سب کی سب فضائل والے اعمال کی دعوت دیتی ہیں اور رذائل، یعنی برے اخلاق و عادات سے روکتی اور دلوں میں گناہوں سے نفرت پیدا کرتی ہیں۔ پس اللہ کی ہر کتاب نے عدل و احسان، راست بازی، صبر، امانت، وعدہ پورا کرنے، رحم و کرم اور اسی قسم کے دیگر فضائل و مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے جن کے ذریعے سے ہر زمان و مکان میں انسانیت نے شرف و سعادت کی منزلیں طے کی ہیں اور اسی طرح اللہ کی ہر کتاب نے ظلم، خیانت، کذب، بدعہدی، سنگ دلی، خود غرضی اور اسی قسم کی دوسری تمام بری عادتوں سے اجتناب کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ بری عادتیں انسانیت کو ہلاکت و بربادی کے گڑھوں میں دھکیل دیتی ہیں۔

④ چونکہ قرآن کریم سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس میں وہ فضائل بھی جمع فرما دیے جو پچھلی کتابوں میں بیان نہیں ہوئے، نیز اللہ تعالیٰ نے اس میں پچھلی کتابوں کے اصول محفوظ فرما دیے اور اس کی تصدیق کر دی۔

پس یہ قرآن عظیم پچھلی رسالتوں اور ان نصیحتوں کا جامع و کامل خلاصہ ہے، جن کا اہتمام انسانیت کے لیے اس کے آغاز ہی سے کیا گیا، اور یہ قرآن کی عظمت کی ایک اور دلیل ہے۔

---

[1] الشوریٰ 13:42 [2] المائدة 48:5

❁ قرآن کریم سابقہ کتب الٰہیہ کا نگران ہے: جس طرح قرآن عظیم پچھلی کتابوں کا مُصدِّق بن کر آیا، اسی طرح وہ ان کا محافظ ونگران بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت یوں فرمائی ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، یہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس پر نگہبان ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے قول ﴿مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن عظیم پچھلی کتابوں کا نگران اور محافظ ہے، اس لیے کہ قرآن ان کے صحیح ہونے کی گواہی دیتا ہے، ان کے اصولوں اور باقی رہنے والی فروعات کا اثبات کرتا ہے اور ان کے منسوخ احکام کی وضاحت کرتا ہے، یا اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن سابقہ کتابوں کا اس لیے امین ہے کہ یہ پچھلی کتابوں میں وارد جن باتوں کے بارے میں تصدیق کرے، وہ سچ ہیں، ان کی تصدیق کی جائے گی اور جن باتوں کے بارے میں کہے کہ وہ جھوٹی ہیں تو وہ یقیناً باطل ہیں، یا ان معنوں میں قرآن ان کا محافظ ہے کہ وہ ان میں بیان کردہ عقیدۂ توحید اور دین کے تمام اصول وکلیات کی قیامت تک حفاظت کرنے والا ہے، یا قرآن کریم اس مفہوم میں نگران ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ مقدس کلام پچھلی کتابوں کی صداقت پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ بتلاتا ہے کہ وہ کتابیں اللہ کی طرف سے ہیں، اس لیے کہ یہ قرآن انھی کی بیان کردہ صفات کے مطابق آیا ہے۔

❁ **نگرانی اور تصدیق کا باہمی تعلق:** گزشتہ تفصیلات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نگرانی کا مطلب، تصدیق کے مفہوم کے مقابلے میں زیادہ جامع، کامل اور وسیع ہے۔ اس

---

[1] المائدۃ 48:5

لیے کہ نگرانی کا مفہوم صرف یہی نہیں کہ وہ سابقہ کتابوں کے بارے میں یہ گواہی دیتا ہے کہ ان میں نازل شدہ اصول صحیح ہیں اور ان کے اصول و شرائع کی تائید کرتا ہے بلکہ وہ اس سے بڑھ کر اس امر کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ اس میں فلاں حکم منسوخ ہے، فلاں بات تحریف شدہ ہے، یا اس میں فلاں فلاں کھوٹ مل گیا ہے یا فلاں بگاڑ پیدا کر دیا گیا ہے۔

پس قرآن اس مفہوم کے اعتبار سے سابقہ کتابوں کے صحیح معانی و مطالب کی نگرانی کرنے والا ہے جو ان کتابوں میں ہیں اور اس بات کا گواہ ہے کہ وہ کتابیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ اس طرح ھَیْمَنت (نگراں ہونے) کا مفہوم، تصدیق کے ساتھ مل جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن ان کتابوں میں کی گئی تحریف اور باطل کی آمیزش کی گواہی بھی دیتا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے ھَیْمَنت (نگراں ہونا) تصدیق کے مفہوم سے منفرد ہو جاتا ہے۔

قرآن کی سابقہ کتابوں پر نگرانی کے دلائل و مظاہر

قرآن عظیم کی اپنے سے پہلے نازل شدہ کتابوں کی نگرانی کے متعدد دلائل و مظاہر ہیں۔ ان میں سے چند اہم دلائل درج ذیل ہیں:

❊ **قرآن کا سابقہ کتابوں میں تغیر و تبدل کا اعلان:** اہل کتاب کے ناپاک ہاتھوں نے ان کتابوں میں تبدیلیاں کی ہیں اور کہیں کہیں انھوں نے فاسد تاویل کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ مذموم اقدام انھوں نے صرف اپنی نفسانی خواہشات، یا اہل اقتدار کی پیروی میں، یا اپنے دشمن اور مد مقابل سے جدل و بحث میں دھوکہ دے کر برتری حاصل کرنے کے لیے کیا۔

اسی طرح قرآن نے یہ بھی بتلایا کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھی اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے اس کی نسبت اللہ کی طرف کر دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۝ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

لِیَشۡتَرُوۡا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ فَوَیۡلٌ لَّہُمۡ مِّمَّا کَتَبَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ وَیۡلٌ لَّہُمۡ مِّمَّا یَکۡسِبُوۡنَ ○﴾

”چنانچہ ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لے لیں، چنانچہ ان کے ہاتھوں نے جو لکھا اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے، اور جو وہ کماتے ہیں اس کی وجہ سے (بھی) ان کے لیے ہلاکت ہے۔“ [1]

❁ اہل کتاب کے حق کی مخالفت میں بیان کردہ بڑے بڑے مسائل کا تذکرہ: عقائد کے اعتبار سے بطور مثال قرآن عظیم نے اس عقیدے کی نفی کی ہے جو چاروں تحریف شدہ انجیلوں میں درج ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا قَتَلُوۡہُ وَمَا صَلَبُوۡہُ وَلٰکِنۡ شُبِّہَ لَہُمۡ ؕ﴾

”حالانکہ انھوں نے انھیں قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔“ [2]

اسی طرح قرآن نے ان کے عقیدۂ تثلیث اور الوہیت مسیح کو کفر قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ؕ وَ قَالَ الۡمَسِیۡحُ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اعۡبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ وَ مَاۡوٰىہُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ○ لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ ۘ وَ مَا مِنۡ اِلٰہٍ اِلَّاۤ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہُوۡا عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ○﴾

[1] البقرة 2:79 [2] النساء 4:157

”یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا: بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ اور مسیح نے کہا: اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے۔ بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ یقیناً وہ لوگ کافر ہوگئے جنھوں نے کہا: بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے۔ اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں ضرور دردناک عذاب ملے گا۔“ [1]

تحریف شدہ تورات اللہ تعالیٰ کی طرف بہت سے نقائص منسوب کرتی ہے جبکہ قرآن عظیم انھیں مسترد کرتا ہے، چنانچہ قرآن نے بتلایا کہ یہود نے اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کی اور نبی ﷺ کے ہم عصر یہودیوں نے آپ ﷺ کے سامنے اللہ کی طرف فقر و بخل کی اور ”غَلِّ یَد“ (ہاتھوں کے بندھے ہونے) کی نسبت کی۔ قرآن نے ان سب لغو باتوں کو باطل قرار دیا اور فرمایا:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ ﴾

”اور یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ ان کافروں کی بات کی ریس کرتے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے۔ اللہ انھیں ہلاک کرے، یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔“ [2]

نیز فرمایا:

---

[1] المائدۃ 5:72-73 [2] التوبۃ 9:30

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ﴾

’’اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔ یقیناً ان کی یہ بات ہم لکھ لیں گے اور وہ جو نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے (وہ بھی ان کے اعمال نامے میں درج ہے) اور (قیامت کے دن) ہم ان سے کہیں گے: اب جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔‘‘ [1]

اور فرمایا:

﴿وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ یُنْفِقُ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ﴾

’’اور یہودیوں نے کہا: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ بندھ گئے (خود) انھی کے ہاتھ، اور لعنت پڑی ان پر ان کے اس قول کی وجہ سے، بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔‘‘ [2]

❁ **اہل کتاب کے چھپائے ہوئے مسائل کا بیان:** عہد قدیم کے ابواب کا مطالعہ کرنے والا دیکھتا ہے کہ یہ ابواب یوم آخرت، اس کی نعمتوں اور جہنم کے تذکرے سے خالی ہیں جبکہ بنیادی طور پر یہودی بعث ونشور، حساب کتاب اور جنت وجہنم کا اسی طرح اقرار کرتے ہیں جس طرح قرآن ان کے بارے میں خبر دیتا ہے، چنانچہ ان کا اقرار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یوم آخرت اور اس سے متعلقہ دیگر امور ان مسائل میں سے ہیں جنھیں اہل کتاب نے چھپایا ہے۔ [3]

[1] آل عمران 3:181 [2] المائدة 5:64

[3] الأسفار المقدسة، علی عبدالواحد وافی، ص:29

خاتم الرسل حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بشارتوں اور آپ کی صفات کو چھپانا یا انھیں حذف کر کے ان میں تحریف کرنا، یا فاسد تاویلیں کرنا بھی ایسے ہی چھپائے گئے مسائل میں سے ہے۔ ان تمام امور کے بارے میں قرآن کریم حق مبین لے کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

''اے اہل کتاب! تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے۔ وہ تمھارے لیے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جنھیں تم چھپاتے تھے، اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ یقیناً تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور (حقائق) واضح کرنے والی کتاب آ گئی ہے۔''[1]

❀ **قرآن کی سابقہ کتابوں پر عمل کرنے سے ممانعت:** قرآن کریم کے مقابلے میں ان کتابوں کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ قرآن کریم نے اپنی جدید اور بابرکت شریعت سے تمام خلا پر کر دیے ہیں، جبکہ ان کتابوں میں باطل سرایت کر چکا ہے اور گناہ گار ہاتھ ان کے ساتھ اپنا گھناؤنا کھیل کھیل چکے ہیں، اس لیے اب کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کتابوں سے کوئی لگاؤ رکھے یا ان کی طرف مائل ہو۔

یہ بات اس امر کے منافی نہیں کہ قرآن کریم نے ان کتابوں کے بہت سے احکام برقرار رکھے ہیں اور انھیں منسوخ نہیں کیا کیونکہ قرآن کریم نے ان احکام کا نئے سرے سے حکم دیا اور ان کا اثبات کیا ہے، لہٰذا ان احکامات پر ہمارا عمل ان کتابوں کی پیروی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ قرآن کریم نے انھیں تسلیم کیا ہے اور ان کا حکم دیا ہے۔

ہر وہ آیت جو شریعتوں کے متحد ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ دین کے مقاصد اور عبادات

---

[1] المائدة 15:5

کے اصولوں اور بنیادوں پر محمول ہوگی اور وہ آیات جو شریعتوں کے اختلاف پر دلالت کرتی ہیں وہ فروعات اور عبادات کے ظواہر سے متعلقہ امور پر محمول ہوں گی۔ پہلے اور بعد میں آنے والے تمام احکام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔ [1]

گزشتہ تفصیلات کی روشنی میں یہ حقیقت آشکار ہوگئی ہے کہ قرآن عظیم کا سابقہ کتابوں کی تصدیق اور نگرانی کرنا عظمت قرآن کے اہم مظاہر و دلائل میں سے ہے جس سے تمام انبیاء کی کتابوں پر قرآن کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

[1] الأسفار المقدسة، ص:77-78

عظمتِ قرآن، مستشرقین کی نظر میں

عظمت قرآن کے عظیم الشان دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کے دشمن قرآن پر ایمان نہ رکھنے کے باوجود اس کی عظمت کی گواہی دیتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے:

(اَلْحَقُّ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ) ''حق وہ ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں''۔ یعنی جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔ دور قدیم اور دور جدید کے بہت سے کافروں نے قرآن کریم سنا ہے اور جو کچھ انھوں نے سنا ہے اس پر بڑی حیرت ظاہر کی ہے۔ مختلف مواقع، جلسوں اور کانفرنسوں میں غیر مسلم سائنسدانوں سے ہونے والی گفتگو کے دوران میں غیر مسلم سائنسدانوں نے بڑی بحث و تحقیق کے بعد دریافت شدہ علمی حقائق تسلیم کیے، پھر جب انھیں بتایا گیا کہ جس نتیجے پر تم اس قدر بحث و تحقیق کے بعد پہنچے ہو، اسے قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی صراحتًا یا اشارتًا بیان کر دیا ہے تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔ وہ اس سلسلے میں اپنی حیرت مختلف تعبیروں میں بیان کرتے ہیں، تاہم ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بلاشبہ قرآن کریم کا انسانی کلام ہونا ناممکن ہے۔[1]

[1] بالقرآن أسلم هؤلاء، عبدالعزيز سيد الغزاوي، ص:47-48

ذیل میں ہم ان ممتاز اسکالرز، محققین، مغرب کے مفکرین اور دنیا کے نادر روزگار دانشوروں کی گواہی کے احوال درج کرتے ہیں:

فرانسیسی فلسفی ایلکس لوزون

ایلکس کہتے ہیں: ''حضرت محمد (ﷺ) نے دنیا کے لیے ایسی کتاب چھوڑی ہے جو بلاغت کا حیرت انگیز نمونہ، اخلاقیات کی دستاویز اور نہایت مقدس کتاب ہے۔ جدید علمی انکشافات میں سے کوئی مسئلہ اور انکشاف ایسا نہیں جو اسلامی بنیادوں اور عقائد کے متضاد ہو۔ اس اعتبار سے قرآن کی تعلیمات اور طبیعی و سائنسی قوانین کے درمیان مکمل یکسانیت اور ہم آہنگی موجود ہے۔''[1]

لوئی سیدیو

اسلام نے مختلف مسلمان قوموں کے درمیان مشترکہ زبان اور متحد احساسات کے ذریعے بندھن استوار کرنے کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں ان کی توثیق کرتے ہوئے مسٹر سیدیو کہتے ہیں:

''قابل ذکر اہم بات یہ بھی ہے کہ براعظم ایشیا میں برصغیر ہند تک اور براعظم افریقہ میں سُودان تک مختلف زبانیں بولنے والی قوموں کے مابین قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جسے سب سمجھتے ہیں اور اسی قرآن نے ان متضاد اور مختلف طبیعتوں والی قوموں کو زبان اور جذبات و احساسات کے رابطے کے ذریعے سے آپس میں جوڑ دیا ہے۔''[2]

---

[1] بالقرآن أسلم هؤلاء، عبدالعزيز سيد الغزاوی، ص:63 و مجلة الجامعة الإسلامية بالمدينة، عدد: 11، محرم 1391ھ ص:47

[2] تاريخ العرب العام، ص:458

برطانوی وزیراعظم گلیڈسٹون

گلیڈسٹون نے برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے برملا کہا: ”جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں قرآن کریم ہے، اس وقت تک ہم مسلمانوں پر اپنا تسلط قائم نہیں کرسکتے، لہٰذا ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ ہم قرآن کا وجود ختم کردیں یا اس سے مسلمانوں کا تعلق قطع کردیں۔“

ایں خیال است و محال است وجنوں.........گلیڈ سٹون اوراس جیسے دیگر اسلام دشمن دانشوروں کی قرآن دشمنی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ استعمار مٹ چکا ہے اوراس کا ستارہ ڈوب گیا ہے مگر قرآن کریم دنیا کے تمام ریڈیو اسٹیشنوں، بہت سے ٹیلی ویژن چینلوں اور مسلمانوں کے گھروں میں گونج رہا ہے جہاں شب وروز اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس پر تمام تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں۔[1]

جرمن مستشرق ڈاکٹر شومبس

ڈاکٹر شومبس کہتے ہیں: ”میرے جیسے یورپی آدمی کے اعتراف حقیقت سے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ میں نے قرآن کریم کا بڑے غور سے مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اس میں ایسے بلند مرتبہ معانی، محکم نظم وربط اور تعجب انگیز بلاغت پائی ہے جس کی نظیر مجھے زندگی بھر کبھی نظر نہیں آئی۔ اس کا ایک ہی جملہ بڑی بڑی کتابوں سے بے نیاز کردیتا ہے۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ وہ سب سے بڑا معجزہ ہے جو محمد ﷺ اپنے رب سے لے کر آئے ہیں۔“[2]

[1] عالمیة القرآن الکریم، الدکتور وھبة الزحیلی، ص:14-15

[2] بالقرآن أسلم ھؤلاء، ص:49

فرانسیسی محقق کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری

کاؤنٹ ہنری رسول اللہ ﷺ کی ناخواندگی اور قرآنی اعجاز کے مابین پائے جانے والے تضاد پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''بلاشبہ عقل یہ بات تسلیم کرنے میں متردد ہے کہ ایک ان پڑھ انسان کے لبوں سے قرآنی آیات کا صدور وظہور ہو، جبکہ سارا مشرق اعتراف کرتا ہے کہ لفظی اور معنوی لحاظ سے قرآنی آیات جیسا کلام لانا محال ہے۔ پوری بنی نوع انسان اس جیسا کلام لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' [1]

جیمز مچنز

جیمز مچنز کہتے ہیں: ''بلاشبہ قرآن کریم دنیا بھر میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ قرآن حفظ کرنے میں سب سے آسان اور اپنے (قرآن کے) اوپر ایمان لانے والے شخص کی روزمرہ زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی کتاب ہے۔ یہ عہد نامہ قدیم (تورات اور دیگر صحائف) کی طرح طویل نہیں ہے۔ یہ ایسے نفیس اور بلند پایہ اسلوب میں لکھی گئی ہے جو شعر کی نسبت نثر کے زیادہ قریب ہے۔ اس کی خصوصیات میں سے ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اسے سننے سے دل ڈرتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں اور جذبۂ ایمانی میں اضافہ ہوتا ہے۔'' [2]

عیسائی عرب محقق نصری سلہب

نصری سلہب نبیٔ اکرم ﷺ کا ذکر جمیل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''آپ پڑھ سکتے تھے نہ لکھ

---

[1] القرآن الکریم من منظور غربی، دکتور عماد الدین خلیل، ص:18

[2] أیضاً، ص:60

سکتے تھے۔ ناگہاں یہ ناخواندہ شخصیت انسانیت کو ایک اثر آفریں مکتوب کی طرف دعوت دینے لگی جس کے ساتھ ہی ابتدا سے گھٹنوں کے بل چلنے والی انسانیت بلوغت کو پہنچ گئی۔ یہ مکتوب وہ قرآن کریم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے لیے اپنے رسول پر نازل فرمایا۔'' [1]

سلہب قرآن میں پائی جانے والی گراں مایہ بلاغت وفصاحت کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے اپنا سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم ایک قابلِ تعریف اور حلال جادو ہے...... بلاشبہ غیر عربی یا عربی زبان سے ناواقف آدمی کے لیے محال ہے کہ وہ قرآن کریم میں پائے جانے والے جمال کا ادراک کر سکے۔''

قرآن کریم کی عالمگیریت اور پوری انسانیت سے اس کے خطاب کے بارے میں وہ کہتے ہیں: ''قرآن کریم محض مسلمانوں ہی کو مخاطب نہیں کرتا اور صرف انھی کی ضروریات پوری نہیں کرتا بلکہ وہ علی الاطلاق تمام انسانوں سے ہم کلام ہوتا ہے اور ان سب کی ضروریات کی کفالت کا اہتمام کرتا ہے...... اگر لوگ قرآن کریم کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس کے احکام اور نصیحتوں کو اپنے اندر راسخ کر لیں اور ان کے مطابق عمل کریں تو انسانیت اس حالت سے بدرجہا بہتر اور برتر ہو جائے جس حالت میں وہ اب موجود ہے۔'' [2]

نصری سلہب اشعار میں قرآنی تاثیر کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''کل یا آج، جب بھی ہم عربی شاعری کی امتیازی خصوصیات سے...... یعنی بیروت، دمشق، قاہرہ، بغداد، تونس یا کسی اور عرب علاقے کے شعر وادب کی امتیازی خصوصیات سے...... متاثر ہوتے اور ان پر جھومتے ہیں تو درحقیقت یہ خصوصیت اور فضیلت بھی قرآن ہی کا فیضان ہے۔'' [3]

---

[1] في خطى محمد، ص:94

[2] أيضاً، ص:38

[3] أيضاً، ص:344

امریکی ڈاکٹر سڈنی فشر

ڈاکٹر سڈنی قرآن کریم کی توصیف کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”قرآن کریم ایک ایسی زندہ آواز ہے جو عربی آدمی کے دل کو تسکین اور ٹھنڈک بہم پہنچاتی ہے اور جب اسے قرآن محظوظ کن خوش الحانی سے سنایا جائے تو اس کی تسکین دو چند ہو جاتی ہے۔“ [1]

مستشرق جارج سیل

سیل کہتے ہیں: ”بے شک قرآن کا اسلوب بہت خوبصورت، دل نشین اور نہایت رواں دواں ہے۔ قرآن کا انداز بیان بہر پہلو شیریں، خوش گوار اور باوقار ہے۔ خاص طور پر جب قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت وجلالت بیان کرتا ہے تو اس کا حسن بیان دوبالا اور نہایت باوقار ہو جاتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے اسلوب وآہنگ کے ذریعے اپنی تلاوت سننے والوں کے قلوب واذہان کو مسخر کر لیتا ہے، چاہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔“ [2]

کوبولڈ

مغربی محقق کوبولڈ کہتے ہیں: ”یہ قرآن کریم ہی ہے جس نے عربوں کو دنیا کی فتح پر آمادہ کیا اور انھیں ایسی زبردست سلطنت قائم کرنے کا موقع فراہم کیا جو وسعت، قوت، تعمیر وترقی اور تہذیب وتمدن کے اعتبار سے سکندر اعظم اور روما کی سلطنت سے فائق تھی۔“

---

[1] القرآن الكريم من منظور غربي، ص:65 بحواله الشرق الأوسط في العصر الإسلامي، (عن العقاد، مايقال عن الإسلام، ص:54)

[2] أيضاً، ص:61

کوبولڈ اپنا سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں: ''قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے عربوں میں ایک نئی روح پھونکی، ان کی صفوں کو اتحاد کی لڑی میں پرو دیا اور انھیں دنیا کی فتح پر آمادہ کیا، چنانچہ انھوں نے ساری دنیا پر دھاوا بول دیا اور اس پر اپنی حکومت قائم کر لی۔'' [1]

ڈاکٹر لورا فیشیا فاغلیری

محترمہ ڈاکٹر لورا فیشیا کہتی ہیں: ''بلاشبہ اسلام کی سب سے بڑی عظمت کا مظہر قرآن کریم ہی ہے..... قرآن کریم کے اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہونے کی ایک ابدی دلیل اور برہان ہمیشہ درخشاں رہے گی، یعنی یہ حقیقت کہ قرآن کریم کی ہر نص اور تمام الفاظ اس کے نزول سے لے کر آج تک طویل صدیاں گزرنے کے باوجود غیر تحریف شدہ اور اپنی اصل حالت میں بالکل صاف شفاف موجود ہیں۔ اسلامی دنیا کے طول و عرض میں روزانہ پڑھی جانے والی یہ کتاب مومن آدمی کے دل میں اہلِ اسلام کے مختلف و متفرق قوموں میں ہونے کا احساس پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کے بالکل برعکس بار بار اس کی تلاوت کرنے والے کے اخلاق و اطوار روز بروز یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس کا دل تمام مومنوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ محبت کرنے والا بن گیا ہے...... حتی کہ موجودہ دور میں جبکہ ایمان کی موجوں میں پہلے جیسا تلاطم نہیں رہا، ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں لوگ قرآن کریم کو بذریعہ حفظ زبانی طور پر دوہرانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ صرف مصر ہی میں حفاظ قرآن کی تعداد پورے یورپ میں زبانی اناجیل پڑھنے کی قدرت رکھنے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔'' [2]

اپنی اس شہادت کو نتیجہ خیز بناتے ہوئے موصوفہ کہتی ہیں: ''بے شک اسلام کی مقبولیت اور

---

[1] البحث عن اللّٰہ، ص:51

[2] دفاع عن الإسلام، ص:30-32

وسیع پھیلاؤ کو قوت سے روکا جاسکتا ہے نہ مسیحی مبلغین کی مسلسل کوششوں سے اسے لگام دی جاسکتی ہے۔ درحقیقت جو چیز اسلام کی اشاعت کا سبب بنی ہے وہ یہی کتاب ہے جو فی الواقع کلمۂ برحق اور اللہ کی کتاب ہے۔ اسے مسلمانوں نے مغلوب و مفتوح قوموں کے آگے رکھا اور انھیں اسے قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دے دیا۔“ [1]

موسیو بیرک

موسیو بیرک نے انگلستانی پارلیمنٹ میں ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے کہا: ”بے شک تاریخ جن قوانین کو جانتی ہے ان میں سب سے زیادہ محکم، زیادہ قابل فہم اور زیادہ رحم والی تعلیمات قرآن کریم کی ہیں۔“ [2]

ہرشفیلڈ

مسٹر ہرشفیلڈ کہتے ہیں: ”قائل کرنے، فصاحت و بلاغت اور جملوں کی ترکیب کے لحاظ سے قرآن کریم کی کوئی نظیر نظر نہیں آتی اور اسلام کے ہر شعبۂ زندگی میں مختلف علوم کے فروغ پانے کا کمال بھی قرآن ہی کا مرہون منت ہے۔“ [3]

لبنانی عیسائی ڈاکٹر جارج حنّا

ڈاکٹر جارج حنّا قرآن کریم کی توثیق کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”بے شک اس بات کا اقرار ضروری ہے کہ قرآن کریم یقیناً دین اور قانون کی کتاب ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر یہ فصیح اور

---

[1] دفاع عن الإسلام، ص:59

[2] أیضاً، ص:63

[3] التربیة فی کتاب اللّٰه، محمود عبدالوهاب، ص:52-53

بلیغ عربی زبان کی کتاب ہے۔ عربی زبان کو فروغ دینے میں قرآن کریم کو بہت عظیم فضیلت حاصل ہے۔ ائمہ لغت خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی، وہ کسی کلمے کی بلاغت اور اس کا حسن بیان جاننے کے لیے عرصۂ دراز سے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے چلے آرہے ہیں۔

پس مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہے کہ لغت قرآن کی صحت، درستی اور اس میں غلطی وخطا کے احتمال کا نہ ہونا، قرآن کریم کے حتمی طور پر منزل من اللہ ہونے کی وجہ سے ہے تو مسیحی اہل لغت بھی اسے منزل من اللہ تسلیم کرنے سے قطع نظر اس کی لغت کے صحیح اور درست ہونے کے معترف ہیں...... جب بھی لغوی امور میں کوئی مشکل درپیش ہو تو وہ قرآن کریم کی صحیح لغت سے سند حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔''[1]

ولیم جیفر ڈی بیلگراف

وہ قرآن کریم کے زوال کی تمنا کرتے ہوئے کہتا ہے: ''جب قرآن کریم اور مکہ مکرمہ بلاد عرب سے پس پردہ چلے جائیں گے تو پھر ہمارے لیے اس بات کا امکان ہے کہ عربی لوگوں کو حضرت محمد ﷺ اور ان کی کتاب سے کٹ کر مغربی تہذیب وتمدن کے رستے پر درجہ بدرجہ گامزن دیکھیں۔''[2]

الجزائر کا فرانسیسی گورنر

الجزائر پر ناجائز قبضے کی صد سالہ تقریب کے موقع پر فرانسیسی گورنر نے کہا: ''جب تک الجزائری مسلمان قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور عربی زبان بولتے رہیں گے ہم ان پر غلبہ نہیں

---

[1] قصة الإنسان، ص:79-80

[2] خصائص القرآن الكريم، ص:217،عن جذور البلاء، عبدالله التل، ص:201

پا سکتے، لہٰذا ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم قرآن کریم کا وجود مٹا دیں، مسلمانوں کو قرآن سے محروم کر دیں اور ان کی زبانوں سے عربی نکال کر اس کا قلع قمع کر دیں۔''[1]

فرانسیسی وزیر اعظم لاکوسٹ

جب وہ الجزائر کے شہ سوار مجاہدوں سے عاجز آ گیا تو اس نے کہا: ''میں کیا کر سکتا ہوں؟ قرآن کریم تو فرانس سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔''[2]

یہ قرآن کریم کے دشمنوں اور غیر مسلم دانشوروں کی قرآن عظیم کے متعلق چند شہادتیں ہیں جو ان کے باطن کی آواز ہے۔ یہ شہادتیں تین امور میں سے ایک سے خالی نہیں:

- بعض دانشور قرآن عظیم کو اپنے اور مسلمانوں کے مابین اور مسلمانوں کو نصرانی بنانے کی راہ میں سدّ سکندری سمجھتے ہیں، لہٰذا انھوں نے صاف صاف اپنی ناکامی کا اعلان اور اپنی شکست کا اعتراف کیا ہے۔
- بعض دانشوروں نے مسلمانوں کی قوت کا راز طشت از بام کیا ہے اور اپنی قوم کو تاکید کی ہے کہ مسلمانوں کو قرآن کریم سے دور رکھا جائے۔
- بعض اصحاب دانش نے انصاف سے کام لیا ہے اور قرآن عظیم کی فضیلت اور بلند مرتبے کا اعتراف کیا ہے۔

جب قرآن کریم سے جھگڑنے اور دشمنی رکھنے والے اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا تمام مسلمانوں کا بدرجۂ اولیٰ یہ فرض نہیں کہ وہ اسے مضبوطی سے تھام لیں، اسے اپنے راستے کا مینار، اپنی زندگی کی بقا کا ذریعہ، اپنی عقلوں کی لگام، اپنے دلوں کی بہار، اپنی بیماریوں کا علاج

---

[1] قادة الغرب يقولون، جلال العالم، ص:31 عن مجلة المنار، عدد:9-11، 1962ء

[2] أيضا، ص:51، عن جريدة الأيام، عدد:7780 بتاريخ 6 كانون اول 1962ء

اور اپنے معاملات کی حفاظت کا وسیلہ بنالیں؟ ہم تمام مسلمانوں سے اسی امر کے خواستگار اور امیدوار ہیں۔ [1]

[1] من أسرار عظمة القرآن، ص :51-53، خصائص القرآن الكريم، ص:217-221

قرآن کے اسماء وصفات کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب کو کئی رفیع الشان ناموں سے موسوم اورنہایت جلیل القدر صفات سے متصف کیا ہے۔ یہ اسماء اور صفات قرآن کے شرف اوراس کے مقام ومنزلت کے اعتبار سے پورے قرآن کریم کے عین مطابق اورشایانِ شان ہیں کیونکہ اسماء وصفات کی کثرت موسوم اور موصوف کے شرف پر دلالت کرتی ہے، نیز یہ کثرت اس امر کی بھی دلیل ہے کہ تمام نفع بخش علوم اور دنیا وآخرت کی بھلائی والے فنون کی بنیاد یہی قرآن کریم ہے۔

چنانچہ ہم پر واجب ہے کہ جب ہم قرآن کریم کی تلاوت کریں اور اس کے معانی پر غور کریں تو ہم ان اسماء، صفات اور امتیازی علامات پر بھی نگاہ رکھیں اور جو آیات یہ علامات نمایاں کرتی ہیں ان کا دیر تک بغور مطالعہ کریں تا کہ ہم حتی المقدور ان اسماء واوصاف کے مفاہیم کی گہرائی تک پہنچ سکیں اگرچہ ان کی وسعت کا ادراک انسانی بصیرت کے ذریعے سے ناممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اس کے کلام کو جاننے والا کوئی نہیں۔ کتاب اللہ کی توصیف کرنے والوں نے جتنا بھی مبالغہ کیا ہے اور جن امور پر قرآن کریم مشتمل ہے، ان کے اوصاف کے بیان میں جس قدر بھی تنوع اور بوقلمونی پیدا کی ہے، رب کائنات کی قسم! اللہ تعالیٰ ان سب

سے فائق اور عظیم تر ہے۔

ذیل میں ہم قرآن عظیم کے چند خاص خاص اور اہم اسماء وصفات پیش کرتے ہیں:

اسمائے قرآن کی عظمت

❁ اَلْفُرْقَانُ: اللہ تعالیٰ نے اپنی بابرکت کتاب کی چار آیات میں قرآن کریم کا نام ''الفرقان'' رکھا ہے۔ یہ آیات درج ذیل ہیں:

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝﴾

''وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا، تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بنے۔''[1]

❁ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬﴾

''اور اسی نے فرقان (قرآن) نازل کیا۔''[2]

❁ ارشاد ربانی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں واضح ہدایت اور فرقان (حق کو باطل سے جدا کرنے والی دلیلیں) ہیں۔''[3]

---

[1] الفرقان 1:25 [2] آل عمران 3:4 [3] البقرۃ 185:2

❁ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ○﴾

''اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا اتارا تا کہ آپ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں، اور ہم نے اسے بتدریج ہی نازل کیا ہے۔''[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت علی، ابن عباس، ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اور قتادہ اور شعبی رحمہ اللہ نے (فَرَّقْنَاهُ) کو ''ر'' کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو یکبارگی نہیں بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے بتدریج نازل کیا ہے۔''

اور جمہور نے (فَرَقْنَاهُ) ''ر'' کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی ہم نے اس قرآن کو کھول کھول کر بیان کر دیا، اس کی وضاحت کر دی اور اس میں حق و باطل کے درمیان واضح تفریق کر دی ہے۔[2]

مفسرین نے قرآن کریم کے نام ''فرقان'' کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کئی اقوال بیان کیے ہیں:

❁ قرآن کریم کا نزول متفرق طور پر ہوا ہے، اس لیے اس کا نام فرقان رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم تقریباً 23 سال میں نازل فرمایا جبکہ باقی آسمانی کتب یکبارگی نازل ہوئیں۔ اس قول کی تائید (فَرَّقْنَاهُ) ''ر'' کی تشدید والی قراءت کرتی ہے۔

❁ قرآن کریم کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ بلاشبہ یہ کتاب حق و باطل، حلال و حرام، مجمل اور مفصل، خیر و شر، ہدایت و گمراہی، رشد و بے راہ روی، خوش بختی و بدبختی، مومنین اور کفار، سچے اور جھوٹے، عدل و انصاف کرنے والوں اور ظالموں کے درمیان فرق اور امتیاز کرنے

---

[1] بنی إسرآءیل 106:17

[2] فتح القدیر: 377/3

والی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام بھی فاروق رکھا گیا۔

ابن عاشور رحمہ اللہ فرقان کے ساتھ قرآن کا تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قرآن کریم کو ''فرقان'' کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ حق و باطل کے درمیان کثرت کے ساتھ فرق اور امتیاز کرنے میں قرآن کریم سابقہ آسمانی کتابوں سے ممتاز ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم اپنی ہدایت کو دلائل اور مثالوں سے تقویت دیتا ہے۔ توحید اور صفات الٰہیہ کے بیان پر مشتمل قرآن ہی حق و باطل کے مابین اس امتیاز کو سمجھنے کے لیے کافی ہے، اس لیے کہ آپ تورات و انجیل میں اس بیان کی نظیر نہیں پاسکیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾

''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔''[1]

قرآن کریم زندگی کے مختلف مناہج (نظاموں) اور انسانیت کے مختلف ادوار میں تفریق کرنے والا ہے۔ وہ ایسا واضح منہج (نظامِ حیات) اور اسلوب زندگی متعین کرتا ہے جو ایسے کسی منہج سے مطابقت نہیں رکھتا جسے انسانیت اس سے پہلے جانتی تھی۔ اس وسیع و عظیم مفہوم میں وہ ''فرقان'' ہے۔ وہ ایسا فرقان ہے جس کی بدولت مادی خرق عادت (خلافِ فطرت) واقعات کے دور کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور عقلی معجزات کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ مخصوص علاقے اور مقررہ مدت تک محدود رسالتوں کا دور ختم ہوتا ہے اور رسالت عامہ کا دور شروع ہوتا ہے۔[2]

فرمایا:

﴿لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾

''تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بنے۔''[3]

---

1. الشوریٰ 42:11۔ التحریر و التنویر: 71/1
2. تفسیر فی ظلال القرآن: 2547/5
3. الفرقان 25:1

❁ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''فرقان'' کا مطلب نجات ہے۔ یہ قول عکرمہ اور سدی رحمہ اللہ کا ہے۔ ان کے نزدیک یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ مخلوق پر گمراہیوں کی تاریکی چھائی ہوئی ہے اور وہ قرآن کی روشنی ہی میں نجات پاسکتی ہے۔ مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو انھی معنوں پر محمول کیا ہے:

﴿ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ ﴾

''اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان (حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا قانون) دیا تاکہ تم ہدایت پاؤ۔''[1]

''فرقان'' کی وجہ تسمیہ: قرآن کریم کو اس لیے ''فرقان'' کہا گیا ہے کہ یہ تقریباً 23 سال کے عرصے میں متفرق طور پر نازل ہوا، جبکہ باقی کتب الٰہیہ اپنے اپنے وقت میں یکبارگی نازل ہوئیں، یا قرآن کو اس لیے فرقان سے موسوم کیا گیا کہ یہ حق و باطل کے درمیان تفریق کرتا ہے، یا اس لیے کہ اس میں گمراہیوں کے اندھیروں سے نجات ہے۔ بہر حال خواہ کوئی بھی سبب ہو یہ معانی کا تنوع ہے جو صریح طور پر قرآن کریم کی عظمت، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی رفیع الشان منزلت اور نہایت بلند شان و شوکت پر دلالت کرتا ہے۔

❁ اَلْبُرْهَانُ: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کی ایک آیت میں قرآن کریم کا نام ''البرھان'' یعنی ''دلیل'' رکھا ہے۔ وہ آیت مبارکہ یہ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾

''اے لوگو! تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس ایک دلیل آگئی ہے۔''[2]

یہ تمام اہل مذاہب، یہود و نصاریٰ اور مشرکین وغیرہ سے خطاب عام ہے۔ بے شک اللہ

---

[1] البقرة 53:2، التفسیر الکبیر للرازی 14/2.

[2] النساء 174:4

نے اس قرآن عظیم کے ذریعے سے ان پر ایسی حجت قائم کردی ہے جو ان کے منسوخ ادیان کے باطل ہونے کا ثبوت مہیا کرتی ہے جن پر وہ قائم ہیں۔ یہ حجت عقلی و نقلی دلائل اور آفاقی نشانیوں پر مشتمل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ﴾

''جلد ہم انھیں اپنی نشانیاں آفاق (دنیا) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی دکھائیں گے حتی کہ ان کے لیے واضح ہو جائے گا کہ بے شک یہ (قرآن) حق ہے۔''[1]

تنہا قرآن عظیم ہی رسالت کے دعوے میں رسول کی سچائی کی برہان کے طور پر کافی ہے۔[2]

پس قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے برہان ہے۔ اس کے ذریعے سے اللہ نے ان پر حجت قائم کردی ہے۔ عقیدے اور زندگی کے بارے میں قرآن کریم کے موضوعات، معانی اور حقائق پر سب سے واضح اور قوی دلائل قرآن کریم ہی کے ذریعے سے ظاہر کیے گئے ہیں...... جو شخص بھی قرآن کریم کے سہل اور واضح دلائل دیکھتا ہے، اس کا دل اور عقل ان دلائل سے متاثر ہوتے ہیں، پھر وہ ان قرآنی دلائل کا موازنہ، ان دلائل، براہین اور قیاسات کے ساتھ کرتا ہے جنھیں انسانی عقلوں نے وجود بخشا اور موزوں قرار دیا۔ جو شخص بھی اس عمل سے گزرے گا وہ قرآنی برہان کے سہل اور واضح ہونے کا ادراک کرلے گا۔[3]

قرآن کریم کا نام ''برہان'' رکھنے سے اس کی عظمت اور رفیع الشان مقام نمایاں ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے اپنے بندوں پر ایسی حجت قائم کردی ہے جو ان کے منسوخ ادیان کے باطل ہونے کا ثبوت ہے۔ یہ حجت استدلال کے معاملے میں متنوع ہے تاکہ انسانی عقل، فہم و فراست اور ثقافتوں کے مختلف ہونے کے باوجود لوگ اس حجت کو مکمل

---

[1] حٰمٓ السجدة 53:41
[2] فتح القدير:542/1 وأضواء البيان:7/79-80 و تفسير السعدي:217/1
[3] مفاتيح للتعامل مع القرآن، ص:34

طور پر سمجھ لیں، اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور حکمت ہے۔

❁ اَلْحَقُّ: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر قرآن کا نام "الحق" بھی بیان کیا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ○﴾

"اور بے شک یہ حق الیقین ہے۔"[1]

"یعنی قرآن کریم کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق ہونے کی وجہ سے اس کے قریب کوئی شک پھٹکتا ہے نہ اس کے بارے میں دل میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے۔"[2]

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط﴾

"بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے، پھر یکایک وہ (باطل) ملیامیٹ ہو جاتا ہے۔"[3]

امام واحدی رحمہ اللہ اس آیت کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں: ہم قرآن کریم کے برحق دلائل ان کے باطل عقیدے پر دے مارتے ہیں۔[4]

(اَلْقَذْفُ) کا معنی "پھینکنا" ہے یعنی ہم حق کو باطل پر پھینکیں گے ﴿فَيَدْمَغُهٗ﴾ تو وہ اسے ہلاک کر دے گا۔

(اَلدَّمْغُ) کے حقیقی معنی ہیں: سر کو اس قدر زخمی کرنا کہ زخم دماغ کے اندرونی حصے تک پہنچ جائے۔

---

[1] الحاقة 51:69
[2] فتح القدير للشوكاني 401/5
[3] الأنبياء 18:21
[4] تفسير الواحدي 713/2

مجاہد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہاں ''الحق'' سے مراد قرآن کریم اور ''الباطل'' سے مراد شیطان ہے۔[1]

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُل لَّسْتُ عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ۝ ﴾

''اور اس (قرآن) کو آپ کی قوم نے جھٹلایا، حالانکہ وہ حق ہے۔ کہہ دیجیے: میں تم پر نگران نہیں ہوں۔''[2]

امام ثعالبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بہ'' میں پائی جانے والی ضمیر قرآن کی طرف ہے جس میں آیات کو پھیر پھیر کر لایا گیا ہے۔ یہ امام سدی کا قول ہے اور اس کا مفہوم واضح ہے۔''[3]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ وَهُوَ الْحَقُّ ﴾ جملہ معترضہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت عیاں کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے۔[4]

﴿ كَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی قوم نے اس قرآن کریم کی اس ہدایت اور بیان کی تکذیب کی ہے جسے آپ لے کر آئے ہیں۔ ﴿ قَوْمُكَ ﴾ یعنی قریش ﴿ وَهُوَ الْحَقُّ ﴾ یعنی وہ ایسا حق ہے جس کے سوا کوئی حق نہیں ﴿ قُل لَّسْتُ عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ﴾ یعنی میں تمھارا محافظ ہوں نہ تمھیں میرے سپرد کیا گیا ہے۔[5]

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ

---

[1] تفسیر القرطبی: 295/11

[2] الأنعام 66:6

[3] تفسیر الثعالبی: 529/1

[4] أضواء البیان: 246/7

[5] تفسیر ابن کثیر: 315/3

﴿إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝﴾

"اوران گروہوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے، چنانچہ (اے نبی) آپ اس سے شک میں نہ پڑیں۔ بے شک یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔"[1]

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَمَن يَكْفُرْ بِهِ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص قرآن کا انکار کرتا ہے اور برحق شواہد اور دلائل کی بنا پر اس کی تصدیق نہیں کرتا ﴿فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ﴾ تو آپ قرآن کریم کے معاملے میں اور اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کسی شک میں مبتلا نہ ہوں۔[2]

"اس آیت میں عام لوگوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ قرآن کریم کے بارے میں شک کرنے سے معصوم اور محفوظ ہیں۔"[3]

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ﴾ سے مراد ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے جس میں کسی شک وشبہ کا کوئی امکان نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الٓمٓ ۝ تَنزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

"الٓمٓ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کتاب کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے۔"[4]

نیز فرمایا:

﴿الٓمٓ ۝ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ﴾

"الٓمٓ۔ یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔"[5]

---

1. ہود 11:17
2. تفسیر أبي السعود: 4/195
3. فتح القدیر للشوکانی: 2/488
4. السجدة 32:1-2 5. البقرة 2:1-2

لفظ ''اَلْحَقُّ'' کو معرفہ لانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات پوری وضاحت سے بتادی جائے کہ حق صرف اور صرف قرآن ہی ہے۔اس کے ماسوا حق کا کوئی وجود نہیں۔ ❶

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ کا مفہوم ہے کہ اکثر لوگ جہالت وگمراہی کی وجہ سے، یا ظلم، عناد، سرکشی اور بے راہ روی کی بنا پر ایمان نہیں لاتے ورنہ جس شخص کا ارادہ نیک ہو اور وہ عقل سلیم رکھتا ہو، وہ اس پر ضرور ایمان لاتا ہے کیونکہ وہ ہر طرف وہی چیز دیکھتا ہے جو اسے ایمان کی دعوت دیتی ہے۔ ❷

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ○ ﴾

''کہہ دیجیے: بلاشبہ میرا رب ہی (پیغمبر پر) حق بات القا کرتا ہے۔(وہ) چھپی باتیں خوب جانتا ہے۔آپ کہہ دیجیے: حق آ گیا اور باطل نہ پہلی بار ابھرا نہ دوبارہ ابھرے گا۔'' ❸

(اَلْقَذْفُ) تیر، کنکری یا کلام پھینکنے کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق پیش کرتا ہے اور وحی کی صورت میں آسمان سے نازل کرتا ہے اور انبیاء کی طرف بھیج دیتا ہے۔ ❹

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ ﴾ سے مراد اسلام اور قرآن ہے۔ ❺

یہ قرآن عظیم جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں، قوی حق ہے جسے اللہ تعالیٰ اہل باطل پر مارتا ہے،

---

❶ التحریر والتنویر:227/11

❷ تفسیر السعدی:359/2

❸ سبا 34:48-49

❹ تفسیر البغوی:562/3-563

❺ زاد المسیر:466/6

پھر کون ہے جو اس حق کے خلاف کھڑا ہو جسے اللہ تعالیٰ دے مارتا ہے؟

گویا حق ایسی پھینکی جانے والی چیز ہے جو پھٹتی ہے، پھاڑ ڈالتی ہے اور آر پار ہو جاتی ہے، اس لیے کوئی بھی اس کے راستے میں کھڑا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جو غیب کو بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اسے پھینکتا ہے۔ وہ اسے اپنے علم کے مطابق پھینکتا ہے اور اپنے علم کے مطابق ہی کسی جانب مرتکز کرتا ہے۔ اس پر کوئی ہدف مخفی ہے نہ اس سے کوئی حد غائب ہے، گویا اللہ تعالیٰ کے سامنے راستے کھلے ہوئے ہیں جس کے آگے کوئی پردہ نہیں ہے۔ [1]

''الحق'' نام سے قرآن کی عظمت اور اس کی رفعت ومنزلت ظاہر ہوتی ہے، لہٰذا لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس اکلوتے حق پر ایمان لائیں اور اسے قبول کرلیں کیونکہ اس کی بنیاد وہ اکیلا صاحبِ جلالت معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی حق موجود نہیں۔ اس میں قرآن کریم کے علاوہ سابقہ تحریف شدہ کتابوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان میں حق کے ساتھ باطل بھی گھل مل گیا ہے۔

❁ اَلنَّبَأُ الْعَظِيمُ: اللہ تعالیٰ نے دو مقامات سورۂ صٓ اور سورۃ النبأ میں قرآن کریم کا نام ''اَلنَّبَأُ الْعَظِيمُ'' یعنی ''بہت بڑی خبر'' رکھا ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم بہت بڑی خبر ہے۔ جب سے انسانیت وجود میں آئی ہے اس نے قرآن عظیم کی کوئی نظیر دیکھی ہے نہ سنی۔ قرآن کریم اپنے اسلوب میں عظیم ہے، اپنی خوشنمائی میں عظیم ہے، اپنے معنی میں عظیم ہے، اپنی حسین وجمیل ترکیب میں عظیم ہے، اپنے وعدے ووعید میں عظیم ہے، اپنے احکام میں عظیم ہے، اپنے اوامر ونواہی میں عظیم ہے اور اپنی خبروں، واقعات اور قصص وامثال میں عظیم ہے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ اور اس کی عظمت وکبریائی کی خبر دیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عبادت کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ عالی کو یکتا معبود ٹھہرانے کے لزوم ووجوب کی خبر دیتا

[1] فی ظلال القرآن:5/2915

ہے۔ وہ عبادات اور معاملات کے احکام کی خبر دیتا ہے۔ وہ ہر اس چیز کی خبر دیتا ہے جس کا انسان دین و دنیا میں محتاج ہے۔

قرآن کریم قدیم امتوں کی خبر دیتا ہے، ان کی تکذیب حق، فسق و فجور اور گمراہی کی وجہ سے ان پر اللہ کا جو عذاب اترا اور جو عبرتناک سزا لاگو ہوئی، اس کی خبر دیتا ہے۔ وہ بعث و نشور، حساب کتاب، سزا و عقاب، نعمتوں اور عذاب کے بارے میں آگہی بخشتا ہے۔

قرآن کریم ہر چیز کے بارے میں شروع سے آخر تک اور اس کائنات کی پیدائش سے لے کر اس آخری وقت تک کے متعلق بہت بڑی خبر دیتا ہے جب اہل جنت نعمتوں میں اور اہل دوزخ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنا لیں گے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ۙ أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝﴾

''(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے: وہ ایک بہت بڑی خبر ہے۔ تم اس سے منہ پھیرنے والے ہو۔''[2]

یعنی قرآن کریم نہایت اہم اور بہت بڑی خبر ہے اور یہ حد کمال کو پہنچی ہوئی تمھاری عزت افزائی ہے کہ اس نے یہ قرآنِ ذیشان تمھاری طرف بھیجا ہے۔ ﴿أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ﴾ یعنی تم اس سے غافل ہو۔ مجاہد، قاضی شریح اور سدی رحمہم اللہ اللہ عزوجل کے فرمان ﴿قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے۔[3]

امام سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ عزوجل کے فرمان ﴿قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ﴾ سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم نہایت عظیم الشان بات ہے کیونکہ یہ رب العالمین کا کلام ہے ﴿أَنتُمْ

---

[1] الهدى والبيان في أسماء القرآن: 2/34-36

[2] ص 38:67-68 [3] تفسير ابن كثير: 4/43

عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴾ یعنی تم اس سے اعراض (رُوگردانی) کیے ہوئے ہو، لہٰذا تم اس پر ایمان نہیں لاتے۔'' [1]

یہ ''النبأ العظیم'' (عظیم خبر) اس لیے آئی ہے تاکہ قرآن کریم کی یہ دعوت کسی خاص قوم یا خطے تک محدود نہ رہے بلکہ وہ مکہ مکرمہ کے قریش، جزیرہ نمائے عرب کے عربوں اور تمام روئے زمین کی نسلوں کو سیراب کرتے ہوئے ان سے کہیں آگے نکل جائے، اور تمام زمانوں اور پوری انسانیت کے مستقبل پر اثر انداز ہو اور جب سے یہ قرآن اس زمین پر اترا ہے اس زمانے سے لے کر اس وقت تک جب اللہ تعالیٰ زمین اور روئے زمین کی ہر چیز کا وارث ہوگا، انسانی زندگی کے نتائج کو پر کیف اور بہار آفرین بنائے۔ بے شک اس عظیم خبر (النبأ العظیم) نے انسانیت کی پیش رفت کے لیے صراط مستقیم اجاگر کر دی ہے۔

پوری انسانیت کی تاریخ میں کوئی حادثہ یا خبر ایسی نہیں گزری جس نے انسانیت میں وہ نقوش و آثار چھوڑے ہوں جو اس خبر عظیم (النبأ العظیم) نے نقش کر دیے ہیں۔ اس حقیقت سے قرآن کریم کی عظمت، منزلت اور اس کی شانِ تاثیر جھلکتی ہے۔

قرآن کریم نے روئے زمین پر انسانیت کی تمام نسلوں میں ایسی اعلیٰ اقدار اور بلند تصورات پیدا کیے، ایسے جامع قواعد بنائے اور ایسے شان دار نظام قائم کیے جن کے بارے میں عربوں کے دل و دماغ میں کبھی کوئی تصور بھی نہیں گزرا ہوگا۔ وہ اس دور میں اس بات کا ادراک بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ خبر عظیم، یعنی قرآن کریم زمین کی سطح سے شرک کو مٹانے اور توحید کے چراغ روشن کرنے، ظلم کی زنجیریں توڑنے اور عدل کا پرچم لہرانے، انجام زندگی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت ثابت کرنے اور انسانیت اور اس کے احوال پر اپنے مبارک اثرات نقش کرنے کے لیے آیا ہے۔

---

[1] تفسیر السمر قندی: 165/3

مسلم معاصرین بھی اس عظیم خبر (النبأ العظیم) سے بس اتنے ہی واقف ہیں جتنے ابتدا میں عرب آگاہ تھے۔ وہ قرآن کا مزاج سمجھتے ہیں نہ قرآن کریم میں پوشیدہ حقائق پر غور کرتے ہیں اور نہ انسانیت کی طویل تاریخ میں اس عظیم خبر کے آثار کا حقیقی جائزہ لیتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کے دشمنوں یعنی مستشرقین کے طے شدہ نقطۂ نظر پر اعتماد کرتے ہیں جو کہ امت مسلمہ کے نقطۂ نظر سے یکسر مختلف ہے اور وہ ہمیشہ انسانی زندگی کو پر کیف بنانے اور تاریخ کے پس منظر میں قرآن کریم کے مقام و مرتبہ کو گھٹانے کے لیے بے چین اور فکر مند رہتے ہیں۔ [1]

❁ اَلْبَلَاغ: اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم کی مدح میں فرماتا ہے:

﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ﴾

''یہ (قرآن) لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے تاکہ اس کے ذریعے سے انھیں ڈرایا جائے۔'' [2]

سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے واضح بیان کو ظاہر کر دیا تو اس کی مدح میں فرمایا ﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ یعنی لوگ اس کے ذریعے سے تبلیغ کرتے ہیں، اعلیٰ مقامات اور شرافت و وقار کے افضل مرتبے تک پہنچنے کے لیے اسے زادراہ بناتے ہیں، کیونکہ وہ تمام اصول و فروع اور وہ تمام علوم جن کے انسان محتاج ہیں، قرآن کریم میں موجود ہیں۔

﴿وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ﴾ اور تاکہ وہ اس کے ذریعے سے ڈرائیں کیونکہ اس میں تمام برے افعال و اعمال اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو سزا مقرر کی ہے اس سے ڈرایا گیا ہے۔'' [3]

---

[1] فی ظلال القرآن: 3026/5

[2] إبراهيم 52:14

[3] تفسير السعدی: 428/1

امام سیوطی رحمہ اللہ نے قرآن کریم کا نام ''البلاغ'' رکھنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''جہاں تک البلاغ نام رکھنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے لوگوں تک تمام اوامر ونواہی پہنچائے ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں زبردست فصاحت و بلاغت ہے جو اسے دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔'' [1]

گزشتہ بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ قرآن عظیم تمام انسانوں کے لیے ایک پیغام عام ہے جس سے انھیں باخبر رہنا چاہیے۔ اگر وہ اسے قبول کر لیں تو اسے جنت کی طرف جانے کے لیے زادِ راہ بنالیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں تک ہر وہ بات پہنچا دی ہے جس میں ان کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی، صالحیت اور منفعت موجود ہے۔

اسی طرح قرآن عظیم فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے۔ اس کے بعد سابقہ تحریف شدہ آسمانی کتابوں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ انسان کے وضعی قوانین اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ تمام امور اللہ کے ہاں قرآن عظیم کی عظمت اور اس کے بلند مرتبے پر دلالت کرتے ہیں۔

پس لازم ہے کہ مومنین کے دلوں میں قرآن کریم کی عظمت جاگزیں ہو تاکہ وہ اس کے ذریعے سے عظیم نعمتوں والی جنت میں پہنچ جائیں۔

❁ اَلرُّوحُ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ﴾

''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک روح (قرآن) وحی کی۔ آپ

[1] الاتقان فی علوم القرآن ، ص:138

نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا۔ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے ذریعے سے ہدایت دیتے ہیں۔''[1]

ابو سعود رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ رُوْحًا ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد قرآن کریم ہی ہے کیونکہ وہ دلوں کے لیے وہی درجہ رکھتا ہے جو جسموں میں روح کا ہے کیونکہ قرآن دلوں کو ابدی زندگی عطا کرتا ہے۔''[2]

﴿ رُوْحًا ﴾ پر تنوین بیان عظمت کے لیے ہے۔ اس کا مفہوم عظیم روح ہے۔[3]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ ﴾ ''اور اسی طرح'' جب ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کی طرف وحی کی تو ﴿ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ ''ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف ایک روح کی وحی کی۔'' اور وہ قرآن عظیم ہے جس کا نام روح رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسموں کو زندگی بخشنے کے لیے ان میں روح پھونکی جاتی ہے، اسی طرح قرآن کریم وہ متاع عظیم ہے جو دلوں اور روحوں کو زندگی کی شادابی عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم کی بدولت دین اور دنیا کی بھلائیوں کو بھی جلا ملتی ہے کیونکہ اس میں خیر کثیر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول اور اپنے مومن بندوں پر احسان عظیم بھی ہے۔ اس میں ان کا کوئی ذاتی عمل دخل نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ ﴾ ''اس کے نزول سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے'' کہ ﴿ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ﴾ ''کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟'' یعنی آپ کو سابقہ کتابوں کی خبروں کے بارے میں کوئی علم تھا نہ ان پر آپ کا ایمان و عمل تھا۔ آسمانی شریعتوں اور قوانین ربانی کے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتے تھے بلکہ آپ ناخواندہ تھے، لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا، پھر آپ کے پاس یہ روح آئی ﴿ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ﴾ جسے ''ہم

---

[1] الشوریٰ 52:42

[2] تفسیر أبی السعود: 38/8

[3] روح المعانی، للآلوسی: 58/25

نے نور بنادیا، ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے ذریعے سے ہدایت دیتے ہیں۔" وہ کفر، بدعات اور ہلاک کردینے والی خواہشات کے اندھیروں میں قرآن کریم سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور اسی کے ذریعے سے حقائق پہچانتے اور صراط مستقیم پالیتے ہیں۔ [1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم پوری انسانیت کے لیے روح اور زندگی ہے۔ انسانیت کو غرور اور جہالت نے موت کے گھاٹ اتار دیا، گھن نے اس کے اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے اور مہلک امراض اس میں سرایت کرگئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ انسانیت انحطاط پذیر ہے، اس کے قدم لڑکھڑا گئے ہیں اور یہ پستی میں گر چکی ہے۔ ان حالات میں قرآن کریم ہی ہے جو زندگی اور شادابی کی دستاویز ہے۔ اسے اللہ رب العزت نے روح کا نام دیا ہے، یعنی دھڑکتی ہوئی، متحرک، زندہ ودرخشندہ روح! اس کے بغیر مریضِ انسانیت کو صحت حاصل ہوسکتی ہے نہ پاکیزہ زندگی۔ [2]

یہ قرآن کریم کی عظمت اور مقام بالا کی نشانی ہے کہ اجسام کے لیے اس کا وہی مقام ہے جو روح کا ہے۔ قرآن کریم کے ذریعے سے روحوں اور دلوں کو حیات نوبخشی جاتی ہے۔ قرآنِ کریم عالمگیر انسانیت کے لیے روح، یعنی زندگی ہے۔ جو شخص اس روح پر ایمان نہیں رکھتا، چاہے وہ کھاتا پیتا ہو، درحقیقت وہ مردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝ وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ۝﴾

"یقیناً آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں۔ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (نکال کر) راہ ہدایت پر

[1] تفسیر السعدی: 4/434-435

[2] الهدى والبيان في أسماء القرآن: 2/45

لا سکتے ہیں۔ آپ تو بس انھی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، سو وہی فرماں بردار ہیں۔"[1]

❁ اَلْمَوْعِظَةُ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

"اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے (قرآن کی) نصیحت آ گئی ہے۔"[2]

قرآن کریم میں ایسے گراں مایہ پند و نصائح ہیں کہ جو شخص اسے پڑھے اور اس کے معنی سمجھے وہ ان سے نصیحت حاصل کر لیتا ہے۔[3]

اَلْمَوْعِظَةُ سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ "وعظ" ایسا کلام ہوتا ہے جو نیکی کا حکم دیتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ کرتا، دلوں کو نرم کرتا اور وعدہ و وعید سناتا ہے اور یہی اس کتاب عزیز کی صفات ہیں۔

اے لوگو! بلاشبہ عملی حکمتوں کی جامع، اچھے اچھے اعمال اجاگر کرنے اور برے اعمال سے پردہ اٹھانے والی، نیکی کی رغبت دلانے اور اعمال بد پر ڈانٹنے اور ڈرانے والی کتاب تمھارے پاس آ گئی ہے۔ بلاشبہ تمھارے پاس ایسی کتاب آئی ہے جو تمام بھلائی والی وصیتوں اور پند و نصائح کی جامع ہے، جو اخلاق و اعمال کی اصلاح کرتی، بے حیائی اور برے اعمال سے روکتی اور دلوں کو شکوک و شبہات اور برے اعتقادات سے نجات دیتی ہے، نیز حق و یقین اور دین و دنیا کی سعادت اور خوش بختی تک پہنچانے والے صراط مستقیم کی طرف رہبری کرتی ہے۔[4]

---

[1] النمل 28:80-81 [2] یونس 10:57

[3] فتح القدير للشوكاني:2/453

[4] تفسير البيضاوي:3/204 و التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج، بروفيسر دكتور وهبة الزحيلي:6/6/213

اس نصیحت (قرآن) کو ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ کے ساتھ متصف کیا ہے تاکہ ساری کائنات اس کی طرف متوجہ ہو اور اس کے حسن و کمال سے اکتساب فیض کی ضرورت اس پر اجاگر ہو۔[1]

قرآن کریم درحقیقت ایک بلیغ نصیحت ہے کیونکہ نصیحت فرمانے والے اللہ جل جلالہ، اسے لانے والے جبریل علیہ السلام اور اسے املا کرانے والے حضرت محمد ﷺ ہیں، لہٰذا یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس کتاب مقدس کی نصیحتیں مؤثر نہ ہوں۔[2]

اگر جن وانس سمیت ساری کائنات جمع ہو جائے اور اپنے انتہائی فصیح و بلیغ افراد کو لے آئے تو بھی وہ قرآنی نصیحت کا ادنیٰ سا قرب بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ بھلا عام کلام اور عام نصیحت کا قرآنی کلام اور نصیحت سے کیا مقابلہ؟ اس میں قرآن کی عظمت، علو شان، تاثیر اور کچھ کر دکھانے کی صفت نمایاں ہے۔

قرآن مجید ایک پر حکمت اور مستحکم نصیحت ہے۔ قرآن کریم بیک وقت دلوں کے لیے تازیانے کا کام بھی دیتا ہے اور انھیں فرحت بخش خوش خبریاں بھی سناتا ہے۔ اس نصیحت عظمیٰ نے ہر نیکی اور بھلائی کے کام کا حکم دیا ہے اور ہر شر کی ممانعت کی ہے، لہٰذا اسے خلوص دل سے سر تسلیم خم کر کے برضا و رغبت قبول کرنا واجب ہے۔

اکیلا قرآن کریم ہی وعظ کرنے، ڈانٹنے، ڈرانے، صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے اور یاد دہانی کرانے کے لیے کافی ہے۔ قرآن کے سراجِ نصیحت کے سامنے ہمیں کسی غیر کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی کوئی ضرورت نہیں۔ قرآن ہمیں سب سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

---

[1] التحرير والتنوير: 109/11

[2] التفسير الكبير للرازي: 14/2

”یہ (قرآن) لوگوں کے لیے وضاحت اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔“ [1]

قرآن کریم کی نصیحت سے مستفید ہونے والے وہی لوگ ہیں جو متقی اور پرہیز گار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں بھی ان کے زمرے میں شامل فرمادے۔

❁ اَلشِّفَاءُ: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا نام ”الشفاء“ بھی رکھا ہے اور اپنی کتاب مقدس میں تین مواقع پر قرآن عظیم کو ”الشفاء“ ہی کے نام سے موسوم فرمایا ہے:

❁ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ﴾

”اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے (قرآن کی) نصیحت آ گئی ہے اور (یہ) شفا ہے ان (بیماریوں) کے لیے جو سینوں میں ہیں۔“ [2]

بے شک نفاق، حسد اور کینے جیسی بیماریاں دلوں کا روگ ہیں جن کے لیے قرآن کریم شفاء ہے جبکہ یہ بیماریاں بدنی بیماریوں سے زیادہ شدید اور مہلک ہیں۔ [3]

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت کی اطاعت اور پیروی کے معاملے میں ظاہر ہونے والی خواہشات کی بیماریاں اور علم الیقین میں دراڑیں ڈالنے والے شکوک وشبہات کی وہ بیماریاں جو سینوں میں جنم لیتی ہیں ان کے لیے قرآن کریم شفا ہے۔ [4]

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

---

[1] آل عمران 3:138 [2] یونس 10:57

[3] روح المعانی: 11/176

[4] تفسیر السعدی: 2/326

''اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔''[1]

بلاشبہ قرآن مومنوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے۔ اس آیت میں اس حقیقت کی دلیل موجود ہے کہ قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں جنھیں مختلف بیماریوں اور تکالیف سے شفا کے لیے بطور دوا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ایسی آیات کی نشاندہی صحیح احادیث میں کی گئی ہے، چنانچہ یہ آیت مذکورہ مفہوم کے اعتبار سے جسمانی بیماریوں کے لیے شفا کی نوید بھی ہے۔[2]

❁ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ط﴾

''کہہ دیجیے: وہ ان کے لیے، جو ایمان لائے، ہدایت اور شفا ہے۔''[3]

قرآن کریم کے شفا ہونے کے بارے میں ہم امام فخر الدین رازی کا ارشاد نہیں بھول سکتے، وہ فرماتے ہیں: ''معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم روحانی بیماریوں کا علاج ہے، نیز اس کے ساتھ ساتھ وہ جسمانی بیماریوں کے لیے بھی باعث شفا ہے۔ جہاں تک روحانی بیماریوں سے شفا کا تعلق ہے، وہ ظاہر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باطل عقائد اور مذموم اخلاق ہی وہ دو چیزیں ہیں جو روحانی امراض ہیں۔

باطل عقائد میں سب سے زیادہ فاسد نظریات نبوت، الوہیت، یوم آخرت اور قضا و قدر کے بارے میں ہیں اور ان تمام موضوعات کے بارے میں قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جو صحیح اور برحق دین کے دلائل پر مشتمل ہے اور تمام باطل مذاہب کا رد کرتی ہے۔ جہاں تک مذموم اخلاق کا تعلق ہے، قرآن کریم ان مذموم اخلاق کی وضاحت کرتا ہے اور ان میں موجود مفاسد سے خبردار کرتا ہے اور نہایت عظیم الشان اور کامل اخلاق اور اعمال صالحہ کی طرف رہبری

---

[1] بنی إسرآء یل 82:17

[2] تفسیر السعدی:326/2

[3] حٰم السجدۃ 44:41

فرماتا ہے۔

جسمانی امراض میں اس کا شفا ہونا بھی مسلم ہے کیونکہ اس کی تلاوت کی برکت سے بہت سی بیماریاں دور ہوجاتی ہیں۔ [1]

ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم کا دائرۂ شفا دلوں، نفوس اور اعضاء وجوارح کے امراض سے آگے بڑھا دیں اور اس کی بدولت دورِ حاضر کی بیماریوں کا قلع قمع کرنے کی جدوجہد کریں۔ ہم پر انتہائی لازم ہے کہ ہم اپنے پیچیدہ سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، تہذیبی اور تمدنی امراض سے نجات کے لیے بھی قرآنی شفا کی طرف دیکھیں۔ اس شفا کو محض سر، پیٹ اور دیگر جسمانی تکالیف کے علاج تک محدود نہ رکھیں۔ [2]

قرآن کریم کی عظمت، برتری اور اس کے عظیم اثرات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں باطل عقائد، مذموم اخلاق اور جسمانی امراض کے لیے شفا کے علاوہ دورِ جدید کے عصری امراض ومسائل کا شافی وکافی حل موجود ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ قرآن کریم کی طرف رجوع کریں، اس کی تعلیمات سمجھیں اور ان کے مطابق عمل کریں۔ اس طرح قرآن کریم کا جوہرِ شفا سارے امراض کا خاتمہ کردے گا۔

❁ أَحْسَنُ الْحَدِيثِ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ ﴾

''اللہ نے بہترین کلام نازل کیا۔'' [3]

سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] التفسير الكبير: 29/21

[2] مفاتيح للتعامل مع القرآن، ص: 34

[3] الزمر 23:39

''یعنی سب سے زیادہ پرحکمت کلام نازل کیا جو قرآن کریم ہے۔''[1]

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کریم پر نازل کردہ قرآن عظیم کی مدح سرائی ہے کہ یہ کتاب علی الاطلاق سب سے زیادہ عظیم الشان اور بہترین کلام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرامین پر مشتمل نازل شدہ آسمانی کتب میں سے بہترین کتاب قرآن ہے۔ جب یہ کتاب سب سے بہتر ہے تو معلوم ہوا کہ اس کے الفاظ بھی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ اور اس کے معانی بھی سب سے زیادہ شان دار اور بصیرت افروز ہیں کیونکہ احسن الحدیث یعنی بہترین کلام ہونے کی وجہ سے یہ اپنے الفاظ ومعانی میں حسن، اتحاد اور عدم اختلاف کا شہ پارہ ہے۔

جب بھی کوئی مدبر اس پر تدبر کرتا ہے اور کوئی مفکر غور وفکر کرتا ہے تو اسے خلافِ توقع پاتا ہے اور اس کے دقیق اور سربستہ معانی میں ایسے ایسے انکشافات پاتا ہے جو دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ کردیتے ہیں اور وہ بے اختیار یہ قطعی فیصلہ کرتے ہوئے پکار اٹھتا ہے کہ قرآن کریم کسی حکیم وعلیم، قادرِ مطلق ہستی ہی سے صادر ہوا ہے۔[2]

اس کا نام حدیث اس لیے رکھا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اسے لوگوں کے روبرو بیان فرمایا کرتے تھے اور اس میں سے جو کچھ آپ پر نازل ہوتا تھا اس کی خبر دیا کرتے تھے۔[3]

متذکرہ بالا سورۂ زمر کی آیت کریمہ دوسری آسمانی کتابوں تورات، زبور اور انجیل پر قرآن کریم کی فضیلت عیاں کرتی ہے اور یہ حقیقت تمام سلف صالحین نے تسلیم کی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ ساری آسمانی کتب چونکہ اللہ کا کلام ہیں، اس لیے قرآن کریم

---

[1] تفسیر السمرقندی: 174/3

[2] تفسیر السعدی: 318/4، التحریر و التنویر: 67/24

[3] فتح القدیر: 458/4

دیگر آسمانی کتابوں پر فضیلت نہیں رکھتا۔ [1]

اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور عظمت مآب نام کے ساتھ آیت کا آغاز درحقیقت سب سے بہتر نازل شدہ کلام کی تعظیم اور رفعت و منزلت بڑھانے کا اعلان ہے کہ اسے نازل کرنے والا سب سے بڑھ کر عظیم اور برتر ہے، مزید برآں اس میں یہ خاص بات بھی جلوہ گر ہے کہ کتاب اللہ (قرآن) کا نازل کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا خاص عمل مبارک ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات گرامی ہے جس نے یہ قرآن نازل فرمایا۔ اس کے علاوہ اسے کسی نے پیش نہیں کیا۔ یہ قرآن کریم کے انسانی تصنیف نہ ہونے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے وحی ہونے کا اعلان و اظہار ہے۔

کتاب اللہ میں جن متعدد مقامات پر قرآن کریم کا نام ''حدیث'' بیان کیا گیا ہے وہ مقامات درج ذیل ہیں:

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

''پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟'' [2]

❁ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝ ﴾

''پھر شاید آپ خود کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کرنے والے ہیں اگر یہ (کافر) اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائیں۔'' [3]

❁ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝ ﴾

---

[1] کتب و رسائل و فتاوی ابن تیمیه فی التفسیر: 11/17

[2] الأعراف 185:7 [3] الکهف 6:18

''کیا پھر اس بات (قرآن) پر تم تعجب کرتے ہو؟'' [1]

❁ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ﴾

''لہٰذا چھوڑ دیجیے مجھے اور اس کو جو اس حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے۔'' [2]

قرآن کریم کے مطلقاً احسن الحدیث یعنی بہترین کلام اور تمام سابقہ آسمانی کتابوں میں سب سے بہتر کتاب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ فصاحت و بلاغت میں بے نظیر ہیں، اس کے معانی و مفاہیم انتہائی جلیل القدر اور کثیر ہیں اور یہ بے حد فیض رساں کتاب ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن کریم کے انتہائی رفیع الشان اور باعظمت کتاب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اوصافِ قرآن کی عظمت

❁ اَلْحَكِيْمُ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی آیات کریمہ میں اپنی کتاب کو ''الحکیم'' بھی قرار دیا ہے اس سلسلے میں چند آیات درج ذیل ہیں:

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝﴾

''یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔'' [3]

یہاں قرآن کریم کا وصف (الحکیم) آیا ہے۔ اسے متعدد معانی پر محمول کیا جاسکتا ہے جن

---

[1] النجم 59:53

[2] القلم 44:68 ، التحریر و التنویر:66/24

[3] یونس 1:10 و لقمان 2:31

میں سے بعض معانی درج ذیل ہیں:

① ''الحکیم'' بمعنی ''مُحْکَم'' ہے کہ حلال وحرام، حدود اور احکام کے بیان میں یہ مستحکم اور مضبوط کتاب ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہاں وزن ''فَعِیل'' ''مُفْعَلٌ'' کے معنی میں ہے۔ یہ قول ابوعبیدہ وغیرہ کا ہے اور اس کی تائید اللہ کا یہ فرمان کرتا ہے:

﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾

''(یہ) وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں۔''[1]

② ''الحکیم'' بمعنی ''اَلْحَاكِمُ'' بھی ہے، یعنی قرآن کریم حلال وحرام کا فیصلہ کرنے والا ہے اور وہ لوگوں کے مابین مقدمات اور اختلافات میں مبنی برحقیقت فیصلے کرتا ہے۔ اس قول کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے:

﴿وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ﴾

''اور ان کے ساتھ اس نے برحق کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں انھوں نے اختلاف کیا۔''[2]

③ ''الحکیم'' بمعنی ''اَلْمَحْكُوْمُ فِيْهِ'' ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس قرآن حکیم میں عدل، احسان اور قریبی رشتہ داروں کو ان کے حقوق عطا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس نے قرآن کریم میں بے حیائی اور برے کاموں سے بچنے اور ظلم و زیادتی سے دور رہنے کا حکم بھی دیا ہے، مزید برآں اللہ تعالیٰ نے اس قرآن میں اپنی اطاعت کرنے والوں کو جنت اور نافرمانی کرنے والوں کے لیے جہنم کا حکم سنایا ہے۔ یہ قول حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے۔

④ ''الحکیم'' سے مراد ہے کہ قرآن کریم باطل سے محفوظ اور مستحکم ہے جس میں کوئی جھوٹ ہے نہ کوئی اختلاف۔ یہ مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے۔

---

[1] هود 1:11 [2] البقرة 213:2

فضیلۃ الشیخ سعدی رحمہ اللہ نے قرآن حکیم کی آیات کے محکم ہونے کے بارے میں چند امور کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

* آیات قرآنی کے محکم ہونے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ ایسے شاندار، فصیح و بلیغ اور واضح الفاظ کے ساتھ آئی ہیں جو جلیل القدر اور خوبصورت ترین معانی پر دلالت کرتے ہیں۔
* ان کے محکم ہونے کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے تغیر و تبدل، کمی بیشی اور تحریف سے بہ تمام و کمال محفوظ ہیں۔
* ان کے محکم ہونے سے یہ بھی مراد ہے کہ ان میں بیان کردہ ماضی اور مستقبل کی خبریں اور تمام ترغیبی امور اپنے واقعات کے مطابق ہیں۔ سابقہ کتب الٰہیہ میں سے کوئی کتاب ان کی تردید کرتی ہے نہ انبیاء میں سے کسی نبی نے ان کے منافی کوئی خبر دی ہے۔ کوئی حسی علم اور عقل سلیم بھی ان امور سے متصادم نہیں جن پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں۔
* ان کے محکم ہونے کا مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ صرف اسی بات کا حکم دیتی ہیں جو سراسر خیر اور منفعت بخش ہوں یا اس میں منفعت راجح ہو اور صرف اسی بات سے روکتی ہیں جس میں سراسر نقصان ہو یا نقصان کا اندیشہ زیادہ ہو۔ جب کسی بات کا حکم دیا جاتا ہے تو بالعموم اس کی حکمت اور فائدہ بھی معاً بیان کر دیا جاتا ہے اور جس کسی امر کی ممانعت کی جاتی ہے تو ساتھ ہی اس کے نقصان سے بھی خبردار کر دیا جاتا ہے۔
* ان کے محکم ہونے کے معنی یہ بھی ہیں کہ ان آیات نے ترغیب و ترہیب اور انتہائی بلیغ وعظ و نصیحت کو جمع کر دیا ہے جس کی بدولت نیک سیرت افراد راست رو ہو جاتے ہیں، سیدھے راستے پر جم جاتے ہیں اور پختہ عزم کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔
* ان کے محکم ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ قصص و واقعات اور احکام پر مشتمل قرآن کریم کے مختلف مقامات پر آنے والی آیات ملاحظہ کر لیں کہ یہ ساری آیات باہم دگر

متفق ومؤید ہیں۔ان میں کسی قسم کا کوئی تناقض ہے نہ اختلاف۔'' [1]

باطل کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس کتاب حکیم تک رسائی حاصل کر سکے کیونکہ یہ نہایت حکیم اور بے حد قابل تحسین ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔اس کتاب کی اساس، رہنمائی، طریقِ نزول اورنہایت مختصر اور جامع طریقے سے انسانی دلوں کا علاج کرنے سے اس کا پرحکمت ہونا واضح ہے۔ [2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝﴾

''یٰس۔قسم ہے قرآن حکیم کی۔'' [3]

یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن حکیم کی قسم اٹھائی گئی ہے اور اسے حکمت سے متصف قرار دیا گیا ہے۔حکمت کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز جس جگہ کے لائق ہو، اسے اسی مقام پر رکھا جائے۔

قرآن حکیم مُقسَم بہ ہے، یعنی اس کی قسم کھائی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ مُقسَم علیہ ہیں، یعنی آپ کے بارے میں قسم کھائی گئی ہے۔مقسم بہ قرآن حکیم اور مقسم علیہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے مابین جو گہرا ربط، تعلق اور اتصال ہے وہ مخفی نہیں ہے،لہٰذا اگر آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل اور گواہ قرآن حکیم کے سوا اور کوئی نہ ہوتا تو بھی آپ کی نبوت و رسالت کے لیے یہی دلیل اور یہی گواہ بہت کافی تھا۔ [4]

قرآن حکیم ہر فرد کو خواہ وہ کوئی بھی ہو اس انداز سے مخاطب کرتا ہے اور اس پر اثر انداز ہوتا

---

[1] تفسیر السعدی:101/4

[2] فی ظلال القرآن:3127/5

[3] یٰس 36:1-2

[4] تفسیر السعدی:227/4

ہے جو اس کے عین مطابق ومناسب ہو۔ یہ خصوصیت قرآن کے حکیم ہونے کی سب سے بھاری دلیل ہے۔

قرآن حکیم بڑی حکمت کے ساتھ عقلی، نفسیاتی اور روحانی تقاضوں اور صحیح منہج کے مطابق تربیت کرتا ہے۔ یہ منہج انسانی توانائیوں کو سیدھی اور نفع بخش راہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور زندگی کے لیے ایسا نظام متعین کرتا ہے جو اس پر حکمت منہج کی حدود کے اندر تمام مفید انسانی سرگرمیوں اور مشاغل کو جائز قرار دیتا ہے۔ [1]

قرآن عظیم کا وصف ''الحکیم'' خواہ اس لیے ہو کہ یہ حلال وحرام، حدود اور احکام میں مستحکم ہے یا اس لیے کہ یہ حلال وحرام کو دوٹوک بیان کرنے والا اور لوگوں کے مابین ان کے اختلافات میں مبنی برحق فیصلے کرنے والا ہے، یا اس لیے کہ اس میں عظیم الشان احکام دیے گئے ہیں، عدل واحسان کی تاکید کی گئی ہے، قرابت داروں کے لیے بخشش وعطا کا حکم دیا گیا ہے، بے حیائی، برے افعال واعمال اور ظلم وزیادتی سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے جنت کی نوید اور نافرمانی کرنے والوں کے لیے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے یا اس لیے اسے اس صفت سے متصف کیا گیا ہے کہ یہ باطل سے محفوظ ہے۔ اس میں کوئی جھوٹ ہے نہ کوئی اختلاف، یہ تمام توجیہات قرآن کریم کی عظمت ورفعت، شان وشوکت اور جلالت پر دلالت کرتی ہیں۔

❁ **اَلْعَزِيْزُ:** اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی توصیف میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝﴾

''اور بلاشبہ یہ تو ایک بہت بلند مرتبہ کتاب ہے۔'' [2]

---

[1] تفسیر فی ظلال القرآن:2958/5

[2] حٰم السجدة 41:41

یعنی اس قرآن کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔ [1]

"العزیز" کا مطلب ہے: "نفیس" یعنی نہایت قیمتی اور نادر چیز! اس کا مادہ "اَلْعِزَّة" ہے جس کا مطلب ہے طاقت اور غلبہ۔ قاعدہ ہے کہ قیمتی اور نادر چیز کا تحفظ کیا جاتا ہے اور نقصان دینے والی چیز سے اسے بچایا جاتا ہے۔ پس "العزیز" اسے کہتے ہیں جو غالب و بالا اور ناقابل تسخیر ہو۔ یہی وصف قرآن کریم کے دلائل اور براہین کا ہے کہ وہ غالب آنے والے ہیں اور ان پر کوئی غلبہ نہیں پاسکتا۔ [2]

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو "اَلْعِزَّة" سے اس لیے متصف کیا ہے کہ اس کے معارف و معانی برحق ہیں۔ اس پر کوئی طعن توڑنا، یا اس میں عیب نکالنا ناممکن ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ کتاب ہے۔ [3]

وصف "العزیز" کے بارے میں مفسرین کے درج ذیل اقوال ہیں:

- قرآن کریم شیطان سے محفوظ ہے۔ اس کے خلاف کوئی شیطانی تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ شیطان اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کی استطاعت رکھتا ہے نہ اس میں کوئی کمی بیشی کرسکتا ہے۔
- قرآن اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا معزز ہے۔ یہ نہایت محترم اور قیمتی ہے، اس لیے اس امر کی بڑی ضرورت ہے کہ اس کی عزت اور تعظیم کی جائے اور اس میں غلطی نہ کی جائے۔
- یہ عدیم النظیر اور ہر باطل سے محفوظ ہے۔ جو شخص بھی اس میں کسی تحریف یا تخریب کا مذموم ارادہ رکھتا ہو، اس کا اس عالی مرتبہ کتاب پر ہرگز کوئی بس نہیں چل سکتا۔ اس مقدس کتاب میں ایک نقطے کی تبدیلی بھی نہیں کی جاسکتی۔

---

[1] المفردات فی غریب القرآن، ص:335-336

[2] التحرير والتنوير: 71/25

[3] تفسير ابن عطية: 19/5

❁ انسان کے لیے ناممکن ہے کہ وہ اس کی مثل کوئی کلام کہہ سکے۔ مالک الملک کا کلام غالب اور زبردست ہے۔

❁ قرآن کریم مخلوق نہیں ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے۔[1]

ان اقوال پر غور وفکر کرنے والا اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ تمام اقوال قرآن کریم کے وصف کے اعتبار سے ''العزیز'' پر منطبق ہوتے اور اسی سے مناسبت رکھتے ہیں۔ یہ اقوال تضاد کے اعتبار سے نہیں بلکہ تنوع کے اختلاف کے اعتبار سے قرآن کریم کی عظمت، عزت، رفعت اور برتری پر دلالت کرتے ہیں۔

ہم بزرگ و برتر اللہ العزیز کی حمد کرتے ہیں جس نے کتاب عزیز نازل فرمائی۔

❁ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَإِنَّهُ لَكِتَٰبٌ عَزِيزٌ ۝ ﴾

''اور بلاشبہ یہ نہایت بلند مرتبہ کتاب ہے۔''[2]

❁ اسے اللہ نے اپنے نبی عزیز ﷺ پر نازل فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ ﴾

''لوگو! تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول عزیز آگیا ہے۔''[3]

❁ اور یہ امت عزیز کے لیے نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِۦ وَلِلْمُؤْمِنِينَ ﴾

''اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے، اور اس کے رسول کے لیے، اور مومنوں کے لیے۔''[4]

---

[1] تفسیر القرطبی: 367/15 وزاد المسیر: 262/7

[2] حم السجدة 41:41

[3] التوبة 128:9

[4] المنفقون 8:63، التفسیر الکبیر، للرازی: 17/2

❁ اَلْکَرِیْمُ: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی توصیف میں فرمایا ہے:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۝﴾

''میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھاتا ہوں۔ اور بلاشبہ اگر تمھیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے کہ بلاشبہ یہ قرآن نہایت کریم (معزز کتاب) ہے۔''[1]

تمام کتابوں پر قرآن عظیم کی رفعت وعظمت کا وصف مبنی بر حقیقت ہے اور کوئی مخالف اس پر طعنہ زنی کی استطاعت نہیں رکھتا۔[2]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو تمام سابقہ کتابوں پر عزت بخشی، غالب کیا اور اس کی قدر ومنزلت کو بالا کیا۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کو ایسی فوقیت عطا کی کہ اسے کسی قسم کے جادو، کہانت اور جھوٹ سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔[3]

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کو جو اعزاز و امتیاز اور عظمتیں عطا کی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ستاروں اور ستاروں کے گرنے والی جگہ کی قسم کھائی ہے، یعنی مغرب میں ستاروں کے ڈوبنے کے مقامات اور ان اوقات میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اپنی عظمت و کبریائی اور توحید پر دلالت کرنے والے جو حوادث وحالات پیدا فرماتا ہے ان کی قسم کھائی ہے۔

پھر مُقسَم بہ کی عظمت و بڑائی بیان کی اور فرمایا: ﴿ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ﴾ ''اور بلاشبہ اگر تمھیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔'' اس کلام میں تھوڑی سی تقدیم وتاخیر ہے۔ اس کی مخفی عبارت یوں ہے۔ (وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ عَظِيمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظَمَهُ) ''اور بلاشبہ یہ بہت بڑی قسم ہے۔ کاش! تم اس قسم کی عظمت جان لیتے۔''

---

[1] الواقعة 56:75-77

[2] التحرير والتنوير: 304/27

[3] فتح القدير: 160/5

جہاں تک مقسم علیہ (جس کے بارے میں قسم کھائی گئی ہے) کا تعلق ہے تو وہ خود قرآن عظیم ہے، بلاشبہ وہ حق ہے۔ اس میں شک وشبہ کا کوئی امکان نہیں ہے، بلاشبہ وہ کریم ہے، یعنی وہ خیر کثیر اور وسیع علم پر مشتمل ہے، لہٰذا ہر خیر، بھلائی اور علم صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اخذ کیا جاتا ہے اور اسی سے اس کا استنباط ہوتا ہے۔[1]

گویا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ میں ستاروں کے گرنے کے اوقات ومقامات کی قسم کھاتا ہوں کہ بلاشبہ یہ قرآن بڑا کریم اور معزز قرآن ہے جو جادو ہے نہ کہانت اور نہ من گھڑت ہے بلکہ وہ بہت قابل تعریف وتوصیف معزز قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی ﷺ کے لیے معجزہ بنایا ہے۔ وہ مومنوں کے لیے نہایت معزز اور لائق تعظیم ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا کلام ہے اور ان کے سینوں کے لیے شفا ہے۔ وہ اہل آسمان کے لیے بھی معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا نازل کیا ہوا اور اس کی وحی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ﴿كَرِيمٌ﴾ کے معنی غیر مخلوق ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن، کریم اس لیے ہے کہ اس میں انتہائی عمدہ، قابل قدر، قیمتی اور فضیلت والے احکام ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کریم اس لیے ہے کہ اس کی حفاظت کرنے والے کی عزت اور اسے پڑھنے والے کی تعظیم کی جاتی ہے۔[2]

قرآن عظیم کے وصف کریم کے بارے میں گزشتہ بحث سے اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن کی عظمت، شان وشوکت، عالی منزلت اور مقام ومرتبہ واضح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام سابقہ کتب پر قرآن عظیم کو عزت بخشی، غالب کیا اور اس کی قدر ومنزلت کو بھی زیادہ کیا۔

تمام تعریفیں اس اللہ کریم کے لیے ہیں جس نے کتاب کریم نازل فرمائی۔ ایک کریم

---

[1] تفسیر السعدی:5/168 و زادالمسیر :8/151

[2] تفسیر القرطبی:17/216

امت کے لیے ایک کریم فرشتہ اسے لے کر نبی کریم پر نازل ہوا۔ اگر لوگ قرآن کریم کی اتباع کریں اور اسے مضبوطی سے تھام لیں تو وہ نہایت کریم اور باعزت اجر پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ○﴾

''بس آپ تو صرف اس شخص کو ڈراتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرے، لہٰذا آپ اسے مغفرت اور باعزت اجر کی بشارت دے دیجیے۔''[1]

❁ اَلْمَجِیْدُ: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم کے دو مقامات پر قرآن کا وصف ''المجید'' بیان فرمایا ہے۔ وہ مقامات یہ ہیں:

❁ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ○ۙ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ○﴾

''بلکہ یہ قرآن اونچی شان والا ہے۔ لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔''[2]

بلاشبہ قرآن کریم جس کی مشرکین تکذیب کرتے ہیں وہ اپنے نظم اور اسلوب میں یگانہ اور نہایت عالی مرتبہ ہے حتی کہ وہ اعجاز کی آخری حد تک پہنچ گیا ہے۔ اس پر شرف ومنزلت، عزت وبرکت ختم ہے۔ وہ ہرگز ایسا نہیں جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں کہ یہ (معاذ اللہ) شعر، جادو، کہانت اور سحر ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہر قسم کے تغیر وتبدل اور تحریف سے پاک ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔[3]

---

[1] یٰسٓ 11:36، یہاں ذکر یا نصیحت سے مراد قرآن کریم ہے۔

[2] البروج 85:21-22

[3] التفسیر المنیر: 545/15

وصف "المجید" کے متعلق مفسرین کے درج ذیل اقوال ہیں:

① یہ شرف والی کتاب ہے، ہر کتاب سے اشرف ہے اور نظم و اسلوب میں تمام کتب الٰہیہ میں سب پر فائق ہے۔ [1]

② قرآن کریم وسیع اور عظیم المعانی، کثیر مفاہیم والا، بہت برکتوں والا، بہت بھلائیوں اور نیکیوں والا، وسیع اور عظیم صفات والا ہے۔ [2]

③ شرف و کرم اور حسنات و برکات قرآن کریم پر ختم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے دین و دنیا کے جو احکام شریعت میں رکھے ہیں، قرآن انھیں صاف صاف بیان فرماتا ہے۔ مشرک اور کافر لوگ اسے شعر، کہانت اور جادو کہتے ہیں۔ یہ نہایت لغو بات ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ [3]

ان اقوال کا مطالعہ کرنے والا شخص اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ تمام اقوال قرآن کے وصف "المجید" پر منطبق ہوتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں بلکہ ان میں اختلاف تنوع ہے جو بجائے خود ایک دلکش بوقلمونی ہے۔

قرآن مجید کو اس وصف سے متصف قرار دینے میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ زبردست شان و شوکت اور برگزیدگی والے اللہ رب العزت کا کلام ہے۔

جو چیز قرآن کریم کے شرف و مجد پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بری تدبیر کرنے والے کی تدبیر سے، تفریح پسند لوگوں کی لغویات سے اور اسلام اور مسلمانوں سے بغض و عداوت رکھنے والوں کے شر سے اس کی حفاظت فرمائی ہے، نیز اسے ہر قسم کی کمی بیشی اور تغیر و تبدل سے محفوظ کر دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

---

[1] تفسیر أبی السعود: 139/9، تفسیر السمرقندی: 545/3، تفسیر القاسمی: 316/6

[2] تفسیر ابن کثیر: 497/4 و تفسیر السعدی: 398,79/5

[3] تفسیر البغوی: 472/4 و فتح القدیر: 414/5

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○﴾

"بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"[1]

④ اسی طرح یہ بات بھی قرآن کریم کی بزرگی پر دلالت کرتی ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشادِ عالی میں اس کی حفاظت کی قسم کھائی ہے اور اسے بزرگی اور "مجد" سے موصوف کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قٓ ۚ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ○﴾

"قٓ! قسم ہے قرآن مجید کی۔"[2]

چونکہ قرآن کریم بڑی شان والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، لہٰذا اس پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کے احکام و قوانین اور نظام پر عمل کرنا شرط لازم ہے جس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔[3]

قرآن کریم کے وصف "مجید" کی ذیلی گفتگو میں جو یہ بیان ہوا ہے کہ شرف و کرم اور حسنات و برکات قرآن کریم پر ختم ہیں تو عرض ہے کہ اس کے معانی بڑے وسیع اور نہایت عظیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بری تدبیر کرنے والے کی بری تدبیر اور تفریح پسند کی لغویات سے قرآن حکیم کی بھرپور حفاظت فرمائی ہے۔ یہ بات بڑی وضاحت سے قرآن کریم کی عظمت و رفعت اور بے مثل مقام و منزلت پر دلالت کرتی ہے۔

❁ **اَلْعَظِيمُ:** اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی عظمت و رفعت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ○ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾

---

[1] الحجر 9:15 [2] قٓ 1:50

[3] الهدى والبيان فى أسماء القرآن: 2/41-43

”بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم دیا ہے۔ اور ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو جو مال و متاع دیا ہے، اس پر آپ اپنی نظر نہ جمائیں۔“ ❶

غور کیجیے! قرآن ذی شان کی عدیم النظیر عظمت و برگزیدگی کا یہ کیسا قابل رشک مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ جس طرح ہم نے آپ کو قرآن جیسی نادر دولت عطا کی ہے، آپ کو بھی چاہیے کہ آپ دنیا، اس کی زینت اور اہل دنیا کو جو مال و متاع دیا گیا ہے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن عظیم کا جو ابدی خزانہ عطا کیا ہے اس کے سامنے دنیائے فانی کا مال و متاع اور فانی چمک دمک کیا چیز ہے۔ آپ اس سے بے پروا اور بے نیاز ہو جائیں۔

گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یقیناً ہم نے آپ کو نہایت رفیع الشان چیز (قرآن) عطا کی ہے، لٰہذا آپ اس کے علاوہ دنیا کے دیگر امور کی طرف ہرگز نظر نہ دوڑائیں۔ ❷

قرآن کریم ایک انمول اور فقید المثال نعمت ہے۔ دنیا کی ہر نعمت خواہ وہ کتنی بھی عظیم ہو، قرآن کے مقابلے میں بے حد حقیر، ہیچ اور ناقابل توجہ ہے، لٰہذا (اے نبی) آپ پر لازم ہے کہ آپ اسی پر اکتفا کریں۔ ❸

❁ اَلْبَشِیرُ وَ النَّذِیرُ: اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کی شان میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ﴾

”(یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں، حالانکہ (یہ) قرآن عربی

---

❶ الحجر 15:87-88

❷ تفسیر ابن عطیہ: 3/373

❸ الکشاف للزمخشری: 2/549، تفسیر الثعالبی: 2/300

ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ وہ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔''[1]

یہ قرآن عظیم کا خصوصی وصف ہے کہ وہ ایمان لانے والے کو جنت کی بشارت دیتا ہے اور کفر کرنے والے کو جہنم سے ڈراتا ہے۔[2]

ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قرآن کریم اطاعت گزاروں کو ثواب کی خوش خبری دینے والا اور مجرموں کو سزا سے ڈرانے والا ہے۔[3]

قرآن کریم کا ﴿ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ﴾ یعنی ''خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا'' ہونا بڑے غور و فکر کا متقاضی ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ جو انذار (ڈراوے) اور تبشیر (خوش خبریاں) ہیں، ان کے لیے گہرے فہم و ادراک کی اشد ضرورت ہے۔ وہ واجب قرار دیتا ہے کہ اسے قبول کیا جائے، اس کی اطاعت کی جائے، اس پر ایمان لایا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ انسان کے لیے یہ بات شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے کہ سزا اور عذاب تک پہنچانے والے امور کی جان پہچان کے لیے اچھی طرح جدوجہد کرے۔[4]

ان دونوں صفتوں میں قرآن عظیم اور انبیائے کرام باہم شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ﴾

''پس اللہ نے نبی بھیجے، خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے۔''[5]

اور امام المرسلین حضرت محمد ﷺ کی توصیف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

[1] حم السجدة 41:3-4

[2] تفسير ابن عطيه:5/4

[3] التفسير الكبير:27/82

[4] التفسير الكبير:27/84و تفسير السعدى:1/744

[5] البقرة2:213

﴿إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ شَٰهِدٗا وَمُبَشِّرٗا وَنَذِيرٗا ۝﴾

’’(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔‘‘[1]

یعنی جو آپ کی اطاعت کرے اسے جنت کی بشارت دینے والا اور جو آپ کی نافرمانی کرے اسے جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔[2]

بلاشبہ تعزیز ایجابی (ترقی دینا اور رتبہ بلند کرنا) اور تعزیز سلبی (ترقی اور رتبہ چھین لینا) دونوں باتیں کامیاب تربیت کے ارکان میں سے ہیں۔ خوش خبری دینا تعزیز ایجابی کا پہلا درجہ ہے جس طرح تعزیز سلبی کا پہلا درجہ ڈرانا ہے۔

چونکہ اللہ عزوجل رب العالمین ہے اور اپنی رحمت وحکمت کے ذریعے سے مخلوق کی تربیت فرمانے والا ہے، اس لیے اللہ رب العزت نے لوگوں کے لیے اپنی کتاب عظیم میں دونوں طرح کی تعزیز یعنی ایجابی اور سلبی تعزیز نازل فرمائی ہیں۔ جو شخص قرآنی تعلیمات کی اتباع کرتا ہے، قرآن کریم اس کے لیے خوش خبری ہے اور جو شخص ان تعلیمات کی خلاف ورزی کرتا ہے اور ان پر عمل پیرا نہیں ہوتا، قرآن کریم اسے ڈرانے والا اور خوف زدہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كِتَٰبٌ أُنزِلَ إِلَيۡكَ فَلَا يَكُن فِي صَدۡرِكَ حَرَجٞ مِّنۡهُ لِتُنذِرَ بِهِۦ﴾

’’(اے نبی!) یہ کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس سے آپ کے سینے میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہونی چاہیے، تاکہ آپ اس کے ذریعے سے (لوگوں کو) ڈرائیں۔‘‘[3]

---

[1] الفتح 8:48

[2] تفسیر السعدی: 16/2

[3] الأعراف 2:7

اس کتاب عظیم کی اہمیت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ﴾

''تاکہ وہ اس (اللہ) کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور مومنوں کو بشارت دے، جو نیک عمل کرتے ہیں، کہ بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔''[1]

ترغیب وترہیب کے باب میں قرآن عظیم کی عظمت، قوت تاثیر اور قوتِ کار اس وقت جگمگا اٹھتی ہے جب وہ قرآن پر ایمان لانے والے اور عمل صالح کرنے والے کو جنت کی خوش خبری دیتا ہے اور کفر اور نافرمانی کرنے والے بدعمل شخص کو جہنم سے ڈراتا ہے۔

توفیق صرف اسی شخص کو ملتی ہے جو دونوں معاملات کو یاد رکھتا ہے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور اس میں غور وفکر کرتا ہے تاکہ وہ قرآن کے ڈراوے سے مستفید ہو کر مہلک گناہوں سے بچ جائے اور بگاڑ اور خرابی کے مقامات سے دور رہے۔ وہ قرآن کی بشارت سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اس خوشی کی بدولت وہ نیکی کے کاموں میں اور آگے بڑھ جاتا ہے۔[2]

❁ لَا يَاْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ اللہ تعالیٰ نے قرآنی اوصاف میں سے ایک وصف یہ بیان فرمایا ہے:

﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ﴾

''باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔''[3]

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کے مفہوم میں متعدد وجوہ بیان کی ہیں جو تمام تر قرآن عظیم سے مناسبت رکھتی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

---

[1] الکہف 2:18

[2] يعلمهم الكتاب، محمد الشعّال، ص:20

[3] حم السجدة 42:41

اس کی کئی وجوہ اور معانی ہیں:

① قرآن کریم سے پہلے نازل ہونے والی کتب زبور، تورات اورانجیل، قرآن کریم کی تکذیب کرتی ہیں نہ اس کے بعد کوئی ایسی کتاب آئے گی جو اس کی تکذیب کرے گی۔

② جس چیز کے حق ہونے کا قرآن کریم نے فیصلہ کر دیا ہے وہ باطل نہیں ہوسکتی اور جس چیز کو قرآن نے باطل قرار دے دیا ہے وہ حق نہیں ہوسکتی۔

③ قرآن کریم اس خدشے سے محفوظ ہے کہ اس کے آگے سے باطل آ جائے، یعنی اس میں کوئی نقص یا کمی پیدا کر دی جائے، اور اس کے پیچھے سے باطل آ جائے، یعنی اس میں کوئی اضافہ کر دیا جائے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○﴾

''بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''[1]

اس مفہوم کے مطابق ﴿الۡبَاطِلُ﴾ سے مراد کمی بیشی ہے۔

④ نہ آج اور نہ آیندہ کبھی کسی ایسی کتاب کے معرض وجود میں آنے کا کوئی امکان ہے جسے قرآن کے معارض، یعنی قرآنی تعلیمات کے خلاف قرار دیا جاسکے۔ گزشتہ دور میں بھی کوئی ایسی کتاب وجود میں نہیں آئی جو اس قابل ہو کہ اسے قرآن کی معارض ٹھہرایا جائے۔[2]

⑤ صاحب کشاف (زمخشری) کے بقول یہ تمثیل ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ باطل اس کے قریب پھٹک سکتا ہے نہ کسی جانب سے کوئی ایسا راستہ پا سکتا ہے جس کے ذریعے سے بالآخر اس تک پہنچ جائے۔[3]

---

[1] الحجر9:15

[2] التفسیر الکبیر:114/27

[3] الکشاف، للزمخشری :207/4

⑥ ایک قول یہ بھی ہے کہ جن اور انسانی شیطانوں میں سے کوئی شیطان چوری چھپے بھی اس کے قریب پھٹک سکتا ہے نہ کوئی کمی بیشی کر کے اس میں کوئی ایسی چیز داخل کر سکتا ہے جو اس میں موجود نہیں۔ قرآن کریم اپنی تنزیل میں بھی محفوظ ہے اور نزول کے بعد بھی اس کے الفاظ اور معانی محفوظ ہیں۔ بلاشبہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس ذاتِ عالی نے لی ہے جس نے اسے نازل فرمایا ہے۔[1]

⑦ (اسی سلسلے میں) یہ بھی کہا گیا ہے کہ باطل کسی بھی اعتبار سے، چاہے اس کا تعلق ماضی کی خبروں اور واقعات کے حوالے سے ہو یا شرعی احکام کی نسبت سے، قرآن کریم کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔[2]

مذکورہ بالا اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ان میں اختلاف تنوع ہے جو اللہ کے ہاں قرآن کریم کی زبردست عظمت، عزت، اور قدر و قیمت پر دلالت کرتا ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کرے: کیا تنقید کرنے والوں نے اس پر کوئی تنقید نہیں کی اور باطل پرستوں نے اس کی تاویلات نہیں کیں؟

تو اس کا جواب ہوگا، کیوں نہیں! لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور رحمت سے قرآن کریم کو باطل کی پرچھائیں سے بھی محفوظ کر دیا ہے اور اس نے ہر علاقے اور ہر دور میں ایسے اللہ والے علماء مامور کیے جنھوں نے ان کی تاویلات کا ابطال اور ان کے اقوال کا فساد ثابت کر کے انھیں آڑے ہاتھوں لیا ہے، لہٰذا کسی تنقید کرنے والے کی تنقید باقی نہیں رہی کیونکہ اسے بے اثر کر کے مٹا دیا گیا۔ قرآن کو باطل ٹھہرانے والا ہر قول باطل ثابت ہو گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اور وعدے کی تصدیق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مدت مدید اور عرصۂ دراز گزر جانے

---

[1] تفسیر السعدی:402/4

[2] التفسیر المنیر:566/12

کے باوجود پورا کیا ہے اور یہ وعدہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک یہ دنیا قائم ہے۔ وہ وعدہ یہ ہے:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ ۝﴾

''بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' [1]

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے قرآن عزیز میں دخل انداز ہونے کے لیے کوئی رخنہ باقی نہیں چھوڑا۔ بھلا باطل قرآن کریم میں کیسے داخل ہوسکتا ہے اور کس طرح سرایت کرسکتا ہے جبکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوا ہے جو سراسر حق اور عظیم ہے؟ [2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا ۝﴾

''اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔'' [3]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ اَنۡ يُّفۡتَرٰى مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰـكِنۡ تَصۡدِيۡقَ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝﴾

''اور یہ قرآن (ایسا) نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور ان کتابوں کی تفصیل بھی بیان کرتا ہے۔ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں۔ (یہ) رب العالمین کی طرف سے ہے۔'' [4]

---

[1] الحجر15:9 ، الکشاف:207/4

[2] فی ظلال القرآن:3127/5

[3] النساء4:82 [4] یونس10:37

باب 2

شریعت و قانون سازی، قصص و واقعات اور مقاصد جلیلہ کے سلسلے میں قرآن کریم کی عظمت
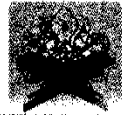
قرآنی مقاصد جلیلہ

ڈاکٹر محمد ابو الفتح البیانونی بعض علمائے کرام کی تعبیرات کی روشنی میں مقاصدِ قرآن کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

''مقاصدِ قرآن سے مراد انسان کی روحانی اور مادی امور میں کامیابی، مثلاً دنیا و آخرت میں سعادت اور خوش بختی کا حصول، دنیا میں انسانی ضروریات و حاجات کی تکمیل، انسانی فلاح و بہبود کو یقینی اور محفوظ بنانا اور عدل و انصاف وغیرہ کی فراہمی ہے۔''[1]

اب ہم مندرجہ ذیل عناوین کی روشنی میں مقاصد قرآنیہ کی عظمت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں:

عقائد و نظریات کی تصحیح و تطہیر

اس سے درج ذیل تین چیزوں کی تصحیح و تطہیر مراد ہے:

- عقیدۂ توحید کی تصحیح: قرآن کریم شروع سے لے کر آخر تک توحید کی دعوت، شرک کے

[1] محاسن و مقاصد الإسلام، الدكتور محمد أبوالفتح البيانوني، مجلة الشريعة والدراسات الإسلامية، جامعة الكويت، عدد:43 رمضان 1421، ص:234

بطلان وانکار، دنیا اور آخرت میں موحدین کے حسن انجام اور مشرکین کے برے انجام کا بیان ہے۔

مخلوق جن جرائم کا ارتکاب کرتی ہے، قرآن کریم ان میں سے شرک کو سب سے بڑا جرم قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾

''بے شک اللہ (یہ گناہ) نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔''[1]

شرک درحقیقت انسان کا انحطاط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت اور ارادے سے انسان کو کائنات کی قیادت و سیادت کا جو شرف بخشا ہے، مشرک اس شرف و بلندی سے گر جاتا ہے اور انسانوں، حیوانوں، جمادات، نباتات یا ان کے علاوہ دیگر مخلوقات کی بندگی اور اطاعت کرنے کی ذلت اُٹھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝﴾

''لہٰذا تم بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی بچو، اللہ کے لیے یکسو ہو جاؤ نہ کہ اس کے ساتھ شرک کرنے والے، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور دراز جگہ لے جا پھینکے۔''[2]

تمام انبیاء و مرسلین کی رسالتوں کی پہلی مشترکہ بنیاد توحید کی دعوت ہی ہے۔ ہر نبی نے اپنی

---

[1] النساء 48:4 [2] الحج 22:30-31

قوم کو پکار کر یہ دعوت دی:

﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ﴾

"تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔"[1]

لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین ثالثی (تیسرے فریق) اور وسیلے کا کوئی امکان ہے نہ اس کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ﴾

"اور (اے نبی!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (بتا دیجیے) بے شک میں قریب ہوں۔"[2]

نیز فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ﴾

"اور تمھارے رب نے کہا ہے: تم مجھے پکارو، میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا۔"[3]

❁ **عقیدۂ رسالت ونبوت کی تصحیح:** اس عقیدے کی تصحیح نبوت ورسالت کی ضرورت واضح کر کے کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ﴾

"لوگ پہلے ایک ہی امت تھے (پھر ان میں اختلافات پیدا ہو گئے) تو اللہ نے نبی بھیجے، خوشخبری دینے والے اور تنبیہ کرنے والے، اور ان کے ساتھ اس نے برحق کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کریں جن میں انھوں نے اختلاف کیا۔"[4]

---

[1] الأعراف 59:7 [2] البقرة 186:2
[3] المؤمن 60:40 [4] البقرة 213:2

اس عقیدے کی تصحیح انبیاء ورسل کی ذمہ داریاں بیان کر کے بھی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾

''(اللہ نے) خوش خبری دینے والے اور تنبیہ کرنے والے رسول بھیجے۔''[1]

لہٰذا رسول معبود ہیں نہ معبود کے بیٹے بلکہ وہ صرف اور صرف انسان ہیں جن کی طرف وحی کی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تو بس تمھاری ہی طرح بشر ہوں۔ میری طرف وحی آتی ہے کہ تمھارا الٰہ صرف ایک الٰہ ہے۔''[2]

وہ دلوں کی ہدایت کے مالک نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝﴾

''چنانچہ آپ نصیحت کیجیے، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر کوئی فوجدار نہیں۔''[3]

قرآن کریم نے ان شبہات کو غلط قرار دیا ہے جنھیں دور قدیم کے لوگوں نے رسولوں کے بارے میں پھیلایا تھا، جیسے انھوں نے کہا:

﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ﴾

''تم ہمارے جیسے بشر ہی ہو۔''[4]

اور ان کا قول ہے:

---

[1] النساء 165:4 [2] الكهف 110:18

[3] الغاشية 88:21-22 [4] إبراهيم 10:14

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ ﴾

’’اور اگر اللہ چاہتا تو (آسمان سے) فرشتے ضرور نازل کرتا۔‘‘ [1]

قرآن کریم نے ان کی تردید کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے:

﴿ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ ﴾

’’ان کے رسولوں نے ان سے کہا: واقعی ہم تمھارے جیسے بشر ہی ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر احسان کرتا ہے۔‘‘ [2]

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر اس کی وضاحت یوں فرمائی:

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ ﴾

’’کہہ دیجیے: اگر زمین پر فرشتے (بسے) ہوتے جو یہاں مطمئن ہو کر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے۔‘‘ [3]

❁ **عقیدۂ آخرت کی تصحیح:** قرآن عظیم نے ایمان بالآخرت کے عقیدے کی تصحیح اور اہل ایمان کے دلوں میں اسے پختہ کرنے کے لیے مختلف اسلوب اختیار کیے ہیں۔ ان میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مانند اس کی تخلیق کے اعادے پر قدرت رکھنے کے بیان سے اس کے دوبارہ جی اٹھنے پر دلائل قائم کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ ﴾

’’اور وہی (اللہ) ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا،

---

[1] المؤمنون 24:23 [2] إبراهيم 11:14 [3] بني إسراءيل 95:17

اور یہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔،، [1]

قرآن عظیم نے جزائے اعمال میں اللہ تعالیٰ کی حکمت واضح کی ہے تاکہ نیکوکار اور خطاکار، فرماں بردار اور نافرمان برابر نہ ہوں کہ زندگی فضول اور باطل امور میں بدل جائے جبکہ اللہ تعالیٰ ان سے پاک اور مبرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾

''کیا تم نے سمجھا ہے کہ ہم نے تمھیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟،، [2]

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ ﴾

''اور ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بیکار پیدا نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جنھوں نے کفر کیا، سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے دوزخ کی ہلاکت ہے۔ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان لوگوں کے مانند کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں؟ یا ہم متقین کو بدکاروں کے مانند کر دیں گے؟،، [3]

قرآن کریم قیامت، اس کی ہولناکیوں اور صغیرہ وکبیرہ گناہوں کو درج کیے بغیر نہ چھوڑنے والی کتاب کا تذکرہ کرتا ہے، اس میں نیکیوں اور برائیوں کا وزن کرنے والے ترازو اور ایسے دقیق حساب کتاب کا تذکرہ بڑی کثرت سے کیا گیا ہے جس میں کسی فرد پر ذرہ بھر ظلم کیا جائے گا

---

[1] الروم 27:30 [2] المؤمنون 115:23 [3] صٓ 38:27-28

نہ کسی شخص سے کسی دوسرے کا بوجھ اٹھوایا جائے گا، نیز جنت، اس کی نعمتوں اور آسائشوں اور جہنم اوراس کی بھڑکتی ہوئی آگ کا تذکرہ بھی نہایت کثرت سے کیا گیا ہے۔

قرآن عظیم نے ان اوہام کی تردید بھی کی ہے جنھیں مشرکین نے شہرت دی، انھیں پھیلایا اور کہا کہ اُن کے خیالی اور نام نہاد معبود، اللہ تعالیٰ کے ہاں، ان کی شفاعت کریں گے۔ اسی طرح اہل کتاب کو جو زعم ہے کہ ان کے اولیاء اور صلحاء وغیرہ ان کی سفارش کریں گے، قرآن نے اس کا رد بھی کیا ہے۔ شفاعت صرف اللہ کی اجازت سے صرف موحد مومن ہی کے لیے ہو گی اور اللہ تعالیٰ صرف اسی شفاعت پر راضی ہے۔[1]

تنگی اور مشکل دور کرنا

اپنے فرائض اور ذمہ داریاں پوری کرنے کی راہ میں بعض افراد کے لیے جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہیں کیونکہ اس میں شریعت کے مکلّف انسان کی کمزوریوں اوراس کی ناقص حکمت عملی کا دخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ۝ ﴾

”اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“[2]

اگر چہ یہ مشکلات مکلّف (ذمہ دار فرد) کی ہمت واستطاعت کے مطابق ہیں لیکن پھر بھی شریعت ساز نے شریعت میں یہ خوبی اور صلاحیت رکھی ہے کہ فرائض اور ذمہ داریوں کی انجام دہی میں دشواری اور تنگی پیش نہ آئے تاکہ لوگ اپنے فرائض خوش دلی اور رغبت سے ادا کریں، ان پر فرائض کی بجا آوری میں رکاوٹ بننے والی اکتاہٹ، تھکاوٹ اور کمزوری طاری نہ

[1] کیف نتعامل مع القرآن العظیم، 83-88، الوحی المحمدی، ص: 108-116

[2] النسآء 28:4

ہواور وہ اپنے فرائض بڑھ چڑھ کر انجام دیں۔

رفع حرج، یعنی تنگی دور کرنا تمام انبیاء کی سنت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ﴾

''اور نبی کے لیے اس بات میں کوئی تنگی نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی، ان لوگوں (انبیاء) میں بھی، جو پہلے گزر چکے ہیں، اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے۔''[1]

''یعنی آپ ﷺ سے پہلے انبیاء کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ تھا کہ وہ جس چیز کا بھی اپنی امت کو حکم دیں گے اس میں ان کو کوئی تنگی محسوس نہیں ہوگی۔''[2]

لہٰذا نرمی اور آسانی قرآن عظیم کی شریعت کے واضح اوصاف میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ﴾

''اللہ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمھارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔''[3]

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾

''اللہ نہیں چاہتا کہ تمھیں تنگی میں ڈالے۔''[4]

مومنوں کی ایک دعا کے چند الفاظ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیے ہیں:

﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ﴾

---

[1] الأحزاب 38:33۔ [2] تفسیر ابن کثیر:448/6

[3] البقرة 185:2 [4] المائدة 6:5

''اور اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے رب! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم سے نہ اٹھوا۔''[1]

قرآن عظیم کی شریعت کی نرمی میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کو دین فطرت بنایا ہے اور امور فطرت جبلت کی طرف لوٹتے ہیں جبکہ جبلت نفوس میں موجود ہوتی ہے، اس لیے جبلت کے لیے ان امور کو قبول کرنا آسان ہے جبکہ انسانی فطرت سختی، تکلیف اور تنگی سے متنفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ○﴾

''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمھارا بوجھ ہلکا کر دے، اور انسان بہت کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسلامی شریعت عام اور دائمی ہو اور اس کا تقاضا ہے کہ امت پر شریعت کا نفاذ سہل ہو، چنانچہ اس شریعت کے پھیلاؤ اور دوام میں نرمی اور آسانی کا بڑا موثر کردار ہے۔ آسانی فطرت کا تقاضا ہے کیونکہ فطرتِ انسانی نرمی کو محبوب رکھتی ہے۔''[3]

جو شخص آسانی اور رفع حرج کی آیات کا مطالعہ کرتا ہے وہ دو ایسے اہم عوامل پا لیتا ہے جنھیں قرآن عظیم تنگی دور کرنے کے لیے بروئے کار لاتا ہے:

① وہ آیات جو بشارتوں کی صورت میں ہیں اور ایسی شریعت کے آنے کی خبر دیتی ہیں جس میں آسانی ہی آسانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ○ۖ﴾

''اور ہم آپ کو آسان راستے کی توفیق دیں گے۔''[4]

---

[1] البقرة 286:2 [2] النساء 28:4

[3] مقاصد الشريعة الإسلامية، محمد طاهر بن عاشور، ص:27

[4] الأعلى 8:87

اس آیت کریمہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو ایسی شریعت کی بشارت دی ہے جو نرم، آسان، سیدھی اور سراپا عدل ہے۔ اس میں کوئی ٹیڑھا پن ہے نہ تنگی اور نہ اس میں کوئی مشکل ہے۔

② ایسی آیات جن میں کلی طور پر یا بطور تخفیف کسی قسم کی تنگی نہ ہونے کی نص پائی جاتی ہے۔

پہلی صورت کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ۙ﴾

''ضعیفوں، بیماروں اور ان لوگوں پر جو کوئی چیز نہیں پاتے کہ خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے میں) کوئی گناہ نہیں، جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے ہیں۔ نیکی کرنے والوں پر کوئی حرف نہیں آتا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

اس آیت کریمہ نے ان معذوریوں کی وضاحت کی ہے جن کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر کوئی گناہ نہیں ہے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں۔

دوسری صورت کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالی ہے:

﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ڰ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ﴾

''اور جب تم زمین میں سفر کر رہے ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر ادا کرو، اگر تمھیں ڈر ہو کہ کافر حملہ کر کے تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے۔''[2]

---

[1] التوبہ 91:9 [2] النساء 101:4

یہ آیت مقدسہ قرآن عظیم کی حقیقت پسندی کی شاہد ہے کہ وہ انسان کے ضعف کا اعتراف کرتا ہے اور اس کے لیے ان باتوں کو لازم ٹھہراتا ہے جن کا کرنا اس کے لیے ممکن ہو۔ قرآن عظیم کی یہ حقیقت پسندی اس کی عظمت اور رفعت و برتری کی علامت ہے۔

انسان کے وقار اور حقوق کی پاسداری

قرآن عظیم کے بڑے بڑے مقاصد میں سے ایک مقصد انسان کی عزت و وقار کو تسلیم کرنا اور اس کے حقوق کا لحاظ رکھنا ہے۔ یہ مندرجہ ذیل نکات سے واضح ہوتا ہے۔

❁ **انسانی عزت و وقار کا اثبات:** قرآن عظیم نے بار بار تاکید کی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بہت معزز و مکرم تخلیق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اس میں اپنی روح پھونکی اور اسے زمین میں خلیفہ بنایا۔ خلافت ایسا مرتبہ ہے جس پر محترم و مکرم فرشتے نگاہیں لگائے بیٹھے تھے لیکن انھیں اس منصب کی سعادت نہیں بخشی گئی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ ﴾

”اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا: کیا تو زمین میں اسے (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد مچائے گا اور خون بہائے گا اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا: بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“[1]

---

[1] البقرة 30:2

اسی طرح فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ ﴾

''اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور انھیں بر و بحر میں سواریاں دیں، انھیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا اور انھیں اپنی کثیر مخلوقات پر بڑی فضیلت دی جنھیں ہم نے پیدا کیا۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ ﴾

''کیا تم نے غور نہیں کیا کہ بے شک اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، تمھارے کام میں لگا دیا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور چھپی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔''[2]

اسی وجہ سے قرآن عظیم نے بعض انسانوں کو اپنی فطرت تبدیل کرنے سے روکا ہے کیونکہ انھوں نے اپنی فطرت کے خلاف اللہ تعالیٰ کے سوا ان طاقت ور اجرام فلکی وغیرہ کو اپنے معبود بنا لیا جنھیں اللہ نے ان کا مطیع بنایا ہے اور انھی کی عبادت کرنے لگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ ﴾

''اور اسی (اللہ) کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند بھی ہیں۔ تم لوگ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو، اور صرف اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان (سب) کو پیدا کیا اگر

[1] بنی إسرآءیل 70:17 [2] لقمان 20:31

واقعی تم اس کی عبادت کرتے ہو۔'' [1]

مزید برآں ایسے لوگ جو خود اپنی عزت و حرمت کو پامال کر کے دوسرے افراد کا دم چھلا بن گئے، قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو بھی مردود ٹھہرایا۔ ان لوگوں کے قول کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ ﴾

''اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی، تو انھوں نے ہمیں سیدھی راہ سے بھٹکا دیا۔'' [2]

ایک گروہ نے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دوسرے انسانوں کی اطاعت کر کے ان کے تقدس اور احترام میں مبالغہ کیا تو اللہ نے ان کی تردید کی اور فرمایا:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ ﴾

''انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو (اپنا) رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود (اللہ) کی عبادت کریں۔'' [3]

بلکہ قرآن کریم نے اس شخص کی بھی تردید کی ہے جس نے بعض انبیاء کی طرف یہ جھوٹی بات منسوب کی کہ انھوں نے لوگوں کو اپنی ذاتی عبادت کی دعوت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾

''کسی شخص کو لائق نہیں کہ اللہ اسے کتاب و حکمت اور نبوت عطا کرے، پھر وہ لوگوں

---

[1] حٰم السجدة 37:41

[2] الأحزاب 67:33 [3] التوبة 31:9

سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔'' [1]

❁ **انسانی حقوق کا اثبات:** جن حقوق کو آج ''انسانی حقوق'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور انسانیت ان کے گیت گاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم ہی نے ان کی بنیاد رکھی اور منظوری دی حتی کہ چودہ صدیوں سے زیادہ مدت بیت چکی ہے لیکن قرآن کریم کے عطا کردہ حقوق سے بڑھ کر جامع اور منصفانہ حقوق کی کوئی مثال اب تک پیش نہیں کی جا سکی۔

جب تک کوئی انسان کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہیں کرتا جو شرعی طور پر اس کے خون کو مباح کر دے، اس وقت تک قرآن عظیم ہر انسان کی زندگی کے حق کا اقرار و اثبات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾

''اور کسی ایسی جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے سوائے اس کے جس کا قتل برحق ہو۔'' [2]

قرآن کریم نے انسان کے ذاتی گھر کے بارے میں اس کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے گھر میں داخل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ﴾

''(اے ایمان والو) تم اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، حتیٰ کہ تم اجازت لے لو، اور ان گھر والوں کو سلام کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو، پھر اگر تم ان میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمھیں

---

[1] آل عمران 79:3 [2] الأنعام 151:6

اجازت دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ، یہ تمھارے لیے بہت پاکیزہ (عمل) ہے۔''[1]

قرآن کریم نے انسان کے مال اور خون کی حفاظت کا حق تسلیم کیا اور اس کی حلال ملکیت کی نگرانی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝﴾

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضا مندی سے تجارت ہو، اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

قرآن کریم نے انسان کی عزت و احترام کی حفاظت کا حق بھی تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ﴾

''اے ایمان والو! مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہوسکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں، اور تم آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ، اور تم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔''[3]

---

[1] النور 24:27-28 [2] النساء 4:29 [3] الحجرات 49:11

مرد ہو یا عورت، قرآن کریم نے شادی اور خاندان کی تشکیل کے لیے اس کا حق تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

''اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔'' [1]

شادی کے بعد شریف اور نیک اولاد کے معاملے میں بھی قرآن کریم نے انسان کے حق کو تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً ﴾

''اور اللہ نے تمھارے لیے تمھی میں سے بیویاں بنائیں اور اسی نے تمھارے لیے تمھاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے۔'' [2]

اولاد خواہ وہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں، زندگی کے معاملے میں قرآن کریم نے ان کا حق تسلیم کیا ہے، لہٰذا کسی بھی سبب سے اپنی اولاد کو قتل کرنے اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے جیسے اہل جاہلیت کے گھناؤنے فعل کو بہت بڑا جرم قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ ﴾

''اور اپنی اولاد کو تنگ دستی (کے ڈر) سے قتل نہ کرو۔ ہم تمھیں بھی اور انھیں بھی رزق

---

[1] الروم 21:30 [2] النحل 72:16

دیتے ہیں۔"❶

اور ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾

"اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی، بے شک ان کا قتل کبیرہ گناہ ہے۔"❷

مزید فرمایا:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝﴾

"اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، اسے کس گناہ کی وجہ سے قتل کیا گیا؟"❸

انسان اگر عاجز یا فقیر ہو تو غنی اور مال دار لوگوں کے مال میں حسب گزران اس کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی رو سے محروموں کا یہ حق مقرر کیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝﴾

"اور جن کے مالوں میں سوالی اور محروم کا حق مقرر ہے۔"❹

نیز فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾

"(اے نبی) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے (تاکہ) اس کے ذریعے سے آپ انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔"❺

---

❶ الأنعام 151:6 ❷ بني إسرآء يل 31:17 ❸ التكوير 81:8-9

❹ المعارج 70:24-25 ❺ التوبة 9:103

منکرات کے انکار، فساد کا سد باب کرنے اور واضح ظلم اور کھلے کفر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے انسانی حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اللہ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے:

﴿وَلَا تَرْكَنُوٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝﴾

''اور تم ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنھوں نے ظلم کیا، ورنہ تمھیں آگ آ لپیٹے گی، اور تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست نہ ہوگا، پھر تمھاری مدد نہ کی جائے گی۔''[1]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝﴾

''بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر جاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برے کام سے منع نہیں کرتے تھے کہ انھوں نے وہ (کام) خود کیا ہوتا تھا۔ بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے۔''[2]

قرآن عظیم نے ان حقوق کو فرائض اور واجبات کے درجے تک پہنچا دیا ہے کیونکہ بعض حقوق ایسے ہیں کہ صاحب حقوق کے لیے ان سے دست بردار ہونا ممکن ہے لیکن جہاں تک ایسے واجبات کا تعلق ہے جنھیں فرض قرار دیا گیا ہے، ان سے دست بردار ہونا ہرگز جائز نہیں۔[3]

---

[1] ھود 113:11 [2] المائدة 5:78-79

[3] کیف نتعامل مع القرآن العظیم، ص:89-94، الوحی المحمدی، ص:173-177

خاندان کی تشکیل اور عورت سے انصاف کے تقاضے پورے کرنا

❁ خاندان کی تشکیل: قرآن کریم نے جن عظیم مقاصد کو اپنا ہدف ٹھہرایا ہے ان میں سے ایک ہدف صالح خاندان کی تخلیق بھی ہے۔ صالح خاندان اچھے اور سلجھے ہوئے معاشرے کی بنیادی اینٹ اور ایک سلجھی ہوئی قوم کے بارآور نخل کا بیج اور گٹھلی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خاندان کی تشکیل کی بنیاد شادی ہے۔ قرآن نے آسمانوں اور زمین وغیرہ کی تخلیق کے مانند شادی کو بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○﴾

''اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔''[1]

اس آیت کریمہ نے ان تین ستونوں کی نشاندہی کر دی ہے جن پر ازدواجی زندگی قائم ہوتی ہے اور وہ تین ستون سکون، محبت اور رحمت ہیں۔

قرآن عظیم نے میاں بیوی کے درمیان رابطے کو ﴿مِیْثَاقًا غَلِیْظًا﴾ ''پختہ عہد'' سے موسوم کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے واضح ہے:

﴿وَّ اَخَذْنَ مِنْکُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ○﴾

[1] الروم 21:30

”اوران عورتوں نے تم سے پختہ عہد لیا تھا۔“ ❶

اس سے مقصود پکا، قوی اور مضبوط معاہدہ ہے۔

قرآن کریم نے زوجین کے باہمی تعلق، قرب، وابستگی، طمانیت، حفاظت اور پردے کو ملحوظ رکھ کر میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لیے لباس قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾

”وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔“ ❷

قرآن کریم کی رو سے نیک اولاد شادی کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ نیک اولاد سے والدین کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً﴾

”اور اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تمھی میں سے بیویاں بنائیں اور اسی نے تمھارے لیے بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے۔“ ❸

رب ذوالجلال کے بندوں کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا ○﴾

”اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔“ ❹

خاندان کے لیے یہ بات شرط لازم ہے کہ افراد خانہ دین کے اعتبار سے متفق و متحد ہوں، اسی لیے قرآن کریم نے مشرک عورتوں سے نکاح اور مسلمان خواتین کا مشرک مردوں سے نکاح

---

❶ النساء 21:4 ❷ البقرة 187:2

❸ النحل 72:16 ❹ الفرقان 74:25

حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

''اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلی ہی لگے، اور تم (مسلمان عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ غلام مومن مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلا ہی لگے۔ یہ (مشرک لوگ) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے تمھیں جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔'' [1]

اس آیت کا خاتمہ اس حرمت کی حکمت پر کیا گیا ہے۔ دوزخ کی طرف دعوت دینے والے مشرکوں اور جنت کی طرف بلانے والے مومنوں کے مابین کس قدر فرق اور فاصلہ ہے!

بلاشبہ قرآن کریم نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کی رخصت دی ہے کیونکہ وہ بھی بنیادی طور پر آسمانی دین (یہودیت یا نصرانیت) پر ایمان رکھتی ہیں، یعنی اللہ، اس کے نبی کی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں اگرچہ یہ ایمان ملاوٹی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ﴾

[1] البقرة 221:2

''اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے، اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے، اور تمھارے لیے پاک دامن مسلمان عورتیں، اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جبکہ تم انھیں ان کے مہر دے دو، نیز انھیں نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والے۔'' [1]

چونکہ مسلمان کتابیہ عورت کے دین کی اصلیت کا اعتراف کرتا ہے، لہٰذا وہ اس عورت پر کوئی ظلم یا زیادتی کرے گا نہ اس کے حقوق تلف کرے گا۔ اس کے برعکس اہل کتاب مرد مسلمان خاتون کے دین کی اصلیت کا اعتراف کرتا ہے نہ اس کتاب کا جس پر وہ ایمان لائی ہے اور نہ اس نبی کو مانتا ہے جس کی وہ خاتون پیروی کرتی ہے۔ اسی بنا پر اجماع ہے کہ مسلمان خاتون کا غیر مسلم مرد سے نکاح حرام ہے چاہے وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہو۔ [2]

❁ **عورت سے انصاف اور ظلم وستم سے اس کی خلاصی:** وہ اہم امور جنھیں قرآن کریم بنی نوع انسان کی فلاح کا ذریعہ قرار دیتا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عورت کے لیے انصاف اور ایام جاہلیت کے مظالم سے نجات کا پیغام لایا ہے۔ دین اسلام سے پہلے تمام امتوں میں حتیٰ کہ اہل کتاب کی شریعتوں اور قوانین میں بھی عورتیں بہت مظلوم تھیں۔ ان کی حیثیت لونڈیوں سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ وہ بے حد حقیر سمجھی جاتی تھیں۔ سفاکی کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا حتیٰ کہ جب اسلام آیا اور قرآن کریم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے خواتین کو وہ تمام حقوق مرحمت فرمائے جو اس نے مرد کو عطا کیے تھے ماسوا ان احکام کے جن کا تعلق خاص نسوانی معاملات وفرائض سے ہے۔ ان معاملات میں بھی خواتین کی تکریم ملحوظ رکھی گئی ہے اور ان سے شفقت ورحمت اور ہمدردانہ سلوک کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ [3]

---

[1] المائدة 5:5

[2] کیف نتعامل مع القرآن العظیم، ص : 108-111

[3] الوحی المحمدی، ص : 216

قرآن کریم نے بلا جواز عورت کی قسمت کے فیصلے کے سلسلے میں مرد کی آمریت قائم نہیں کی بلکہ جائز حدود میں عورت کو بھی بھرپور آزادی بخشی ہے اور بحیثیت انسان اسے اس کے تمام حقوق دیے ہیں۔ رشتے کے لحاظ سے عورت کی متعدد محترم حیثیتیں ہیں۔ وہ ماں ہے، وہ بیٹی ہے، وہ بہن ہے، وہ بیوی ہے۔ ان تمام مقدس رشتوں کے اعتبار سے عورت کو جو معاشرتی عظمت و وقار نصیب ہوا ہے وہ قرآن کریم ہی کی دین ہے۔[1]

قرآن کریم نے عورت کو اس کے تمام حقوق عطا کیے ہیں اور ان حقوق کی نگہداشت کا خاص خیال بھی رکھا ہے، نیز اسے جاہلیت کے ظلم سے آزاد کیا ہے۔ قرآن کریم نے عورت کو جو بے مثال شرف بخشا ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ''سبع طِوال'' یعنی سات لمبی سورتوں میں سے ایک سورت (سورۂ نساء) کو خواتین ہی کے نام سے منسوب کیا ہے۔ یہ سورت زندگی کے مختلف شعبوں میں عورت کو ایسے حقوق عطا کرتی ہے جو جاہلیت کے اولین دور میں عورت کو حاصل نہیں تھے۔

قرآن کریم کے عورت سے انصاف اور جاہلیت کے مظالم سے اسے آزادی دلانے کے مظاہر میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① جس طرح مرد کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے اسی طرح عورت کی زندگی کے حق کی تاکید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کی گئی ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝﴾

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور

---

[1] الوحی المحمدی، ص:112

وہ غم وغصہ سے بھرا ہوتا ہے۔ وہ اس عار کے باعث جس کی اسے بشارت دی گئی، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، (سوچتا ہے) کیا اپنی توہین کے باوجود اسے باقی رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ آگاہ رہو! بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''[1]

② عورت کے حق ملکیت اور جو کچھ وہ حلال طریقے سے کماتی ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا حق اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں تسلیم کیا ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ ۗ﴾

''مردوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے، اور تم اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو۔''[2]

③ اللہ تعالیٰ نے عورت کو جاہلیت کے ظلم سے کامل نجات بخشی ہے حتی کہ کھانے کے معاملے میں بھی عورت کو انصاف مہیا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا ۖ وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ○﴾

''اور انھوں (مشرکوں) نے کہا کہ ان (حرام کیے ہوئے) چوپایوں کے پیٹ میں جو بچہ ہو وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہو تو مرد اور عورتیں سب اس میں شریک ہیں۔ جلد ہی اللہ انھیں اس طرح (خود ہی حلال اور حرام) طے کرنے کی سزا دے گا، بے شک وہ بڑی حکمت والا اور خوب جاننے والا ہے۔''[3]

---

[1] النحل 16:58-59 [2] النساء 4:32 [3] الأنعام 6:139

④ متقی ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں عورت کو وہی شرف وعزت حاصل ہے جو مرد کو بشرط تقویٰ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی میں اسی حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ﴾

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے۔''[1]

⑤ خواتین کے لیے ان کے اعمال کا ثواب اسی طرح ثابت ہے جس طرح مردوں کے لیے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ﴾

''پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔''[2]

⑥ وراثت میں مرد کے حق کے مانند اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں عورت کے حق کی ضمانت دی ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝﴾

---

[1] الحجرات 13:49 [2] آل عمران 195:3

”مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، (یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔“[1]

⑦ اللہ تعالیٰ نے عورت کو حق مہر کی ضمانت دی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے:

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ﴾

”اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو۔“[2]

⑧ اللہ تعالیٰ نے مردوں پر عورتوں کا مال ناحق لینا حرام قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ۔“[3]

نیز فرمایا:

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ۝﴾

”اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو، اور تم نے ان میں سے کسی کو بہت سا مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کرتے ہوئے واپس لو گے؟“[4]

⑨ عورت کے مسکن کے بارے میں مرد کی ناحق آمریت سے عورت کو آزادی اور خلاصی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] النساء 7:4 [2] النساء 4:4

[3] النساء 19:4 [4] النساء 20:4

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ﴾

''اور جب تم عورتوں کو (پہلی بار یا دوسری) طلاق دو، پھر ان کی عدت پوری ہونے کو ہو تو انھیں دستور کے مطابق روک لو یا انھیں دستور کے مطابق چھوڑ دو اور انھیں ستانے کے لیے نہ روکو، تاکہ تم زیادتی کرو۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ یقیناً اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا۔''[1]

⑩ اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کو ترغیب دی ہے کہ عورت کو طلاق دینے کے بعد اس کی نفسیاتی اور سماجی حالت کے اعتبار سے اس پر احسان کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝﴾

''اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی دستور کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے، (یہ) متقی لوگوں پر لازم ہے۔''[2]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝﴾

''لہٰذا تم انھیں کچھ دے دلا کر نہایت اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔''[3]

⑪ مطلقہ حاملہ ہو تو اللہ نے اس کے لیے نفقہ ضروری قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے:

﴿وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ﴾

---

[1] البقرة 2:231

[2] البقرة 2:241 [3] الأحزاب 33:49

''اور اگر وہ (طلاق یافتہ) حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک تم ان پر خرچ کرو۔'' [1]

⑫ دودھ پلانے والی مطلقہ عورت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے دودھ پلانے کی اجرت مقرر کی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو تاکید فرمائی ہے:

﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾

''پھر اگر وہ (بچے کو) تمھارے لیے دودھ پلائیں تو تم انھیں ان کی اجرت دو۔'' [2]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ امتوں میں سے کسی بھی امت میں کوئی ایسا دین نہیں پایا جاتا اور نہ ایسی شریعت اور ایسا قانون ہے جس نے خواتین کو وہ حقوق، عزت اور اہمیت دی ہو جو انھیں قرآن عظیم نے عطا کی ہے۔ کیا یہ ساری باتیں قرآن کریم کی عظمت، علو مرتبت اور رفعت و برتری کی دلیل نہیں ہیں؟

مکلّف اور ذمہ دار فرد کو دنیا و آخرت میں کامیاب و بامراد بنانا

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن عظیم کی اطاعت انسان کو دنیا و آخرت میں ہدایت کی راہ دکھاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ﴾

''کہہ دیجیے! بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے۔'' [3]

مومن اپنی نماز کی ہر رکعت میں، خواہ وہ فرض ہو یا نفل، اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی درخواست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا کو یوں نقل فرمایا ہے:

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝﴾

---

[1] الطلاق 6:65

[2] الطلاق 6:65 [3] البقرة 120:2

''ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔''[1]

قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ کی جس ہدایت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس کی پیروی کرنے والا اس دنیا میں گمراہی میں مبتلا نہیں ہوتا اور آخرت میں اس کی بدبختی مٹ جاتی ہے۔ یاد رہے کہ بدبختی خوش بختی کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ○﴾

''جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔''[2]

سیدھے راستے کی طرف لے جانے والی یہ ہدایت دنیا و آخرت کی سعادت اور خوش بختی کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ان دونوں خصوصیات کو جمع کر دیا ہے۔ ان آیات میں سے ایک فرمان الٰہی یہ ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً ج وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○﴾

''جس نے نیک عمل کیے، خواہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو، تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔ اور ہم ضرور انھیں ان کا اجر و ثواب اس سے بہتر دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے۔''[3]

بے شک یہ آیت کریمہ دنیاوی سعادت کے لیے ایک نص ہے جس کا فائدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿حَیٰوةً طَیِّبَةً﴾ ''پاکیزہ زندگی'' سے عیاں ہے، اسی طرح یہ آیت اخروی سعادت اور خوش بختی پر بھی نص ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے اجاگر ہوتی ہے: ﴿وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور ہم ضرور انھیں ان کا اجر و ثواب اس سے بہتر دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے۔''

---

[1] الفاتحة 6:1 [2] طٰه 123:20 [3] النحل 97:16

❁ عام انسانی محاورے میں ''سعادت'' کا مفہوم: سعادت یا خوش بختی کا صحیح مفہوم سمجھنے میں بہت سے لوگ اکثر غلطی کر جاتے ہیں۔ وہ ماکولات، مشروبات، ملبوسات، شادیوں، لذتِ مال اور مختلف شہوات وخواہشات کی تکمیل اور لذت اندوزی ہی کو خوش بختی سمجھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تفریح اور لذت اندوزی وہ شے ہے جس میں وہ جانور بھی ان کے باہم شریک اور ہم ذوق ہیں جو عقل نہیں رکھتے بلکہ بسا اوقات جانوروں کی قسمت ان لوگوں کی قسمت سے بڑھ جاتی ہے۔

ان تفریحات اور طرح طرح کی خواہشات کو اب سے پہلے بھی آزمایا گیا ہے لیکن مطلوبہ ''سعادت'' ثابت نہیں ہونے پائی۔ وہ معاشرے اور وہ لوگ ہم سے دور نہیں ہیں جنھیں مادی زندگی کی تمام مطلوبہ آسائشیں بدرجہ اتم میسر تھیں، اس کے باوجود انھیں بدبختی اور نحوست کی مضبوط باڑ نے گھیر لیا اور وہ شکوے کرنے لگے، تنگی، انقباض اور گھٹن محسوس کرنے لگے اور ایسی راہیں تلاش کرنے لگے جن کے ذریعے سے وہ ''سعادت'' کو ڈھونڈ نکالیں۔

قرآن عظیم کی ہدایت سے ان کی دوری کے نتیجے میں دنیاوی زندگی میں ان کی بدنصیبی اور عذاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبردار کیا ہے اور ان کے مال ومتاع کی چمک دمک سے ڈرایا ہے کیونکہ یہ زائل ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾

''چنانچہ ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں، یقیناً اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں دنیا کی زندگی ہی میں عذاب دے۔''[1]

حق یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے حقیقی پاکیزہ زندگی دل کے سکون واطمینان میں پوشیدہ

---

[1] التوبة 9:55، الكليات الشرعية في القرآن الكريم: 1/192

ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ﴾

”وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں تسکین نازل کی تا کہ ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو۔“ [1]

نیز فرمایا:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝ؕ﴾

”آگاہ رہو! اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔“ [2]

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿تَطْمَىِٕنُّ﴾ میں مضارع کا صیغہ اس اطمینان کی مسلسل تجدید اور اس کے دائمی ہونے کا اشارہ کرتا ہے۔ دوام اطمینان کے لیے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس کی حفاظت کرے اور اسے اپنے سینے سے لگائے جبکہ عبادات کے بغیر اطمینان کے حصول کا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ جب انسان کو حالت اطمینان نصیب ہو جاتی ہے تو وہ دنیا بھر میں سب سے اچھی حالت میں ہوتا ہے اور آخرت میں وہ دائمی نعمتوں سے سرفراز ہوگا۔ [3]

ہم صاحب تقدیر اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں بھی دنیا و آخرت میں ان اہل سعادت اور خوش بختوں کے زمرے میں شامل فرما دے جن کے بارے میں اس نے خود فرمایا ہے:

﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝﴾

---

[1] الفتح 48:4 [2] الرعد 13:28

[3] التحریر و التنویر: 12/182

”رہے وہ لوگ جو نیک بخت بنائے گئے ہوں گے تو (وہ) جنت میں ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین (باقی) رہیں گے مگر یہ کہ آپ کا رب (کچھ اور) چاہے۔ (یہ اللہ کی) عطا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔“ [1]

اس ساری بحث سے قرآن کریم کے درج ذیل مقاصد سامنے آتے ہیں:

- **اصلاح عقائد:** تخلیق کی ابتدا، اس کے انجام اور ان دونوں کے مابین پیش آنے والے حقائق کی طرف لوگوں کی راہنمائی کے ذریعے سے عقائد کی اصلاح کرنا۔
- **اصلاح عبادات:** تزکیہ نفوس اور ارواح کو غذا مہیا کرنے والے اور عزائم کو پختہ کرنے والے امور کی طرف انسان کی راہنمائی کے ذریعے سے عبادات کی اصلاح کرنا۔
- **اصلاح اخلاق:** اخلاق حسنہ کے فضائل کی طرف راہنمائی اور اخلاق رذیلہ سے متنفر کر کے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا۔
- **اصلاح معاشرہ:** لوگوں کے مابین فاصلے پیدا کرنے والی فرقہ بندیوں کا خاتمہ کر کے تعصّبات مٹانے اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ان کی رہبری اور معاشرے کی اصلاح کرنا۔ یہ کام بہت خوش اسلوبی سے لوگوں کو یہ احساس دلا کر انجام دیا گیا ہے کہ سب ایک ہی جنس، ایک ہی جان اور ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ان سب کے باپ آدم علیہ السلام اور ماں حوا علیہا السلام ہیں۔ کسی قبیلے کو کسی دوسرے قبیلے پر کوئی فضیلت حاصل ہے نہ کسی فرد کو کسی فرد پر کوئی فوقیت حاصل ہے۔ ہاں! صاحب تقویٰ مسلمان یقیناً افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کے دین اور شریعت کی نظر میں سب مساوی ہیں۔ افضلیت، حقوق وفرائض اور ذمہ داریوں میں بلا امتیاز سبھی ہم پلہ ہیں اور بلاشبہ اسلام نے ملت اسلامیہ کے مابین ایسا رشتہ اخوت قائم کیا ہے جو نسبی اور عصبی رشتوں سے زیادہ مضبوط ہے۔ وہ سب ایک ہی امت

---

[1] هود 11:108

ہیں۔ان کے مابین جغرافیائی سرحدیں کوئی تفریق کر سکتی ہیں نہ سیاسی اور بناوٹی فاصلے ان میں دوری پیدا کر سکتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ۝﴾

''اور بلاشبہ یہ تمھاری ملت ایک ہی ملت ہے، اور میں تمھارا رب ہوں، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو۔''[1]

❁ ملکی نظام حکومت اور سیاست کی اصلاح: قرآن کریم نے لوگوں میں عدل و انصاف اور مساوات قائم کرنے اور احکام و معاملات میں محبت، دل جوئی، ہمدردی، شفقت، رحمت، حق وانصاف اور ایفائے عہد جیسے فضائل ومحاسن سے کام لینے پر زور دیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ظلم، فریب کاری، عہد شکنی، جھوٹ، خیانت، ملاوٹ، رشوت اور سود کے ذریعے سے لوگوں کا مال ناحق کھانے کے ہولناک انجام سے ڈرایا ہے، نیز دین اور خرافات کی تجارت جیسے گھٹیا اور مذموم کاموں سے اجتناب کا حکم دیا۔اس طرح قرآن کریم نے سیاست کی اصلاح کی۔

❁ مالی اصلاح: قرآن کریم نے میانہ روی کی تاکید اور فضول خرچی اور مالی ضیاع کی ممانعت فرمائی ہے۔نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا لازم ٹھہرایا ہے۔ادائے حقوق پر زور دیا ہے اور مال کمانے کے لیے جائز اور شرعی حدود میں رہ کر کوشش کرنے کی ہدایت کی ہے۔یوں قرآن عظیم نے انسان کی مالی اصلاح کی ہے۔

❁ اصلاحِ خواتین: قرآن کریم نے عورت کی حفاظت اور اس کا احترام کرکے اور اسے تمام انسانی، دینی، دنیاوی اور رہائشی حقوق دے کر اس کی اصلاح فرمائی ہے۔

❁ اصلاحِ حرب: قرآن کریم نے ناگزیر حالات میں جنگ کی نوبت آجانے پر حرب وضرب کے قواعد بھی مہذب بنا دیے ہیں۔جنگ کے آغاز اور اختتام پر انسانیت کی بھلائی کے لیے

---

[1] المؤمنون 52:23

جنگ کو سلامتی والے قواعد سے مشروط کیا ہے۔ عین حالت جنگ میں بھی عدل اور رحمت وشفقت کے تقاضے پورے کرنے پر زور دیا ہے اور معاہدوں کی پاسداری واجب قرار دی ہے۔

❁ غلامی کے خلاف جنگ: قرآن کریم نے غلامی کا سدباب کرنے کے لیے مختلف طریقوں سے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ قتل، ظہار، روزے کے فاسد ہونے اور قسم شکنی یا غلام کو تھپڑ مارنے یا ضرب لگانے کے کفارے میں غلام کی آزادی کا ذکر ملتا ہے۔

❁ فکر ونظر کی آزادی: قرآن کریم ہر قسم کے جبر اور ظلم وستم کے خلاف ہے اور آمریت اور مطلق العنانیت کی مذمت کرتا ہے۔ قرآن کریم نے مذہبی جبر اور تسلط کی ممانعت کی ہے اور انسانوں کو فکری آزادی عطا کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾

''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝﴾

''چنانچہ آپ نصیحت کیجیے۔ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر کوئی فوج دار نہیں۔''[2]

---

[1] البقرة 256:2 [2] الغاشية 22-21:88

قرآنی شریعت اور قانون سازی کی عظمت

قرآن عظیم کا فیضان صحیح عقیدے اور خالق کائنات اللہ جل جلالہ کی توحید تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں وہ تمام امور شامل ہیں جن کی بنیاد توحید پر ہے، مثلاً: طرز عمل اور کردار کی پاکیزگی، عقل و وجدان کی تربیت، اصلاحِ معاشرت اور عدل کے اصولوں کا نفاذ و اجرا وغیرہ۔

بلاشبہ قرآن کریم ان تمام اعمال کے اصولوں پر مشتمل ہے جن کا مسلمانوں کو مکلف بنایا گیا ہے، مثلاً: مالی، بدنی اور اجتماعی خالص عبادات۔ بلاشبہ یہ عبادات اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اسلام کی بنیاد ہیں۔

قرآن عظیم چھ ہزار دو سو چھتیس (6236) آیات پر مشتمل ہے جو مجمل یا مفصل طور پر عبادات، عقائد، ذمہ داریوں، اصول و احکام، معاملات، امن و سلامتی اور حالت جنگ میں قوموں اور قبیلوں کے باہمی تعلقات، اصولِ جہاں بانی، قیام عدل، اجتماعی انصاف اور اجتماعی یکجہتی کے سلسلے میں گرانمایہ احکام و ہدایات کا خزینہ ہیں۔ مزید برآں انھی آیات مقدسہ سے معاشرے کی تعمیر و ترقی اور اخلاقی، ادبی اور علمی اعتبار سے کامل اور مثالی مسلمان بننے کی رہنمائی ملتی ہے۔

قرآن عظیم عدل وانصاف پر مبنی قوانین اور شریعت لے کر آیا ہے۔ یہ قوانین شریعت کی تمام فروعات کے عام اصولوں اور کلی احکام پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝ ﴾

''اور ہم نے ہر چیز خوب تفصیل سے بیان کر دی ہے۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾

''اور ہم نے آپ پر ہر چیز کھول کر بیان کرنے والی کتاب نازل کی ہے۔''[2]

حق یہ ہے کہ قرآن عظیم ایک درخشاں شاہراہ ہدایت اور ایک جامع دستور حیات ہے جو عبادات، معاملات، خاندان، میراث، قابل تعزیر جرائم، حدود اور نظام حکومت، غرضیکہ زمانے اور زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں دوٹوک فیصلے اور ابدی اصول لایا ہے۔

معاشی اور تمدنی معاملات کی آیات میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد عالی یہ ہے:

﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ ﴾

''اور تم اپنے وہ مال نادان لوگوں کے سپرد نہ کرو جو اللہ نے تمھارے لیے گزر بسر کا ذریعہ بنائے ہیں، البتہ ان میں سے انھیں کھانے اور پہننے کے لیے دو اور ان سے اچھی بات کہو۔''[3]

شخصی احوال کے متعلق آیات میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ ہے:

﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ

---

[1] بني إسرآء يل 12:17 [2] النحل 89:16 [3] النساء 5:4

اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○﴾

”اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ حکم) اس شخص کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔ (اس صورت میں) باپ کے ذمے ہے کہ ان (کی ماؤں) کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دے، کسی جان پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالا جائے، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے (تنگ کیا جائے)، اور (اگر باپ مر جائے تو) اس کے وارث کا یہی ذمہ ہے، پھر اگر دونوں (ماں باپ) آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اگر تم ارادہ کرو کہ اپنی اولاد کو کسی اور عورت سے دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم اس معاوضے کی ادائیگی کر دو جو تم نے دستور کے مطابق دینا طے کیا ہو۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ تمھارے ہر عمل پر کڑی نگاہ رکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔“[1]

آیات میراث میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ○﴾

”مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جائیں،

[1] البقرة 233:2

(یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔'' [1]

قابل تعزیر جرائم سے متعلقہ آیات میں سے ایک فرمان الٰہی یہ ہے:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ۝﴾

''اور ہم نے (تورات میں) ان کے لیے لکھ دیا تھا کہ بے شک جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کا قصاص ہے، پھر جو شخص اسے معاف کر دے تو یہ اس کے لیے (گناہوں کا) کفارہ ہے، اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی ظالم ہیں۔'' [2]

حدود کی آیات میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَٰنِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَٰدَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْفَٰسِقُونَ ۝﴾

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے، تو تم انھیں اسّی کوڑے مارو، اور تم ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔'' [3]

معاہدوں کے متعلق آیات میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ ہے:

﴿وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝﴾

---

[1] النساء 7:4 [2] المائدة 45:5 [3] النور 4:24

''اور (اے نبی) اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسا رکھیں۔ بے شک وہی خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان عالی شان یہ بھی ہے:

﴿ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴾

''اور اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (بدعہدی) کا خوف ہو تو برابری (کی سطح) پر ان کا عہد ان کے منہ پر دے ماریں۔ بے شک اللہ خیانت (بدعہدی) کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[2]

عمومی دفاع سے متعلق آیات میں اللہ تعالیٰ کا ایک حکم یہ ہے:

﴿ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴾

''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو (جہاد کرو) جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[3]

فیصلہ کرنے کے متعلق آیات میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴾

[1] الأنفال 61:8 [2] الأنفال 58:8 [3] البقرة 190:2

”بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔“[1]

جہاں تک اخلاقیات، آدابِ زندگی اور شخصی و اجتماعی طرزِ عمل اور کردار سے متعلقہ آیات کا تعلق ہے تو قرآن کریم ان سے بھرا پڑا ہے۔ قرآن کریم کی تمام آیات میں آپ انھیں بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ اصولِ جہاں بانی میں قرآن عظیم نے باہمی مشورے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾

”اور ان (مومنوں) کا (ہر) کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے۔“[2]

قرآن کریم نے انسانی حقوق کے احترام کے ساتھ ساتھ تمام اسباب قوت سے لیس ہونے کی بھی تاکید کی ہے ۔ اخلاقی نظام کی تشکیل کے سلسلے میں قرآن عظیم نے خلوص نیت، حق، سچائی اور نیکی کی قدروں کا دامن مضبوطی سے تھامنے اور انفرادی و اجتماعی آداب کے التزام کی تاکید فرمائی ہے اور یہ سب ایسے امور ہیں جو انسانیت کو عروج تک پہنچا دیتے ہیں۔ اجتماعی نظام کے سلسلے میں قرآن کریم نے محبت، مودت، رحمت، شفقت، خلوص، احترام، اور باہمی تعاون کی تاکید فرمائی ہے اور ہر ذمہ دار و نگہبان کو احساس جوابدہی کے ساتھ خوش اسلوبی

---

[1] النساء 4:58-59 [2] الشوریٰ 42:38

سے اپنی ذمے داریاں پوری کرتے ہوئے متحد و مربوط خاندان کی تشکیل کی دعوت دی ہے۔

قرآن کریم نے معاشی واقتصادی نظام کے سلسلے میں منافع کے تبادلے اور انفرادی ملکیت کے احترام کی دعوت دی ہے اور اس کی خاص طور پر تلقین کی ہے کہ مال کو محض وسیلہ بنایا جائے اور اسے مقصد حیات نہ سمجھا جائے۔

نظام شریعت کی تشکیل و نفاذ کے سلسلے میں قرآن عظیم وسیع اور جامع اصولوں پر قائم ہے جو اسلامی فقہ کے عظیم سرمائے میں نئے امکانات کا تصور پیش کرتے ہیں۔ [1]

حق یہ ہے کہ قرآن کریم اور اس کی قانون سازی کا بیان ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا۔ جس طرح قرآن عظیم اپنے بیان و کلام میں معجزہ ہے، اسی طرح فی الحقیقت وہ اپنی شریعت اور قانون سازی میں بھی ایک معجزہ ہے۔

قرآنی شریعت اور قانون سازی کا امتیاز

اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت نے انسانیت کو قرآن کریم اس وقت عطا کرنے کا فیصلہ کیا جبکہ رومی قانون کے نفاذ پر تیرہ صدیاں گزر چکی تھیں۔ یہ قانون اس دور کے متمدن ممالک کا محور و مرجع تھا جو اصلاح و تہذیب کے لحاظ سے اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا اور بڑے بڑے فلسفیوں، اصحابِ علم، قانون دانوں اور علم معاشرت اور علم عمرانیات کے ماہرین کی اصلاحات کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا لیکن قانون سازی کے قرآنی معجزے نے آکر ان مروجہ قوانین اور قانون دانوں، فلسفے اور فلسفیوں کو اسی طرح چیلنج کیا جس طرح اس نے اس سے پہلے اہل لغت کو چیلنج دیا تھا۔

---

[1] مع كتاب الله، أحمد عبدالرحيم السايح، مجلة الجامعة الإسلامية بالمدينة النبوية، عدد: 40، ربيع الأول 1398ھ ،ص:23-27

ہر انصاف پسند محقق قرآن عظیم کے قوانین اور دیگر قوانین کے درمیان زمین و آسمان کا فرق پائے گا کیونکہ قرآنی قوانین اپنی جامعیت اور عالی مرتبت ہونے میں بے مثال ہیں۔ قرآنی قوانین میں فطرت انسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ قوانین منفی پہلوؤں اور ہر طرح کے عیوب سے خالی ہیں اور ان کا ماخذ صرف اور صرف ذاتِ الٰہی ہے۔ [1]

بلا شبہ قرآن کریم ایسے احکام پر مشتمل ہے جو معاشرے کی تنظیم اور مودت، محبت، رحمت و شفقت اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کے تمام افراد کے درمیان تعلقات کے قیام سے تعلق رکھتے ہیں۔ زمینی قوانین میں سے کوئی قانون اور شریعتوں میں سے کوئی شریعت ان امور میں قرآن کریم پر سبقت نہیں لے جا سکی۔ حق یہ ہے کہ حق و باطل کا باہمی موازنہ نہیں کیا جا سکتا، تاہم جب ہم یونانی اور رومی قوانین اور مصلحین کے وضع کردہ قوانین اور نظاموں کے مقابلے میں قرآنی قوانین کا جائزہ لیتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ دیگر تمام وضعی قوانین معقولیت سے خالی ہیں۔ [2]

ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز لکھتے ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک قرآن عظیم کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ قرآن کریم صرف نماز کی کتاب ہے نہ یہ محض نبوی دعاؤں کا مجموعہ، یہ خالی روح کی غذا ہے نہ محض روحانی تسبیحات کا نام ہے بلکہ یہ جہاں بانی کے لیے جامع دستور و قانون، علوم کا خزانہ اور قوموں اور نسلوں کا آئینہ ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم عہد حاضر کی سوغات اور مستقبل کی امید ہے۔'' [3]

قرآنی قانون سازی کی عظمت کے نمایاں پہلو درج ذیل نکات کی شکل میں سامنے

---

[1] إعجاز القرآن، الأستاذ الدكتور فضل حسن عباس و سناء فضل عباس، ص:291-292

[2] المعجزة الكبرى، محمد أبو زهرة، ص:385

[3] دراسات إسلامية في العلاقات الاجتماعية والدولية، الدكتور محمد عبدالله دراز، ص:31

آتے ہیں:

قرآنی شریعت اور قانون سازی کی عظمت

قرآنی شریعت کی تشکیل اور قانون سازی کے خصائص میں سے ایک خاص چیز یہ ہے کہ قرآن کریم اپنی جامعیت اور کمال میں بے مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد قرآنی قانون سازی کے کمال پر دلالت کرتا ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔'' [1]

کمال جامعیت کے حامل اس فرمان الٰہی کا مفہوم یہ ہے کہ قرآنی قانون سازی میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کے لوگ محتاج ہیں، لہٰذا تمام احوال، ادوار اور علاقوں میں کبھی کوئی ایسا واقعہ یا معاملہ پیش نہیں آیا جس کے بارے میں شریعت نے کوئی فیصلہ کن حکم نہیں دیا۔ قرآنی شریعت کے مقاصد تمام حالات و حوادث میں قیامت تک کے لیے عام ہیں۔ یہ وصف صرف قرآنی قانون سازی اور شریعت ہی کے ساتھ خاص ہے۔ کسی دوسری شریعت میں یہ خوبی نہیں ہے کہ وہ دوسری شریعتوں سے کامل طور پر بے نیاز ہو۔ صرف قرآنی شریعت ہی بذات خود اکمل اور دوسری تمام شریعتوں سے بے نیاز ہے۔

اسلام سے پہلے سب سے بڑی شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تھی، وہ بھی بنی اسرائیل کے علاوہ کسی دوسری قوم سے مخاطب نہیں ہوئی اور نہ اس نے اس جامعیت اور عمومیت کا دعویٰ کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے شریعت قرآنی کو ممتاز کیا ہے۔ [2]

---

[1] المائدة 3:5

[2] الحكم والتحاكم في خطاب الوحي، عبدالعزيز مصطفى كامل: 376/1

قرآنی شریعت انسان کی دنیاوی، اخروی، انفرادی اور اجتماعی بھلائیوں کی حامل ہے۔ یہ ایسی شریعت ہے جو آخرت کے بغیر دنیا کو اور دنیا کے بغیر آخرت کو ادھورا سمجھتی ہے، فرد کے بغیر جماعت کو اور جماعت کے بغیر فرد کو نامکمل سمجھتی ہے۔ اس کے نزدیک فرد ایک جزا اور عضو ہے اور جماعت کل اور سالم جسم ہے۔ یہ شریعت روح کے بغیر محض جسم کے لیے ہے نہ جذبات سے خالی عقل کے لیے ہے۔ بے شک یہ ایک کامل، جامع اور عظیم شریعت ہے جو دینی بھلائیوں اور دنیاوی منافع دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلتی ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں کے تقاضے پیش نگاہ رکھنے کا اثبات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے اجاگر ہے:

﴿وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾

''اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے، تو اس سے آخرت کا گھر تلاش کر، اور تو دنیا میں بھی اپنا حصہ مت بھول۔''[1]

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کا مفہوم یہ ہے کہ حلال سے مستفید ہونے، اسے طلب کرنے اور اپنی دنیا کے انجام پر نظر رکھنے کے سلسلے میں اپنی دنیا کے حصے، یعنی زندگی کو برباد مت کر۔''[2]

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی قانون سازی سے متعلقہ نصوص خشک اور بے لچک نہیں ہیں بلکہ وہ انسان کے دل، اس کی عقل اور احساسات سے مخاطب ہوتی ہیں اور انسانی قلوب میں پوشیدہ ایمان کو اس طرح کے فرامین ربانی کے ذریعے سے متحرک کر دیتی ہیں: ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ ''اگر تم مومن ہو۔'' ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ''تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرلو۔'' ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ ''تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔'' ﴿مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ...... ﴾ ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔''

---

[1] القصص 28:77 [2] تفسیر القرطبی: 13/326

اس طرز تخاطب سے مسلمانوں کے دل میں ایمان کی بجلیاں کوندنے لگتی ہیں، چنانچہ اس اندازِ بیان سے متاثر ہونے والا شخص بہت زیادہ مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے اور دین سے وابستگی اور نظم وضبط کے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ یہ چیز ان وضعی قوانین کے یکسر برعکس ہے جو درحقیقت ایمان کے ستونوں پر قائم ہوتے ہیں نہ اپنے اسلوب کار میں انسان کے محسوسات کا کوئی پاس یا لحاظ رکھتے ہیں۔ وہ محض بے لچک، بے مروت اور خشک اوامر ونواہی ہوتے ہیں جو صرف ظاہری علاج اور نری دنیا کی بات کرتے ہیں، مزید برآں ان کا علاج کمزور، ان کی بات ناقص اور ان کا اسلوب کار گھٹیا ہوتا ہے۔[1]

قرآنی قوانین میں دنیا اور آخرت کے تقاضوں کے مابین توازن رکھنے پر جو زور دیا گیا ہے اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ قانون شریعت بندوں کی بہتری اور فائدے کے لیے بنایا گیا ہے اور اسے احکم الحاکمین (سب حکمت والوں سے بڑھ کر حکمت والے) نے بنایا ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے مفادات اور ان کے احوال سب سے زیادہ جانتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾

''بھلا وہ نہ جانے گا جس نے (سب کو) پیدا کیا اور وہی باریک بین باخبر ہے۔''[2]

جہاں تک وضعی قوانین کا تعلق ہے، ان کا مقصود فقط دُنیا کی فلاح و بہبود ہے، مزید برآں وہ فرد اور جماعت کے مفادات کے مابین امتیاز سے بھی یکسر عاجز ہیں۔[3]

اس تمام بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآنی شریعت کی ہمہ گیری اور جامعیت درج ذیل امور کا تقاضا کرتی ہے:

---

1. من مزايا التشريع الإسلامي، محمد بن ناصر السحيباني، مجلة الجامعة الإسلامية......
2. الملك 67:14
3. المقاصد العامة للشريعة الإسلامية، الدكتور يوسف حامدعالم، ص:46-47

❁ زمانی عموم: یہ شریعت اور قانون حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک واجب الاتباع ہے۔ کسی اور قانون، شریعت، مذہب اور نظام کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ مسلسل اس کے خلاف مزاحمت کرے۔

❁ مکانی عموم: چونکہ یہ شریعت کسی مزاحمت کرنے والے یا مقابلہ کرنے والے کی رکاوٹ کے بغیر بلا شرکت غیرے پورے کرۂ ارض کے لیے ہے، لہٰذا اسے باعتبار علاقہ بھی کامل عمومیت حاصل ہے۔ یہ رُوئے زمین کے تمام خطوں، منطقوں، میدانوں، پہاڑوں، وادیوں، سمندروں، دریاؤں، کھائیوں اور فضاؤں کے لیے شریعت ہے، بلکہ یہ اس کائنات کے تمام اجرام فلکی (چاند، سورج، ستاروں اور سیاروں) کی شریعت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾

''آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں وہ سب رحمٰن کے پاس غلام بن کر آئیں گے۔'' [1]

❁ بشری عموم: جنسوں، نسلوں، قوموں، رنگوں اور زبانوں کے اختلاف کے باوجود یہ قانونِ شریعت ہر انسان کے لیے حتیٰ کہ جنوں کے لیے بھی واجب الاتباع ہے۔ یہ شریعت بلاامتیاز ہر ایک کے لیے ہے۔ چاہے وہ کسی بھی حالت میں ہو اور کہیں بھی ہو، خواہ روئے زمین پر ہو، یا اگر کوئی فضائی سفر کی استطاعت رکھتا ہو تو بھلے وہ آسمان پر چڑھ جائے، ستاروں تک جا سکے تو ان پر اتر پڑے، اس شریعت کی پابندی اس کے لیے بہرحال شرط لازم ہے۔ اس کے لیے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ وہ اس سے الگ ہو جائے۔ وہ اسے چھوڑ سکتا ہے نہ اس سے بھاگ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] مریم 19:93، المقاصد العامة للشريعة الإسلامية، دكتور يوسف حامد عالم، ص:46-47

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

''اور میں نے جن اور انسان اسی لیے تو پیدا کیے ہیں کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔'' [1]

نیز فرمایا:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾

''کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' [2]

- بہ اعتبار موضوع: یہ شریعت و قانون ہر چیز کے لیے ہے، یہ تمام لوگوں اور تمام اشیاء کے لیے نیز ان کی ہر حالت کے لیے ہے۔ قرآنی شریعت نے مردوں کے حقوق بھی مقرر کیے ہیں اور مرنے کے بعد جو حرمت ہے اس کی پاسداری بھی کی ہے۔ اس نے جانوروں سے شفقت، نرمی اور رحم و کرم کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، نیز نظامِ حکومت، معاشرے حتیٰ کہ پوری کائنات اور مخلوقات کا خیال رکھا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾

''ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جس کا ذکر نہ کیا ہو)۔'' [3]

قرآنی شریعت کا دوام

عظیم قرآنی شریعت اس اعتبار سے بھی ممتاز ہے کہ یہ اس وقت تک قائم رہے گی جب اللہ تعالیٰ زمین کا اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اس کا وارث بن جائے گا، لہٰذا کوئی ترمیم اس کے قریب پھٹک سکتی ہے نہ اس میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنی شریعت اپنے احکام میں نرم اور لچک دار ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اصولوں میں بڑی مضبوط

[1] الذاريات 56:51 [2] الأعراف 158:7
[3] الأنعام 38:6، من مزايا التشريع الإسلامي، ص: 70-73

اور راسخ ہے۔ وہ اس درخت سے مشابہت رکھتی ہے جس کی جڑیں بہت مضبوط اور اس کی شاخیں متحرک ہوں۔

قرآنی شریعت کے دوام واستمرار اور ہمیشگی پر دلالت کرنے والے چند امور درج ذیل ہیں:

فرمان الٰہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝﴾

''وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند ہی کریں۔''[1]

یہ نص مطلق ہے اور کسی زمانے کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾

''بے شک ہم نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''[2]

قرآنی شریعت کے معاملے میں غور وفکر کرنے والا شخص فوراً سمجھ جاتا ہے کہ قرآن کریم کے دو عظیم الشان محافظ ہیں جن کی حفاظت میں قرآن کریم تاابد محفوظ ہے۔

- قرآن کریم براہ راست اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے اور اسی قادر مطلق نے بہ نفس نفیس اپنی کتاب کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔
- اس شریعت میں حفاظت کا ذاتی اہتمام بھی ہے جو خود نفاذ شریعت کے عمل میں مضمر ہے۔

جب اس شریعت کو لاگو کیا جاتا ہے اور اہل شریعت اس پر کاربند ہوتے ہیں، اس کے فرائض انجام دیتے ہیں اور حدود کو ضائع اور پامال نہیں کرتے تو درحقیقت اس میں ہیشگی

---

[1] الصف 9:61

[2] الحجر 9:15 ، من مزايا التشريع الإسلامی، ص: 75

اور بقا کے عوامل مخفی ہوتے ہیں۔

اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ تمام حدود، قوانین اور شعائر جو دین کی حفاظت کرتے ہیں انھیں قائم کیا جائے، مثلاً: قیامِ نماز کا اہتمام اور اسے ترک کرنے والے کی سزا کا انتظام کیا جائے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کا فریضہ سرانجام دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کی ذمہ داری بخوبی پوری کی جائے۔ [1]

قرآنی شریعت کے دوام اور اس کے انسانی زندگی کے لیے صحیح اور واحد راہِ عمل ہونے سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

- بلاشبہ یہ شریعت عدلِ مطلق پر قائم ہے کیونکہ جس ذاتِ عالی نے یہ کائنات بنائی ہے وہی حقیقی علم رکھتا ہے جس سے عدلِ مطلق بروئے کار لایا جا سکتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ عدل کا نفاذ و اطلاق کس طرح یقینی ہو سکتا ہے۔
- بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی شریعت ہر میلان اور ہر عصبیت سے ٹھیک اسی طرح بری ہے جس طرح وہ جہالت، کوتاہی، غلو اور افراط و تفریط سے پاک ہے اور یہ وہ بے مثال خوبی ہے جس کا بے کنار خواہشات، میلانات، رجحانات اور طرح طرح کی عصبیتوں کے مارے ضعیف انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں موجود ہونے کا کوئی امکان نہیں، چاہے اسے بنانے والا ایک فرد ہو یا ادارہ، کوئی طبقہ ہو یا گروہ یا انسانی نسلوں میں سے کوئی نسل یا قوم ہو۔ انسان کا وضع کردہ کوئی قانون کسی کمزوری اور خامی سے یکسر پاک نہیں ہو سکتا۔
- بے شک قرآنی شریعت و قانون کائنات کے تمام فطری قوانین سے پوری طرح ہم آہنگ ہے کیونکہ جس ذاتِ عالی نے یہ شریعت بنائی ہے وہ اس کائنات کا خالق ہے، لہٰذا جب اس نے انسان کے لیے شریعت کا تعین فرمایا تو اس نے ایسا قانون بنایا جو درحقیقت

[1] الحكم والتحاكم في خطاب الوحي: 369/1

انسان کے کائنات کا اہم ترین عنصر ہونے کے اعتبار سے انسان کے لیے نہایت موزوں ہے۔ کائنات کے تمام عناصر پر انسان کا غلبہ ہے اور وہ سب خالق کائنات کے حکم سے اس کے مطیع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اور اس کائنات کی حرکت کے درمیان جس میں وہ رہتا ہے، مکمل یکسانیت، یکجہتی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

- بلاشبہ قرآنی شریعت ہی وہ واحد شریعت ہے جس میں انسان دوسرے انسان کی محکومی و بندگی سے آزاد ہے۔ اسلامی منہج کے سوا تمام مناہج اور مذاہب میں بعض لوگ اپنے ہی بعض لوگوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیتے ہیں۔ جہاں تک دینِ اسلام کا تعلق ہے، اس میں لوگ بندوں کی عبادت سے چھٹکارا پا کر بندوں کے رب کی عبادت کرتے ہیں، جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔
- بلاشبہ قرآنی شریعت ایک ایسا منہج ہے جو انسانی وجود کی حقیقت، انسانی ضروریات اور جس کائنات میں انسان رہ رہا ہے اس کی حقیقت اور اس کا انتظام کرنے والے نگرانوں کے اوصاف کے بارے میں علم مطلق پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی شریعت کی بدولت انسانی افعال و مشاغل کے مابین کوئی تباہ کن تصادم پیدا ہوتا ہے نہ پروان چڑھتا ہے کیونکہ قرآنی شریعت سراپا اعتدال و توازن ہے اور یہ وہ بے مثال اور نادر خوبی ہے جو انسان کے بنائے ہوئے کسی قانون اور منہج میں تا ابد دستیاب نہیں ہو سکتی کیونکہ انسان ہر چیز کے صرف ظاہر کو جانتا ہے۔ اسے کائنات، انسان اور زندگی کے صرف انھی پہلوؤں کے بارے میں علم ہے جس سے پردے ہٹے ہوئے ہیں اور یہ ظواہر کا علم بھی صرف ایک مقررہ مدت تک محدود ہے کیونکہ دنیاوی علوم کی نت نئی تحقیقات اور انکشافات ماضی کے علمی مسلمات کی تردید کرتے رہتے ہیں۔
- قرآنی شریعت وہ منہج ہے جو تمام انسانوں کے مابین وحدت و اتفاق کے رشتے اتنے مضبوط

کر دیتا ہے کہ اس کے آگے تمام نسلی، وطنی، لسانی اور طبقاتی اختلافات اور فرقہ بندیاں معدوم ہو جاتی ہیں اور معاشرہ ایک ایسی اکائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس میں ایک ہی عزم و ارادہ متحرک رہتا ہے اور ایک ہی روح اس کا نظام چلاتی ہے۔ یہ روح انھیں متحد کر کے مشترکہ مقاصد حسنہ کی طرف لے جاتی ہے اور تمام انسان ایسے ہو جاتے ہیں جیسے وہ جسد واحد کے اعضاء ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ﴾

"جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس (اللہ) نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔"[1]

قرآنی قانونِ عدل وانصاف

اللہ تعالیٰ کے حضور تمام انسان برابر ہیں، لہٰذا قرآنی شریعت اس بنیاد پر انھیں ایک ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی قانون لوگوں کے مابین مساوات پیدا کر کے ان میں بے لاگ انصاف کے اصول قائم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ﴾

"بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں تمام بنی نوع انسان کے درمیان بر بنائے انصاف فیصلہ

---

[1] آل عمران 103:3، القرآن شریعة المجتمع، الدکتور عارف خلیل محمد ابوعید، ص: 37/35

[2] النساء 58:4

کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے برعکس یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کے مابین، یا ایک جنس کو چھوڑ کر دوسری جنس کے مابین، یا ایک رنگ والوں کو چھوڑ کر دوسرے رنگ والوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یہاں عدل سے مراد یہ ہے کہ مستحق شخص کو اس کا حق اس کے استحقاق کے مطابق دو، مظلوم پر ظلم و زیادتی ختم کراؤ اور لوگوں کے مسائل و معاملات کے حل کے لیے ایسی تدبیر کرو جس سے انھیں فائدہ پہنچے۔" [1]

عدل قرآنی قانون و شریعت کا سب سے زیادہ درخشاں پہلو ہے۔ وہ شریعت میں اجتماعیت اور طرز معاشرت کا معیار ہے۔ اسی کی بدولت جماعت کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ ہر وہ چھوٹی یا بڑی اجتماعی یکجہتی جو عدل پر قائم نہ ہو، چاہے اس میں زیادہ سے زیادہ قوت، تنظیم اور نظم و ضبط کی پابندی موجود ہو، وہ زوال سے دوچار ہونے والی ہے کیونکہ فیض رساں اور منفعت بخش نظام کی بنیاد صرف عدل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○﴾

"بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔" [2]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ ان بنیادی احکام سے تعلق رکھتی ہے جن میں پورا دین اور شریعت سمٹ آئی ہے۔" [3]

دیگر قوانین اور شریعتوں کی نسبت قرآنی شریعت میں عدل کے نہایت نتیجہ خیز اور گہرے

---

[1] التحریر و التنویر: 162/4

[2] النحل 90:16

[3] الجامع لأحکام القرآن: 285/5

معانی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنی شریعت انسانیت کے لیے ارتقائی پہلو رکھتی ہے جنھیں قرآن کریم کے اسلوب بیان اور لغت عربی کی رو سے ''عدل'' کے مترادفات سے پہچانا جا سکتا ہے۔ عدل کو (اَلْقِسطُ) سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور (اَلْقِسطُ) انصاف کے تقاضے کے مطابق پورا پورا حصہ دینے کو کہتے ہیں۔[1]

❁ قرآن عدل کی ترغیب دیتا ہے: قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اپنے انصاف پسند بندوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی صراحت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝﴾

''اور تم ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور تم انصاف کرو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''[2]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝﴾

''جو لوگ تم سے دین کے معاملے میں نہیں لڑے اور انھوں نے تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تمھیں ان سے بھلائی کرنے اور ان سے انصاف کرنے سے نہیں روکتا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''[3]

بسا اوقات قرآن عظیم ''عدل'' کو میزان سے بھی تعبیر کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝﴾

---

[1] المفردات فی غریب القرآن، ص: 403
[2] الحجرات 9:49
[3] الممتحنة 8:60

''اور آسمان کو اسی (رحمٰن) نے بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی۔'' ❶

یہاں ﴿الْمِيْزَانَ﴾ ''ترازو'' سے مقصود عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ○ وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ○﴾

''تاکہ تم تولنے میں گڑبڑ نہ کرو، اور تم انصاف سے وزن کرو، اور تول میں کمی نہ کرو۔'' ❷

''یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح آسمان و زمین کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا کیا، اسی طرح تم بھی عدل کرو تاکہ تمام اشیاء حق و عدل پر قائم ہو جائیں۔'' ❸

سورۃ الرحمٰن کی مذکورہ بالا آیات سے پہلی آیات میں غور و فکر کرنے والا شخص یہ حقیقت بخوبی سمجھ لیتا ہے کہ یہ آیات انسانی تخلیق کی نعمت، وحی کی نعمت، کائنات کی عبودیت اور بندگی اور کائنات کے عدل اور میزان پر قائم ہونے کے بارے میں آگہی بخشتی ہیں۔ اس کے بعد ہمارے لیے عدل، میزان، انصاف اور قسط (منصفی) کا حکم آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورت کے آغاز میں فرمایا ہے:

﴿ اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ○ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ○ وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ○﴾

''اللہ رحمٰن (ہے)، اسی نے قرآن سکھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا، اسے بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند ایک حساب سے (چلتے) ہیں، اور بیلیں اور درخت سجدہ کرتے ہیں اور آسمان کو اسی (رحمٰن) نے بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی تاکہ تم تولنے میں گڑبڑ نہ کرو، اور تم انصاف سے وزن کرو اور تول میں کمی نہ کرو۔'' ❹

---

❶ الرحمٰن 7:55 ❷ الرحمٰن 8:55-9

❸ تفسیر ابن کثیر: 495/7 ❹ الرحمٰن 1:55-9

چنانچہ قرآن عظیم میں بیان کردہ عدل کا راسخ ہونا قابلِ فہم ہے جسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ عدلِ قرآنی کوئی ایسی دستاویز نہیں جسے شق وار ترتیب کے ساتھ قانونی حیثیت دے کر معرضِ تحریر میں لایا گیا ہو اور جسے مجلّد کر کے دفاتر میں رکھا جائے ، پھر وہ سرکاری ریکارڈ یا الماریوں کی زینت بنے۔ میرے رب کی قسم، قرآنی عدل ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ قرآنی شریعت میں عدل کو ابدی اور لازوال قدر و منزلت حاصل ہے اور یہ پوری کائنات پر محیط ہے جیسا کہ سورۂ رحمٰن کی گزشتہ آیات میں یہ بات گزر چکی ہے۔[1]

بلاشبہ قرآن عظیم نے عدل کی قدر و منزلت بہت بڑھا دی ہے، حتیٰ کہ اسے توحید سے مربوط کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ﴾

”اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، فرشتوں اور اہل علم نے بھی (گواہی دی ہے)، حالانکہ وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غالب ہے، خوب حکمت والا۔“[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے معزز فرشتوں ، انبیائے کرام اور مومنوں میں سے اہل علم کی اس گواہی کا تذکرہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کا نظم و نسق عدل سے چلا رہا ہے۔[3]

جب عدل کو توحید کے ساتھ قائم کیا گیا تو ظلم بھی اس پستی کو پہنچ گیا کہ وہ شرک کا ہم پلہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] الحکم و التحا کم فی خطاب الوحی: 1/404-406

[2] آل عمران 3:18

[3] تفسیر الجلالین، ص: 67

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ○﴾

”بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ نے شرک کو حرام قرار دیا ہے اور بنی نوع انسان کو، خواہ وہ کافر ہی ہوں، شرک سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عدل سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں اور ظلم سے بڑھ کر کوئی چیز مغضوب اور ناپسندیدہ نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

«يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا»

”اے میرے بندو! بلاشبہ میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دے دیا ہے اور تمھارے درمیان بھی اسے حرام ٹھہرایا ہے، لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔“ [2]

پس اللہ تعالیٰ نے بہ نفس نفیس اپنے آپ کو بندوں پر ظلم کرنے سے روکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ○﴾

”اور میں بندوں پر ظلم توڑنے والا نہیں۔“ [3]

---

[1] لقمان 13:31

[2] صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح: 2577، [إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي] کا مفہوم علماء نے یہ بیان کیا ہے: ”میں ظلم سے پاک ہوں اور اس سے بہت بالا مقام پر ہوں۔“ لغوی طور پر تحریم کا حقیقی مفہوم ”ممانعت اور روکنا“ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے ظلم سے پاک ہونے کا نام تحریم رکھا گیا ہے کیونکہ کسی چیز کے معدوم ہونے کے مفہوم میں تقدس اور پاکی ممنوع کے مشابہ ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی: 348/16)

[3] ق 29:50

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

''اور اللہ جہان والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝﴾

''اور اللہ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔''[2]

اور فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا﴾

''بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا۔''[3]

مزید فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ﴾

''بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔''[4]

اس کے باوجود کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام ہیں اور وہ جو سلوک بھی بندوں سے روا رکھے، اس کے بارے میں اس سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جا سکتا، پھر بھی اللہ تعالیٰ اپنی ذات عالی سے ظلم کی نفی فرماتا ہے۔

جس ذات عالی نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دے رکھا ہے، وہ لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتی۔ اس کی مقرر کردہ شریعت اور اس کے دیے گئے احکام عدل و انصاف کے سوا کچھ نہیں۔ پس اگر بندے دنیا و آخرت میں کامیابی چاہتے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ قرآنی

[1] المؤمن 108:3 [2] المؤمن 31:40
[3] یونس 44:10 [4] النساء 40:4

شریعت اور قانون ہی کے مطابق فیصلے کریں۔

ظلم کو حرام قرار دینے کے بالمقابل عدل کا حکم ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسی پر آسمانوں اور زمین کو قائم کیا ہے، اسی کی وجہ سے اس نے رسول بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں اور قوانین اور شریعتیں مقرر فرمائیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ﴾

''اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور ترازو نازل کی۔'' [1]

اسی طرح فرمایا:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾

''یقیناً ہم نے اپنے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ہم نے ان پر کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔'' [2]

پس حق اور میزان دونوں عدل ہیں اور یہ دونوں وہی (اَلْقِسْطُ) ''انصاف'' ہیں جس کی قرآنِ کریم نے دعوت دی ہے۔ [3]

❁ عدل کے میدان کار: اللہ تعالیٰ نے صریح طور پر اپنے رسول ﷺ کو عدل کا حکم دیا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ﴾

''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔'' [4]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو عدل کا حکم دیا ہے کیونکہ عدل تمام امور سے بڑھ کر تقویٰ

---

[1] الشوریٰ 17:42 [2] الحدید 25:57

[3] أضواء البیان: 64/7 [4] الشوریٰ 15:42

کے قریب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫ ﴾

''عدل کرو یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو زمانے اور زندگی کے ہر شعبے اور ہر معاملے میں تاحیات عدل کا حکم دیا ہے، چنانچہ قولی امور میں عدل کا حکم یوں صادر کیا ہے:

﴿ وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی ۚ ﴾

''اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو اگرچہ (معاملہ تمھارے) قریبی رشتے دار (کا) ہو۔'' [2]

فعلی امور میں مومنوں کو عدل کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۚ ﴾

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! تم انصاف کے لیے ڈٹ جانے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمھارے اپنے خلاف یا تمھارے والدین اور رشتے داروں کے خلاف ہو۔'' [3]

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو عائلی معاملات میں عدل کے ذریعے ثالث بنانے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے:

﴿ وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیۡنَهُمَا ؕ ﴾

''اور اگر تمھیں دونوں (میاں بیوی) میں جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک شخص مرد کے کنبے

---

[1] المائدة 8:5 [2] الأنعام 152:6 [3] النساء 135:4

سے اور ایک عورت کے کنبے سے منصف مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں میں موافقت پیدا کر دے گا۔''[1]

مالی معاملات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو عدل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ﴾

''اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمھارے درمیان انصاف کے ساتھ تحریر کرے۔''[2]

اور اسی طرح فرمایا:

﴿ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ﴾

''تو اس کا مختار انصاف کے ساتھ لکھوائے۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے عدالتی امور میں مومنوں کو عدل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ﴾

''اور تم اپنے میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنا لو اور اللہ کے لیے گواہی قائم کرو۔''[4]

امور عبادت میں مومنوں کو عدل کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾

''اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (حالت احرام میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہو اس کے برابر اسے ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہو گا جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں گے۔''[5]

---

[1] النساء 35:4 [2] البقرة 282:2

[3] البقرة 282:2 [4] الطلاق 2:65 [5] المائدة 95:5

ذاتی امور اور قلبی جذبات و معاملات کے بارے میں مومنوں کو عدل کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ﴾

"اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔" [1]

اللہ تعالیٰ نے سیاسی اور سرکاری معاملات میں مومنوں کو عدل کا حکم اس طرح دیا ہے:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ﴾

"اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔" [2]

مومنوں کو اغیار اور دشمنوں کے ساتھ بھی بھرپور عدل کی تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ○﴾

"اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں۔" [3]

مسلمان خواہ نیکوکار ہوں یا بدکار، ان سب کے ساتھ مومنوں کو عدل کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَاۗءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○﴾

"(اگر مومنوں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے) تو تم اس سے لڑو جو زیادتی کرتا

---

[1] المائدۃ 8:5 [2] النساء 58:4 [3] البقرۃ 193:2

ہے، حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو تم ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور تم انصاف کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''[1]

قرآن کریم کی آیات اور اس پوری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ عدل بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

''اور تم ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا دو۔ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ (معاملہ تمھارے) قریبی رشتے دار (کا) ہو اور تم اللہ کا عہد پورا کرو۔ ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''[2]

قرآنی شریعت میں عدل کے پہلو بہت زیادہ ہیں جن کا ادراک صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو دنیاوی آلائشوں سے پاک ہو کر خلوص دل سے قرآن کریم کے احکام پر غور کرتا ہے، مثلاً: خاندان، اسے تشکیل دینے، اس کا نظم ونسق چلانے اور اہل خانہ کے حقوق وفرائض کے سلسلے میں قرآنی شریعت اور قانون کے جو خصوصی احکام ہیں ان کے مقابلے میں ان قوانین کے احکام کوئی حیثیت نہیں رکھتے جن پر انسانوں نے اتفاق کر لیا ہے اور ان کے عادی ہو گئے ہیں۔ قرآنی شریعت میں باپ کے حقوق بھی ہیں اور اس پر فرائض اور پابندیاں بھی ہیں، اسی طرح ماں کا معاملہ ہے۔ بیٹے بھی اسی طرح مکلّف ہیں۔ میاں بیوی کے باہم سلوک کے متعلق

[1] الحجرات 9:49 [2] الأنعام 152:6

بھی ہم اسی قاعدے کو کارفرما دیکھتے ہیں جس کی طرف اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾

''اور دستور کے مطابق عورتوں کے (مردوں پر) ویسے ہی حقوق ہیں جیسے (مردوں کے) عورتوں پر ہیں اور مردوں کو ان پر ایک فضیلت (حاصل) ہے۔''[1]

میراث اور ورثے کی تقسیم کی بابت قرآنی شریعت کے خصوصی احکام بجائے خود عدالت شمار کیے جاتے ہیں، لہٰذا اولاد کے وجود یا عدم وجود اور بہنوں کے وجود یا عدم وجود کے مختلف احوال کے مطابق قرآنی شریعت میں باپ کے لیے اس کا حصہ ہے اور ماں کے لیے اس کا حصہ، خاوند کے لیے اس کا حصہ ہے اور بیوی کے لیے اس کا حصہ، بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے بھی حصے ہیں اور بھائیوں، بہنوں، چچاؤں اور پھوپھیوں کے لیے بھی حصے مقرر ہیں، اسی طرح یہ حقوق اہل حق کو، چاہے وہ جتنے بھی دور کے ہوں، درجہ بدرجہ پہنچ جاتے ہیں۔

جہاں تک سزاؤں کے دائرۂ کار میں شریعت قرآنی کا تعلق ہے، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قصاص اکثر شخصی جرائم کی بنیادی سزا ہے جو براہِ راست لوگوں کو دی جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ سزا انصاف کی معراج سمجھی جاتی ہے، اسی طرح حدود بھی بلاشبہ مکمل عادلانہ سزائیں ہیں۔ اس بات کا صحیح ادراک ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہم ان جرائم کی سنگینی کا جائزہ لیتے ہیں جن کی وجہ سے یہ سزائیں فرض کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَجَزَٰٓؤُا۟ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾

''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔''[2]

اور فرمایا:

---

[1] البقرة 2:228 [2] الشورىٰ 42:40

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ﴾

''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف پہنچی ہو۔'' [1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآنی شریعت کے احکام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمیشہ کے لیے نازل کردہ ہیں اور عدل اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے تو ضروری ہے کہ یہ احکام شریعت بھی محکم اور عدل والے ہوں۔ اسی وجہ سے ہم یہ حتمی نتیجہ نکالتے ہیں کہ بلاشبہ عدل قرآنی شریعت کے اوصاف میں سے ایک بنیادی وصف ہے۔ [2]

قرآنی شریعت میں عدل محض دنیا کا صرف ظاہری مساوات والا عدل نہیں بلکہ یہ لوگوں کی دنیا اور آخرت کے درمیان ایک رابطہ ہے، اس کا ایمان کے ساتھ بڑا گہرا اور مضبوط تعلق ہے اور یہی ربط و تعلق اسے دنیا کے وضعی نظام زندگی سے ممتاز کر دیتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ﴾

''اور کہہ دیجیے! اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔'' [3]

ابوسعود رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ یعنی مجھے

---

[1] النحل 126:16

[2] من مزايا التشريع الإسلامی، ص: 69-70

[3] الشوریٰ 15:42

حکم دیا گیا ہے کہ میں شریعت، قوانین اور احکام کی تبلیغ کے معاملات میں اور مقدمے اور جھگڑے کے موقع پر تمھارے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کروں...... ﴿ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہم سب کا خالق اور ہمارے معاملات کا ذمہ دار ہے۔ ﴿ لَنَآ اَعْمَالُنَا ﴾ یعنی ہمارے اعمال کا بدلہ، چاہے ثواب ہو یا عذاب، ہم سے چوک نہیں سکتا، وہ یقیناً ہمیں مل کر رہے گا ﴿ وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ﴾ یعنی تمھارے اعمال کے اثرات تمھارے ہی لیے ہیں۔ وہ تمھاری حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم تمھاری نیکیوں سے استفادہ کریں اور تمھاری برائیوں سے تکلیف اٹھائیں۔''[1]

نبی اکرم ﷺ کو فیصلے کا دن آنے تک اس دنیا میں عدل کرنے کا حکم دیا گیا اور جب وہ دن آ جائے گا جس دن سب کے سب معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے میں عدل کرنے کی ذمہ داری سنبھال لے گا۔

قرآنی شریعت اور قانونِ عدل وانصاف کے تقاضے

قرآنی قانون اور شریعت میں عدل کا مفہوم دیگر انسانی ساختہ نظاموں اور قوانین سے بہت مختلف اور ممتاز ہے۔ یہ قوانین عدل کے مفہوم کی ظاہری سطح ہی سے واقفیت رکھتے ہیں جس کا عقل ادراک کر لیتی ہے، جیسے ترازو میں پورا تولنا، خرید وفروخت میں لوگوں کے اموال نہ کھانا، ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرنا وغیرہ۔ لیکن ان قوانین سے عدل کا دوسرا پہلو اوجھل ہے جس کی گہرائی تک پہنچنا صرف اس شریعت ہی کے ذریعے سے ممکن ہے جو معصوم ومحفوظ ہے، جو قلب وضمیر کو عدل کے ذریعے سے مخاطب کرتی ہے کیونکہ اس کا صدور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، جو نہایت باریک بین اور خبردار ہے، جو دلوں کے راز اور جو

---

[1] تفسير أبي السعود: 27/8

کچھ سینوں میں چھپا ہوتا ہے اسے بخوبی جانتا ہے۔ شرعی عدل کی کئی شکلیں اور رنگ ہیں۔ اندھے، بہرے اور گونگے وضعی قوانین میں ہرگز یہ صلاحیت نہیں کہ وہ لوگوں کو عدل کی یہ مختلف صورتیں دکھا سکیں یا ان کے ذریعے سے لوگوں میں حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کر سکیں۔ پس ایسے قوانین میاں بیوی کے درمیان یا والدین اور ان کی اولاد کے درمیان یا اولاد اور ان کے والدین اور اسی طرح دیگر افراد کے مابین کس طرح عدل کی ضمانت دے سکتے ہیں؟

فروخت کرنے والے اور خریدار کے مابین، تاجر اور صارف کے مابین اور کام کرنے والے اور کرانے والے کے مابین ان امور میں وضعی قوانین کے ججوں کا عدل کیا ہوگا جن امور کا تعلق دلوں اور ضمیر سے ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ وضعی قوانین اپنی ذات میں ناقص، بے مایہ اور مفلس ہیں۔ ان قوانین میں اللہ تعالیٰ کی خشیت، ورع، تقویٰ، شبہات سے بچاؤ، نفس کے ذاتی محاسبے، ثوابِ جنت کی امید، عذابِ جہنم سے خوف کا کوئی تذکرہ ہے نہ اس سلسلے میں کوئی قانونی شق ہے۔ ان قوانین میں صرف وہی دفعات ہیں جن کا تعلق مظالم کی کھلی صورتوں سے ہے، مثلاً: یہاں معاملات کی متعدد صورتیں ایسی ہیں جو قرآنی شریعت میں حرام قرار دی گئی ہیں۔ شرعی فقہ میں ان کے لیے متعدد فروعی احکام ہیں لیکن اس فقہ میں ان کا قطعاً کوئی ذکر نہیں جسے ''قانونی فقہ'' (Jurisprudence) کا نام دیا جاتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے صرف عدل ہی کا حکم نہیں دیتا ہے بلکہ اس نے قیامِ عدل میں مبالغے کا حکم دیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم انصاف کے لیے ڈٹ جانے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمھارے اپنے خلاف یا تمھارے والدین اور

رشتے داروں کے خلاف ہو۔"[1]

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿قَوّٰمِیْنَ﴾ مبالغے کا صیغہ ہے یعنی تم سب سے بار بار (اَلْقِسْطُ) "انصاف" کا صدور و قیام ہو، یہی عدل ہے۔"[2]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو شدید غصے اور بغض کی حالت میں بھی عدل ہی کا حکم دیا ہے اور ترکِ عدل سے ڈرایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ﴾

"اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔"[3]

امام زمخشری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"اس آیت میں زبردست انتباہ کیا گیا ہے کہ کفار جو اللہ کے دشمن ہیں، ان سے بھی عدل کرنا واجب ہے۔ جب کافروں سے عدل کا معاملہ کرنے میں یہ شدت ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ وجوب عدل کا کیا عالم ہو سکتا ہے جو اللہ کے دوست اور اس کے محبوب ہیں۔"[4]

بلاشبہ وضعی قوانین کی اصلیت اور نمایاں امتیازات ظلم اور بے جا طرف داری ہیں۔ ان نظاموں میں اس قانونی ظلم کے مظاہر و امثال درج ذیل ہیں:

انسانی تاریخ کے دوران میں سب سے زیادہ مظالم عدل کے نام پر عدالت کے کٹہرے میں ہوئے ہیں، چنانچہ ایسے ایسے قوانین اور شریعتیں وضع کی گئی ہیں جو انسان کو ہلاکت کی وادیوں میں گرانے والی تھیں، حالانکہ ان کے بارے میں یہ زعم تھا کہ وہ عدل کو سچا کر دکھائیں

---

1. النساء 135:4
2. فتح القدیر 790/1
3. المائدۃ 8:5
4. الکشاف 647:1

گی۔ایک چھوٹے سے گناہ کے لیے بڑی بڑی سزائیں مقرر کی گئیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ غیر مجرم کو سزا کا فیصلہ سنا دیا جاتا۔

چنگیز خان [1] کی شریعت میں یہ قانون تھا کہ جو شخص جان بوجھ کر جھوٹ بولتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص جاسوسی کرتا اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو جادو کرتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص ساکن پانی میں پیشاب کرتا یا اس میں ڈبکی لگاتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص دو جھگڑا کرنے والوں میں دخیل ہو کر دونوں میں سے کسی ایک کی مدد کرتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص کسی قیدی کو اسے قید کرنے والے کی اجازت کے بغیر کھانا کھلاتا یا کپڑے پہنا دیتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص بھاگتا ہوا پایا جاتا، ہر چند وہ بلا ارادہ بھاگ رہا ہوتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص کسی دوسرے آدمی کی طرف کوئی کھانے والی چیز پھینکتا، اسے بھی قتل کر دیا جاتا تھا۔قانون یہ تھا کہ چیز ہاتھ کے ذریعے سے دوسرے کے ہاتھ میں پکڑائی جائے۔ جو شخص کسی کو کوئی چیز کھلاتا، اس پر لازم تھا کہ پہلے خود اس میں سے کچھ حصہ کھا لے۔جو شخص خود کھا لیتا، مگر دوسرے کو نہ کھلاتا، اسے قتل کر دیا جاتا۔ جو شخص کسی حیوان کو ذبح کرتا، اسے بھی اسی طرح ذبح کر دیا جاتا تھا، بلکہ اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ اس کا پیٹ پھاڑ کر پہلے اس کا دل پکڑ کر باہر کھینچ لیا جاتا اور پھر اسے ذبح کر دیا جاتا تھا۔ [2]

---

[1] چنگیز خان (1162ء-1227ء) کی تاتاری فوجوں نے پہلے شمالی چین اور پھر ترکستان، شمالی ایران، آذربائیجان، گرجستان (جارجیا) وغیرہ کو پامال کیا اور سمرقند، بخارا، مرو، نیشاپور، ہرات، اصفہان جیسے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔تاتاریوں نے روس، پولینڈ، ہنگری، بلغاریہ، ولاشیا اور مالڈیویا کو بھی تاخت وتاراج کیا۔ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو نے 1256ء میں باطنی حشیشین کے مرکز (کوہ الموت) کو تباہ کیا اور 1258ء/656ھ میں بغداد پر قبضہ جمایا۔1260ء میں مصر کے سلطان رکن الدین بیبرس نے عین جالوت میں تاتاریوں کو شکست دے کر ان کی پیش قدمی روک دی۔

(انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم :220/6)

[2] البدایة والنهایة لإبن کثیر: 128/13

یہی وجہ ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جو قانونی نظام اساسی طور پر ظالم ہیں یا کچھ مدت بیت جانے کے بعد لوگوں پر یہ بھید کھلا کہ یہ قوانین سفاکانہ ہیں تو یقیناً ایسے قانونی نظام عدم استحکام سے دوچار ہوئے۔ ان وضعی قوانین کا طرۂ امتیاز مسلسل تغیر و تبدل ہے جبکہ قرآنی شریعت کے احکام اپنی اساس کے اعتبار سے محکم اور ابدی ہیں۔

فرانس جیسی حکومت نے بھی اپنے مشہور انقلاب [1] سے پہلے ''قانون الاقطاع'' یعنی ''جاگیردارانہ نظامِ حکومت'' نافذ کیا ہوا تھا۔ ماہر قانون دانوں کی شہادت کے مطابق یہ قانون ظالمانہ تھا، اسی طرح سو سال پہلے برطانیہ میں سزاؤں کا قانون بڑا ظالمانہ تھا جیسا کہ مغربی قانون دانوں نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ وہاں سینکڑوں جرائم کی سزا قتل مقرر کی گئی تھی۔ [2]

یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ بہت سے مغربی ممالک نے ماضی قریب میں اکثر جرائم کے لیے مقررہ سزائے موت کالعدم کر دی اور دلیل یہ دی کہ یہ سزا نہایت سخت اور ظالمانہ ہے...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ پہلے آپس میں ظلم اور زیادتی کے فیصلے کیا کرتے تھے اور اپنے ان جرائم کی سزا سے بچنے کے لیے انھوں نے سزائے موت کا قانون ہی ختم کر دیا۔

---

[1] انقلابِ فرانس 14 جولائی 1789ء کو برپا ہوا تھا جب شاہی جاگیردارانہ نظام سے تنگ آئے ہوئے عوام نے بیستی (Bastille) کے قید خانے پر حملہ بول دیا تھا اور گورنر قید خانہ کو قتل کر کے سیاسی قیدی رہا کرا لیے۔ اس سے مطلق العنان بادشاہت کے خاتمے کا آغاز ہوا۔ 14 جولائی 1790ء کو بادشاہ لوئی شانز دہم نے دستور ساز اسمبلی کا دستور منظور کر لیا۔ 20 جون 1791ء کو بادشاہ کو اہل و عیال کے ساتھ فرار ہوتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ 11 ستمبر 1792ء کو قومی کنونشن نے بادشاہی ختم کر دی اور فرانس میں جمہوریت کا اعلان کر دیا۔ 16 جنوری 1793ء کو بادشاہ کو موت کی سزا دے دی گئی۔ (انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 2/433-439)

[2] البداية و النهاية: 13/74-70

غیر مسلم مخالفین کی گواہی

یقیناً غیر مسلموں نے بھی قرآنی شریعت کے مبنی بر عدل ہونے کی گواہی دی ہے۔ رسالت مآب ﷺ کے عہد مبارک میں جب یہودی کفار اپنی عدالتوں اور حکام سے حصول انصاف میں ناکام ہو جاتے تھے تو وہ نبی رحمت ﷺ ہی کی خدمت میں پہنچ کر انصاف کی درخواست کرتے تھے۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات کتب تاریخ وحدیث میں موجود ہیں۔

بلاشبہ قرآنی شریعت کے عدل وانصاف نے اکثر ہم عصر عیسائی مفکرین کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور وہ عدالت ومساوات پر قائم اس شریعت کے بارے میں اپنی حیرت کو چھپا نہیں سکے۔ چند شواہد ملاحظہ ہوں:

- مشہور مورخ گستاف لی بان کہتے ہیں: ''یہ بات برحق ہے کہ دنیا عربوں جیسے عفوودرگزر اور وسیع القلبی سے کام لینے والے فاتحوں کو نہیں جانتی اور نہ کسی اور دین کو ان کے دین سے زیادہ فراخ دل اور روادار دین سمجھتی ہے۔''[1]
- روبرسٹون کہتے ہیں: ''بے شک مسلمان ہی وہ واحد قوم ہیں جنھوں نے اپنے دین کی غیرت وحمیت اور دیگر ادیان کے پیروکاروں کے لیے عدل اور عفوودرگزر کی روش کو بیک وقت جمع کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنے دین کی نشرواشاعت کے لیے تیز دھار تلواریں سونتنے کے باوجود ایسے لوگوں کو اپنے قدیم دین کی تعلیمات پر جمے رہنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جو ان کے دین اسلام سے کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے۔''[2]
- میچاڈ کہتے ہیں: ''بلاشبہ قرآن کریم جس نے جہاد کا حکم دیا ہے، وہ دیگر ادیان کے

---

[1] حضارة العرب، غوستاف لوبون، ترجمة: عادل زعيتر، ص:605

[2] أيضاً، ص:127

پیروکاروں کے لیے بہت درگزر کرنے والا اور اعلیٰ ظرفی کا حامل ہے۔ بلاشبہ اس نے یہودی بطریقوں، راہبوں اور ان کے خدمت گاروں کو ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے راہبوں کو قتل کرنا حرام قرار دیا ہے کیونکہ وہ اپنی عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو انھوں نے عیسائیوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جبکہ ایسے ہی موقع پر جب صلیبی عیسائی بیت المقدس کو فتح کر کے وہاں پہنچے تو انھوں نے کسی پر رحم نہیں کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا اور یہودیوں کو جلا دیا۔"[1]

❁ یہاں ایک اور گواہی بھی حاضر ہے جسے گستاف نے اسلامی شریعت کی روح "مساوات" کے اعتراف میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"عرب اپنے سیاسی نظام اور اصول جہاں بانی کے مطابق مساوات کی روح سے متصف ہیں۔ وہ بنیادی مساوات جس کا یورپ نے زبانی کلامی اعلان کیا ہے مگر عملاً اس کا نفاذ نہیں کیا، مشرق کی فطرت اور طبیعت میں بدرجہ اتم راسخ ہے۔ مسلمانوں کے ہاں ان گروہی طبقات کا کوئی تصور نہیں جن کی موجودگی نے مغرب کو نہایت تشدد پسند اور سخت گیر انقلابات تک پہنچا دیا اور جن کے باعث آج بھی وہاں انقلابات آتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی ناممکن بات نہیں کہ آپ مشرق میں کسی نوکر کو دیکھیں کہ وہ اپنے مالک کی بیٹی کا خاوند بن جائے۔ یہ بھی کوئی انہونی بات نہیں ہے کہ ان میں سے مزدور پیشہ لوگ اعیانِ حکومت بن جائیں۔"[2]

❁ شریعت قرآنی میں مساوات کا مفہوم جس درجۂ کمال تک پہنچا ہوا ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر ول ڈیوراں تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اسلام غلاموں کو شادی کی

---

[1] حضارة العرب، غوستاف لوبون، ترجمة: عادل زعيتر، ص:127

[2] أيضاً، ص:391

اجازت دیتا ہے۔ اگر ان کی اولاد کافی سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرے تو اسلام نے ان کو تعلیم دلانے کی اجازت دی ہے۔ آدمی غلاموں اور لونڈیوں کی اولاد کے بکثرت اقتدار حاصل کرنے پر ششدر رہ جاتا ہے جن کا اسلامی دنیا کی علمی اور سیاسی زندگی میں بڑا مقام و مرتبہ ہے کیونکہ غلاموں اور لونڈیوں کی اولادیں اکثر اوقات بادشاہ اور گورنر بنی ہیں مثلاً مصر میں غلاموں کی حکومت رہی ہے۔"[1]

---

[1] قصة الحضارة، الدكتور ول ڈیوراں،ترجمہ: ذكي نجيب محمود: 3/112-113، الحكم والتحاكم في خطاب الوحي: 1/415,417,419,422-423۔ تیرھویں صدی عیسوی / ساتویں صدی ہجری میں جب مصر پر غلام بادشاہ (ممالیک) حکمران تھے اور اسی دور میں ہندوستان پر بھی غلام بادشاہوں کی حکومت تھی جنھیں خاندان غلاماں (1206ء تا 1290ء) کہا جاتا ہے۔ سلطان قطب الدین ایبک، سلطان شمس الدین التمش، سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن خاندان غلاماں ہی کے حکمران تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 1/81-83)

قرآنی قصص و واقعات کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ماضی کی قوموں کے جو احوال اور واقعات بیان فرمائے ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ کا ایک نہایت بابرکت طریقہ ہے۔ یہ واقعات سابقہ قوموں کے تجربات کا خلاصہ ہیں۔ جب بھی کسی امت یا گروہ نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو پامال کر کے عذاب الٰہی کو دعوت دی تو سنت الٰہی کے جاری ہونے کی شرط پوری ہوگئی۔ ماضی میں امتوں کی نافرمانیوں اور سنت الٰہی کے اجرا کی شرط پوری ہونے ہی سے یہ واقعات جنم لیتے رہے ہیں۔

یہ بابرکت قرآنی قصص و واقعات حقیقی ہیں۔ ان واقعات سے متعلق لوگوں نے اپنی اپنی زندگی اسی طرح بسر کی جس طرح قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم ان امتوں کے طرزِ عمل اور انجام کے بارے میں جو کچھ بیان فرماتا ہے وہ درحقیقت غور و فکر اور عبرت پذیری کی دعوت ہے۔ ان میں سے بعض امتوں کو ایمان اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے جو برکت، عزت اور نصرت نصیب ہوئی وہ بذات خود اللہ رب العزت کے احکام ماننے کی ترغیب ہے۔ اور وہ لوگ جو صراط مستقیم سے ہٹ گئے، قرآنی قِصص میں ان کی تنگی اور ذلت و خواری کی زندگی عبرت حاصل کرنے کا سبق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝﴾

''یقیناً ان قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) گھڑی ہوئی بات نہیں، بلکہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''[1]

یہ امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے اپنی کتاب عظیم میں گزشتہ اقوام کے مختصر حالات کو سمو دیا ہے اور اس طرح انھیں تحریف وضیاع کے خطرے سے محفوظ کر دیا ہے، لہٰذا کسی دھوکے باز کے ہاتھ اس حد تک دراز نہیں ہو سکتے کہ وہ اس حوالے سے جعل سازی کر کے قرآن میں بے بنیاد باتیں شامل کر دے یا کوئی تحریف کر دے۔ کسی خائن کا ہاتھ بھی اس تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ اس میں خیانت کرے یا اس میں سے کوئی چیز چھپا لے جیسا کہ تورات اور انجیل میں تحریف کرنے والوں نے اس طرح کے کام کیے ہیں۔ یہ قصص وواقعات مبنی برحق ہیں اور جب تک زندگی کی نبض چلتی رہے گی اور سورج طلوع وغروب کے مناظر دکھائے گا، یہ واقعات زندہ اور درخشندہ رہیں گے کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾

''بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''[2]

اس ساری گفتگو کے بعد کسی عقل مند کے لیے کس طرح روا ہے کہ وہ یہ قصے پڑھے، ان کی جانچ پڑتال کر کے ان سے عبرت ونصیحت کی توفیق چاہے مگر ان کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ کرے؟ اگر وہ یہ امور خیر بجا لائے تو اسے اس زندگی میں آسائشیں ملیں گی اور اس کی آخرت

[1] یوسف 111:12 [2] الحجر 9:15

رضائے ربانی سے سرفراز ہوگی۔[1]

قرآنی قصص وواقعات کی عظمت کے آثار ومظاہر

قرآنی قصص و واقعات اپنے متعدد امتیازات کی بنا پر دیگر قصص و واقعات سے منفرد ہیں۔ان واقعات کے سلسلے میں قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت، معجزنمائی، اعلیٰ طرزِ بیان اور اسلوب میں زبردست تاثیر موجود ہے۔ مزید برآں قرآن کریم کے عیوب ونقائص سے پاک ہونے کے باعث یہ واقعات انتہائی سچے اور مبنی برحقیقت شواہد پر قائم ہیں۔قرآنی قصص کی عظمت کے بعض آثار ومظاہر درج ذیل ہیں:

❁ **صدور ربانی:** یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے کہ قرآنی قصص قرآن عظیم کا جز ہیں۔ قرآن کریم کے لیے جو امتیازی خصوصیات اور اوصاف مسلّم ہیں وہ ان واقعات کے لیے بھی مسلّم ہیں، مثلاً: اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن وحی کے ذریعے سے اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل کیا اور اس کا ہم تک منتقل ہونا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض قصص کے آغاز اور اختتام پر اس بے داغ اور درخشاں حقیقت کی طرف اشارہ بھی کیا ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ﴾

"(اے نبی) یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں، ہم انھیں آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اس سے پہلے نہ آپ انھیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔"[2]

❁ **حقیقت کے عین مطابق:** بلاشبہ قرآن عظیم کا بیان کردہ ہر قصہ سچا ہے۔ان قصص کے

---

[1] معالم القصة فی القرآن الکریم، محمد خیر العدوی، ص: 7-8

[2] ھود 11:49، معالم القصة فی القرآن الکریم، محمد خیر العدوی، ص:91

واقعات جب ظہور میں آئے تھے تو انھیں باقاعدہ دیکھا اور محسوس کیا گیا تھا۔ ان میں خیال، وہم یا مبالغے کا ہرگز کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔ یہ ٹھیک انھی واقعات کے مطابق بیان ہوئے ہیں جس طرح وہ وقوع پذیر ہوئے تھے۔ اس میں ان کے غیبی اور قابل مشاہدہ پہلو شامل ہیں۔ یہ حوادث حیات ہیں۔ انھیں قرآن کریم نے ایسے شاندار اسلوب کے ساتھ بیان کیا ہے جو دلوں میں اُترتا چلا جاتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ ان واقعات کے بیان میں حقیقت کے خلاف کوئی چیز ہو۔[1]

قرآنی قصص ان واقعات سے یکسر مختلف ہیں جو انسان جانتا ہے کیونکہ انسانی قصص میں سے بعض تو وہ ہیں جنھیں انسان وقوع پذیر ہوتے حوادث کے طور پر بیان کرتا ہے یا ثابت شدہ واقعات کے انداز میں ان کی تصویر کشی کرتا ہے اور بعض وہ ہیں جو قصہ گو لوگوں کی افسانوی دروغ گوئی کا نتیجہ ہوتے ہیں اور روئے زمین پر ان واقعات کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ قصوں کی یہ قسم مبالغے سے خالی نہیں۔ قرآنی قصص و واقعات صداقت پر مبنی حقائق ہیں اور ان کی واقعیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ ﴾

''بے شک یہی بیان سچا ہے۔''[2]

اور فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

[1] معالم القصة فی القرآن الكريم، ص: 111 وسيكولوجية القصة فی القرآن، تهامی نقرة، ص: 221

[2] آل عمران 3:62

”یقیناً ان قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) گھڑی ہوئی بات نہیں بلکہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“ (1)

مزید برآں قرآنی قصص وواقعات سے جو خبریں ملتی ہیں، بالخصوص وہ خبریں جو اہل کتاب کے بارے میں ہیں، انھیں جھٹلانے کی وہ اہل کتاب بھی جسارت نہ کر سکے جو نبی اکرم ﷺ کے ہم عصر تھے، حالانکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے دعوائے صداقت کو باطل قرار دینے کے لیے تڑپ رہے تھے۔ یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھا جبکہ وہ اپنی کتابوں کے ذریعے سے اس کا قصہ بخوبی جانتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ﴾

”اور (اے نبی) وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔“ (2)

بلاشبہ قرآن کریم کے واقعات بھی قرآن ہی ہیں اور حق ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بیان ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں ﴿أَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ ”بہترین داستانوں“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ ۖ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝﴾

”(اے نبی!) آپ کی طرف یہ قرآن وحی کر کے ہم آپ کو ایک بہترین داستان سناتے ہیں جبکہ یقیناً اس سے پہلے آپ غافلوں میں سے تھے۔“ (3)

---

(1) یوسف 111:12 (2) الکهف 83:18

(3) یوسف 3:12، الأهداف التربوية للقصص القرآني في حياة النبي ﷺ الدعوية، وليد أحمد مساعدة، مجلة دراسات الجامعة الأردنية (علوم الشريعة والقانون) عدد: 1، صفر 1422ھ، ص: 182

❁ عبرت ونصیحت کے ذریعے سے قرآن کا حسن انتخاب: قرآنی قصص حالات وحوادث کے وہ منتخب اجزا ہی زیر بحث لاتے ہیں جو عبرت اور نصیحت کے لیے قرآن کریم کے مقاصد جلیلہ سے مناسبت رکھتے ہیں۔

واقعات کی تفصیلات کے انتخاب واختیار میں یہ طریقہ سب سے بہتر اور مؤثر ہے کیونکہ یہ قرآن کریم کا منشا پورا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسا رفیع الشان اسلوبِ بیان پیش کرتا ہے جس میں شوق دلانے اور جوش ابھارنے والے تمام فنی عناصر موجود ہیں جو انسان میں نیکی اور بھلائی کے احساسات اور جذبات کو جنم دیتے ہیں اور انسانی طبیعت میں استحکام پیدا کرتے ہیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ یہ منتخب اجزاء احوال و واقعات کی حقیقی منظرکشی پر مشتمل ہیں اور، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، یہ اجزاء وہم وگمان، افسانہ یا مبالغہ نہیں ہیں۔

چونکہ قرآنی قصص شرعی مقاصد کے پیش نظر بیان کیے گئے ہیں، اس لیے انھیں صرف اسی حوالے سے پیش کیا جاتا ہے جو اس غرض و غایت کے لیے کافی ہو اور وہی پہلو بیان کیا جاتا ہے جس سے یہ غرض اتفاق رکھتی ہو، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ہے۔ اسے ایک مرتبہ شروع سے پیش کیا گیا، ایک مرتبہ درمیان سے اور تیسرے موقع پر آخر سے پیش کیا گیا۔ بعض اوقات پورا قصہ بھی پیش کیا گیا ہے، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ۔ بسا اوقات قصے کے بعض گوشوں ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے، جیسے حضرت نوح اور ہود علیہما السلام کے واقعات میں سے صرف وہی گوشے بیان کیے گئے ہیں جو ان کی رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسا اس وقت کیا جاتا ہے جب عبرت وموعظت کا کوئی خاص پہلو اجاگر کرنا مقصود ہو۔

جہاں تک موعظت ونصیحت کا تعلق ہے تو یہ وہی مرکز ومحور ہے جسے قرآن کبھی نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ہر قرآنی قصہ اپنے اجمال کے ساتھ اسی کے گرد گردش کرتا ہے۔[1]

[1] معالم القصة فی القرآن الکریم، ص: 11 والتصویر الفنی فی القرآن، ص: 180-188

❁ حوادث کی بوقلموں منظر کشی: قرآن عظیم صرف بیان حق کو اپنا مقصد نہیں ٹھہراتا بلکہ مومنوں کے دلوں میں صراطِ مستقیم کو راسخ کرنا چاہتا ہے۔ قرآن کریم یہ ہدف خبروں اور ضرب الامثال کے بیان اور دلائل سے حاصل کرتا ہے، لہٰذا اس کے لیے مسلسل تکرار اور دائمی تذکیر اور یاددہانی بہت ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تربیت بڑی محنت اور مشقت کا کام ہے۔ تربیت کا لگاتار جاری رہنا شرط لازم ہے یہاں تک کہ اس کا ثمر حاصل کر لیا جائے، ورنہ تربیت کے لیے جو محنت اور قوت خرچ کی گئی، وہ ضائع ہو جائے گی۔ ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ افراد کی تربیت خاصی حد تک جہد مسلسل اور ایسے امور کی دائمی یاددہانی کی محتاج ہے جنھیں دلوں میں جاگزیں کر کے افراد کی تربیت مقصود ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے تکرار سب سے مفید اور بہتر وسیلہ ہے، چاہے یہ تکرار قولی ہو کہ اسے بار بار دہرایا جائے، یا عملی ہو کہ اس کی پیروی کی جائے یا اس کے مطابق تربیت کی جائے۔ تربیت کے معاملے میں تکرار کی بنیاد دو چیزوں قناعت اور جذبے پر ہونی چاہیے۔ عمل اور کردار کی تبدیلی کے لیے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ جب ہم قرآن کریم کو رشد و ہدایت اور کردار سازی کی کتاب سمجھیں گے تو ہم پر یہ بھید کھل جائے گا کہ اس میں مضامین کی تکرار کیوں کی گئی ہے اور اس کا مقصد کس قدر عظیم الشان ہے۔ مضامین عالیہ کو ذہن میں راسخ کرنے کے لیے ان کی بار بار یاددہانی یقیناً ضروری ہے۔[1]

قرآنی قصص کے مقاصد جلیلہ کی عظمت

قرآن عظیم میں قصص و واقعات کا مقصد تاریخ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے متعدد عظیم مقاصد ہیں جن میں سب سے اہم عبرت اور نصیحت کے چمکتے ہوئے موتیوں کا مرقع ہے۔

---

[1] معالم القصة فی القرآن الكريم، ص: 118-120

اسی طرح قرآن عظیم محض اس لیے نہیں آیا کہ وہ بعد والوں کے لیے بیتے ہوئے حالات وحوادث کی تصویر کشی کرے تاکہ انھیں سابقہ امتوں کے احوال واعمال سے واقفیت بہم پہنچے، ذوق سماعت کی غرض پوری ہو اور ان سے عبرت حاصل کی جائے بلکہ قرآنی قصص کے گرانمایہ مقاصد میں ایمان کو مستحکم کرنے اور اس کی بنیاد کو دلوں میں مضبوطی سے راسخ کرنے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

قرآنی قصص کے مقاصد کی بہت سی قسمیں ہیں۔ یہ مقاصد قرآنی قصص کے موضوعات اور سیاق کے اعتبار سے متعین کیے گئے ہیں۔ہم انھیں یہاں نہایت اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ قرآن کریم میں قصص و واقعات بلاوجہ نہیں آئے، بلکہ یہ اعلیٰ مقاصد کے تحت آئے ہیں۔

① **اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات اور اس کی عبادت کا حکم:** تمام انبیاء ومرسلین کی دعوت مختلف طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اثبات اور صرف اسی کی عبادت کا حکم دینے کی آئینہ دار ہے۔یہی قرآنی قصص کا سب سے اہم مقصد ہے کیونکہ قرآن نے حقیقت توحید کا اظہار و اعلان اور بت پرستی اور شرک کا قلع قمع کیا ہے۔ پس تمام انبیاء و رسل نے خالق کائنات کی توحید اور اس کی وحدانیت کے اقرار کی دعوت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی رب ہے نہ کوئی معبود، لہٰذا ان سب کی دعوت کا مرکزی نکتہ توحید ہی ہے۔

اثباتِ وحدانیت کے دلائل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قرآن عظیم کا بیان کردہ قصہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اور حقیقت الوہیت کے بارے میں مرحلہ وار استدلال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○﴾

''اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود بنائے بیٹھے ہو؟ بے شک میں تمھیں اور تمھاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے، چنانچہ جب اس پر رات چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ ابراہیم نے کہا: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا: میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ پھر جب اس نے چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہی میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو اس نے کہا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو یقیناً میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا۔ جب اس نے سورج کو جگمگاتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔ بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف مرکوز کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میں اسی اللہ کا پرستار ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''[1]

اسی طرح توحید کا اثبات حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کی زبان سے بھی ہوا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

---

[1] الأنعام 6:74-79

﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

”کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا، جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے کہا: ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود واحد ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔“ [1]

حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے بھی اسی طرح اثباتِ توحید ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ ﴾

”ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، چنانچہ اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں۔“ [2]

حضرت ہود علیہ السلام کی زبان سے بھی اسی طرح اثباتِ توحید ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ ﴾

”اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔“ [3]

حضرت صالح علیہ السلام کی زبان سے بھی اسی طرح اثباتِ توحید ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

---

[1] البقرة 133:2 [2] الأعراف 59:7 [3] الأعراف 65:7

غَیْرُہٗ ط﴾

''اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔'' [1]

حضرت شعیب علیہ السلام کی زبان سے بھی اثباتِ توحید اسی طرح ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط﴾

''اور ہم نے اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔'' [2]

حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعے میں تذکرۂ توحید یوں آیا ہے:

﴿ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ○ السجدۃ ﴾

''یہ کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزیں نکالتا ہے، اور وہ (سب کچھ) جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔'' [3]

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ لا وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ○﴾

''بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں، چنانچہ تو میری ہی عبادت کر اور میری ہی یاد کے لیے نماز قائم کر۔'' [4]

توحید کی دعوت زیادہ واضح طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] الأعراف 73:7 [2] الأعراف 85:7 [3] النمل 27:25-26 [4] طٰہٰ 14:20

﴿قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ○ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ؕ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○﴾

''یوسف نے کہا: جو کھانا تمھیں یہاں ملتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمھیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائیں۔ بے شک میں نے ان لوگوں کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ اور میں نے اتباع کیا ہے اپنے باپ دادا، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کا۔ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور (سب) لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! بھلا کئی جدا جدا معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ، زبردست؟ تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ نام ہی تو ہیں جو خود تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ دیے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا دین ہے، مگر اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''[1]

---

[1] یوسف 12:37-40

حضرت یوسف علیہ السلام نے صراحت کی کہ انھوں نے کوئی نیا دین نہیں گھڑا۔ وہ صرف اپنے ان آباء واجداد کے دین پر عمل پیرا تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے صحیح عقیدے کی ہدایت دی تھی۔ واضح رہے کہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہے اور یہ کسی دور میں بھی تبدیل نہیں ہوا۔ یہاں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی طرف ایک ایسا عقیدہ وحی کیا ہے جس کی حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک رسول سے دوسرے رسول تک پہنچتے پہنچتے متناقض اور متضاد ہو جاتا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت ایسی دعوت ہے جس کی تمام انبیاء نے یکساں طور پر تاکید اور توثیق کی ہے۔ [1]

اس گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اٹل ایمان رکھنے کی وجہ سے ان سب رسولوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت ایک ہی تھی لیکن یہ دعوت پیش کرنے کے بعد ان میں سے ہر نبی کا اسلوب مختلف ہو گیا، چنانچہ نوح علیہ السلام کی قوم نے جب ان کی نافرمانی کی اور اللہ کے حکم کی مخالفت کی تو انھیں اپنی قوم پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف لاحق ہو گیا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطالبہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم پر واضح کیا کہ ان کے پاس روشن دلیل اور کھلی علامت اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کی صورت میں آ چکی ہے، لہٰذا وہ اسے چھوڑ دیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائیں کیونکہ آپ کو خوف تھا کہ ان پر دردناک عذاب نازل ہو گا۔ دیگر انبیاء کے احوال بھی اسی طرح آئے ہیں۔

عہدِ قدیم کی ہر قوم کے سرداروں کی طرف سے اپنے رسول کی مخالفت سے یہ معاملہ کھل کر واضح ہو جاتا ہے۔ پس نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ پر گمراہی کا الزام لگایا، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے آپ پر بے وقوفی اور جہالت کی تہمت لگائی اور صالح علیہ السلام کی قوم نے آپ کی

[1] بلاغة تصريف القول في القرآن الكريم:2/886-893

نبوت میں شکوک وشبہات پیدا کیے۔[1]

② رسالت ووحی کا اثبات: بلاشبہ قرآن کریم میں مذکور قصص وواقعات میں ایسے اشارے بھی ملتے ہیں کہ پہلے یہ قصے نامعلوم تھے۔ انھیں نبی اکرم ﷺ جانتے تھے نہ آپ کی قوم ان سے آگاہ تھی۔ یہ بات رسالت کی سچائی اور وحی کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔ بسا اوقات یہ اشارہ واقعے کے آخر میں آتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

”(اے نبی!) یہ ماجرا غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم انھیں آپ کی طرف وحی کر کے بتاتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ انھیں جانتے تھے نہ آپ کی قوم، اس لیے آپ صبر کریں۔ بے شک (بہترین) انجام متقین ہی کے لیے ہے۔“[2]

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے بعد فرمایا:

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا﴾

”اور (اے نبی!) جب ہم نے موسیٰ پر امر خاص کی وحی کی تو آپ (طور کی) مغربی جانب نہیں تھے، اور نہ آپ (اس واقعے کے) گواہ تھے، لیکن ہم نے کئی امتیں پیدا کیں، پھر ان کی عمریں طویل ہوئیں اور آپ اہل مدین میں نہیں رہتے تھے کہ ان پر

---

[1] دراسات قرآنية، ص: 250 [2] هود 49:11

ہماری آیات تلاوت کرتے، لیکن ہم ہی رسول بھیجنے والے تھے۔ اور آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا۔“ [1]

یہ واقعات حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی بڑی واضح اور مستند دلیل ہیں کیونکہ آپ ناخواندہ تھے۔ آپ نے کسی کتاب کا مطالعہ کیا نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے، مزید برآں ان قصوں میں کوئی اختلاف بھی نہیں پایا جاتا، لہٰذا یہ چیز ان قصص کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہونے اور نبی ﷺ کی نبوت کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ [2]

بعض قصص کے مقدمات میں جو بیان آیا ہے وہ بھی وحی اور رسالت کا اثبات کرتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْءَانَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَٰفِلِينَ﴾

”بے شک ہم نے اسے عربی قرآن (بنا کر) نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔ (اے نبی!) آپ کی طرف یہ قرآن وحی کر کے ہم آپ کو ایک بہترین داستان سناتے ہیں جبکہ اس سے پہلے آپ اس سے ناآشنا تھے۔“ [3]

یہ قرآنی واقعات صرف اسی شخص کو معلوم ہو سکتے تھے جنھوں نے ان کا براہ راست مشاہدہ کیا ہو جبکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ سچے حالات و واقعات بذات خود نہیں دیکھے تھے، جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ذَٰلِكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَٰمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ○﴾

---

[1] القصص 28:44-46

[2] تفسیر الطبری 14:140 [3] یوسف 12:2-3

”(اے نبی!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے لیے) اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں کون مریم کا سرپرست ہو اور نہ آپ اس وقت موجود تھے جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے۔“ [1]

سورۂ شعراء کے آخر میں انبیاء کے متعدد واقعات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ ﴾

”اور بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ روح الامین (جبریل) اسے لے کر نازل ہوا آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔“ [2]

یہ آیت مذکورہ واقعات اور وحی کی صداقت پر واضح نص ہے۔ [3]

③ دوبارہ جی اٹھنے اور جزا کا اثبات: قرآنی واقعات کے سیاق میں جس مقصد کا بکثرت اثبات ہوا ہے وہ دوبارہ زندہ ہونا اور جزا و سزا کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ

[1] آل عمران 44:3 [2] الشعراء 26:192-194

[3] بلاغة تصريف القول فی القرآن الكريم:2/896-898

لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

''(اے نبی) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں اس لیے جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسے بادشاہی دے رکھی تھی؟ جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ (نمرود) بولا: میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا اسے مغرب سے نکال کر دکھا، چنانچہ وہ ہکا بکا رہ گیا جس نے کفر کیا تھا اور اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو ظالم ہیں، یا اسی طرح اس شخص کو (آپ نے نہیں دیکھا) جو ایک بستی سے گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی؟ اس نے کہا: اللہ اس کے فنا ہو جانے کے بعد اب اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا؟ تب اللہ نے اسے ایک سو سال کے لیے موت دے دی، پھر اسے زندہ کیا۔ اللہ نے پوچھا: تو کتنی دیر (یہاں) رہا ہے؟ وہ بولا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں!) بلکہ تو (موت کی حالت میں) سو سال رہا، البتہ تو اپنے کھانے اور پینے (کے سامان) کی طرف دیکھ، وہ بالکل سڑا بُسا نہیں، اور اپنے گدھے (کے ڈھانچے) کو بھی دیکھ لے (یہ سب اس لیے ہوا ہے کہ) ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کیسے انھیں ابھار کر جوڑتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے

ہیں۔ جب اس کے سامنے (یہ سب کچھ) واضح ہو گیا تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ نے کہا: کیا تو (اس پر) ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم نے کہا: کیوں نہیں (ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن میں قلبی اطمینان چاہتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا: پھر تو چار پرندے لے اور انھیں اپنے ساتھ مانوس کر لے، پھر (انھیں ذبح کر کے) ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے، پھر ان کو بلا، وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ اور جان لے کہ بے شک اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے۔'' [1]

حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے یہ ارشاد جاری ہوا:

﴿يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''(اے قوم!) وہ گناہوں سے تمھاری مغفرت کرے گا اور تمھیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے گا۔ بے شک جب اللہ کا مقرر کردہ وقت آ جائے تو وہ مؤخر نہیں ہوتا، کاش! تمھیں علم ہوتا۔'' [2]

قرآنی قصص میں مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور اعمال کے مطابق جزا و سزا کے حق میں بہت زیادہ دلائل آئے ہیں جنھیں قرآن الگ الگ متعدد طریقوں سے مختلف اسالیب میں بار بار بیان فرماتا ہے تاکہ یوم آخرت پر ایمان زیادہ سے زیادہ مستحکم ہو جائے۔ [3]

④ **نبی اکرم ﷺ اور امت مسلمہ کو ثابت قدم رکھنا:** قصص قرآنی کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت حق دعوت دینے کا التزام رکھیں، اس کی مشقتوں کو برداشت کریں اور اس راہ میں آنے والی تکالیف پر صبر کرتے ہوئے ثابت قدم رہیں۔ اس

---

[1] البقرۃ 2:258-260 [2] نوح 71:4

[3] بلاغۃ تصریف القول فی القرآن الکریم: 2/899

طرح حق اور لشکرِ حق کی نصرت اور باطل اور اہل باطل کی پسپائی سے مومنوں کا اعتماد قوی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس بات کی تصدیق کرتا ہے:

﴿ وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○﴾

''اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے آپ کو وہ (خبر) سناتے ہیں جس سے ہم آپ کا دل مضبوط رکھتے ہیں اور اس (سورت) میں آپ کے پاس حق آ گیا اور مومنوں کے لیے نصیحت اور یاددہانی بھی۔''[1]

انبیائے کرام کی رسالت پر دلالت کرنے والے واضح دلائل اور بلند پایہ براہین کے باوجود انھیں لوگوں کی حق سے بے رُخی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ان کے اکثر پیروکار حق کے ادراک واتباع سے اندھے اور بہرے تھے اور انھوں نے باطل کی پیروی پر اصرار کیا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنی واقعات میں اکثر انبیاء کی تکالیف پر نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے کہا گیا ہے:

﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا ○ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْۤ اِلَّا فِرَارًا ○ وَ اِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ○﴾

''اس نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی، چنانچہ میری دعوت نے ان کے حق سے فرار ہی میں اضافہ کیا اور میں نے جب بھی انھیں دعوت دی تاکہ تو ان کی مغفرت فرما دے تو انھوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑے اپنے (اوپر) لپیٹ لیے اور ضد کی اور انتہائی تکبر کا

[1] هود 11:120، معالم القصة في القرآن الكريم، ص:41-42

مظاہرہ کیا۔''❶

اسی طرح فرمایا:

﴿قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝﴾

''نوح نے کہا: اے میرے رب! بے شک انھوں نے میری نافرمانی کی اور ان کا اتباع کیا جن کے مال اور اولاد نے ان کے خسارے ہی میں اضافہ کیا۔''❷

حق یہ ہے کہ قرآنی واقعات نبی اکرم ﷺ کے لیے تسلی ہیں مبادا آپ کے لائے ہوئے ناقابل تردید دلائل کے بعد کفار کے کفر اور ان کے انکار پر حسرت کی وجہ سے آپ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔❸

⑤ انبیا و مرسلین اور ان کی امتوں کے احوال سے حصول عبرت: اس عبرت (اَلْعِبْرَة) سے مراد تکلیف پر صبر کرنا، لوگوں تک دعوت الی اللہ پہنچانے میں انبیاء و مرسلین کی پیروی کے لیے ان کے احوال میں مذکور پند و نصائح پر عمل کرنا اور اپنی اصلاح حال پر توجہ دینا ہے، مزید برآں انبیاء کے قوی ایمان کی پیروی کرنا، ان کے اقوال و آثار کو زندۂ جاوید بنانا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے بلند مقام و مرتبے اور فضیلت سے دوسروں کو روشناس کرانا بھی ''عبرت'' کے مفہوم میں شامل ہے۔ اس کے بالمقابل سابقہ امتوں میں انبیاء کی مخالفت کرنے والوں کے تصرفات اور ان کے غلط طرز عمل اور سلوک سے دور رہنا بھی ''عبرت'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ﴾

''یقیناً ان قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔''❹

---

❶ نوح 71:5-7 ❷ نوح 21:7

❸ بلاغة تصريف القول في القرآن الكريم: 901/2

❹ يوسف 111:12

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ○ ﴾

''اور (اے نبی!) بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے تو انھوں نے جھٹلائے جانے اور تکلیف دیے جانے پر صبر کیا حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی۔ اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور یقیناً آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں آ چکی ہیں۔''[1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان قصص میں یہ بتایا ہے کہ بلاشبہ منکرین کا انجام کفر اور دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور مومنوں کا انجام دنیا میں نصرت اور آخرت میں خوش بختی ہے۔ یہ بات اہل ایمان کے دلوں کو قوی اور مضبوط اور ان کے دشمنوں کے دلوں کو کمزور کر دیتی ہے۔

⑥ پہلی قوموں کے انجام کا بیان: بلاشبہ ہر رسول کی تکذیب اور انکار کرنے میں منکرین رسالت کا موقف ہمیشہ ایک جیسا رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کے بارے میں کہا:

﴿ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴾

''بے شک ہم تو تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔''[2]

قوم ہود نے ہود علیہ السلام سے کہا:

﴿ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ ﴾

''بے شک ہم تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں اور بے شک ہم تجھے جھوٹوں میں شمار کرتے ہیں۔''[3]

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے آپ پر ایمان لانے والوں سے کہا:

---

[1] الأنعام 34:6 [2] الأعراف 60:7 [3] الأعراف 66:7

﴿ إِنَّا بِالَّذِيٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○﴾

''بے شک ہم اس چیز کا انکار کرنے والے ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو۔'' [1]

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے متعلق قوم نے کہا:

﴿ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ○﴾

''انھیں اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔'' [2]

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا:

﴿ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ ﴾

''اے شعیب! ہم تمھیں اور ان لوگوں کو جو تمھارے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے، یا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ گے۔'' [3]

قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا:

﴿ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ○ ۙ﴾

''بے شک یہ تو ماہر جادوگر ہے۔'' [4]

انبیاء و مرسلین کی دعوت پر کان نہ دھرنے والی گزشتہ امتوں کے صراط مستقیم سے انحراف کے نتیجے میں ان کا انجام ہلاکت، تباہی اور بربادی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَاۗءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ○﴾

---

[1] الأعراف 76:7 [2] الأعراف 82:7 [3] الأعراف 88:7 [4] الأعراف 109:7

”کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں جنھیں ہم نے زمین میں ایسی طاقت دی تھی جو تمھیں نہیں دی؟ اور ہم نے ان پر موسلا دھار بارش نازل کی اور نہریں بنائیں جو ان کے نیچے بہتی تھیں، پھر ہم نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں ہلاک کر دیا، اور ان کے بعد دوسری قومیں پیدا کیں۔“[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَوَ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ؕ ﴾

”کیا وہ زمین میں گھومے پھرے نہیں، پھر وہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ وہ ان سے قوت میں زیادہ تھے اور انھوں نے زمین کو ان سے بڑھ چڑھ کر زیادہ جوتا اور آباد کیا تھا جتنا کہ انھوں (کفارِ عرب) نے آباد کیا اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، پھر اللہ (ایسا) نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ (خود ہی) اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔“[2]

یہاں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا مدعا یہ ہے کہ امت مسلمہ گزری ہوئی قوموں کے احوال سے عبرت پکڑے اور ان جیسے افعال و اقوال سے دور رہے تاکہ وہ اس ہلاکت و تباہی سے بچ جائے جس سے سابقہ قومیں نہیں بچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اکثر قرآنی قصص و واقعات میں صریحاً فرمایا ہے کہ اس نے اپنے دوستوں کے دشمنوں سے ان کا انتقام لیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ۙ ﴾

---

[1] الأنعام 6:6 [2] الروم 9:30

''بلاشبہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد دنیاوی زندگی میں بھی کرتے ہیں اور اس دن بھی (کریں گے) جب گواہ کھڑے ہوں گے۔''[1]

اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی سنت ہے جو تمام امتوں میں جاری رہی ہے۔ اس کا اثبات اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِئ الْمُرْسَلِيْنَ ○﴾

''اور (اے نبی!) بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے تو انھوں نے جھٹلائے جانے اور تکلیف دیے جانے پر صبر کیا حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور یقیناً آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں آچکی ہیں۔''[2]

⑦ امت مسلمہ کی تربیت: تمام قصص قرآنی کا اصل مقصد صحیح عقیدے پر مسلمانوں کی تربیت کرنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، موت کے بعد جی اٹھنے اور یوم آخرت کو اعمال کے مطابق جزا و سزا ملنے پر ایمان، مرسلین پر ایمان اور کافروں کی ایذا رسانیوں اور حق سے منہ موڑنے پر ان کے صبر کے سلسلے میں ان کا عقیدہ صحیح ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب و فتح یاب اور اس کے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دے۔ بطور مثال یہ کیفیت ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے جادوگروں کے واقعے میں پاتے ہیں۔ فرعون نے انھیں قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ اس بھیانک دھمکی کے باوجود اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہے۔ اصحاب کہف کے قصے میں بھی مسلمانوں کی توحید پر ثابت قدم رہنے اور بعث و جزا پر پکا ایمان رکھنے کی تربیت

---

[1] المؤمن 51:40

[2] الأنعام 34:6، بلاغة تصريف القول في القرآن الكريم:2/905-913

کی گئی ہے۔

بابرکت قرآنی قصص میں انبیاء ومرسلین اور ان کے صاحب ایمان پیروکاروں کے صبرو استقلال اور ثابت قدمی کا بیان بھی مسلمانوں کی تربیت کا آئینہ دار ہے۔قرآنی قصص میں پائی جانے والی تربیت کی متعدد انواع ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(: قرآنی قصص میں پائی جانے والی تربیت کی اقسام میں سے ایک قسم صبر، نیکی اور اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے کی تربیت ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے واقعے کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ۚ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

”چنانچہ ہم نے اسے بہت حلم والے لڑکے کی بشارت دی، پھر جب وہ (لڑکا) اس کے ساتھ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو اس نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا تیری کیا رائے ہے؟ بیٹا بولا: ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کر گزریں، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے، پھر دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور اس (باپ) نے اسے (بیٹے کو) کروٹ کے بل لٹا دیا اور ہم نے اسے آواز دی: اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب یقیناً سچ کر دکھایا ہے بے شک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔“[1]

[1] الصافات 37:101-105

ب: حضرت لقمان علیہ السلام اور ان کے بیٹے کے واقعے میں اعلیٰ اخلاق وفضائل کی تربیت کا خاصا اہتمام ہے۔ اس میں توحید ہے، اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کی ممانعت ہے، والدین سے حسن سلوک کی تاکید ہے، اللہ تعالیٰ اور والدین کا شکر کرنے کی تلقین ہے، غرور اور خود پسندی سے اپنا چہرہ پھیرنے کی ممانعت ہے، زمین پر اکڑ کر چلنے سے روکا گیا ہے اور چال میں اعتدال اور آواز دھیمی رکھنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؔؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ ﴾

"اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی کہ اللہ کے شکر گزار رہو اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو یقیناً وہ اپنی ہی ذات کے لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بلاشبہ اللہ بے نیاز اور سب خوبیوں سے متصف ہے۔ اور (یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا، جبکہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا: اے میرے بیٹے! تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا،

بے شک شرک تو ظلم عظیم ہے۔اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے متعلق (حسن سلوک کا) حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے (پیٹ میں) کمزوری اور تکلیف جھیل کر اٹھائے رکھا، اور اس کا دودھ دو سال میں چھڑانا ہوتا ہے، (اور) یہ کہ تو میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار رہ (بالآخر) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو (کسی کو) میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کر اور دنیا میں معروف طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کر، اور اس شخص کے طریقے کا اتباع کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے، پھر میری ہی طرف تمھاری واپسی ہے، پھر میں تمھیں بتاؤں گا جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے۔ اے میرے پیارے بیٹے! بے شک اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں اور زمین کے اندر کہیں بھی ہو، تو اللہ اسے نکال لائے گا، بلاشبہ اللہ نہایت باریک بین اور بہت باخبر ہے۔ اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر، اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے، اور تو لوگوں سے بے رخی نہ کر، اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ ہر مغرور اور ڈینگیں مارنے والے کو پسند نہیں کرتا اور تو اپنی چال درمیانی رکھ، اور اپنی آواز دھیمی رکھ، بلاشبہ سب آوازوں سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔'' [1]

ج: قرآنی قصص میں تربیت کی نوقسموں میں سے ایک قسم سچائی اور انبیاء و مرسلین کی اقتدا کرنے کی تربیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ ﴾

''اور کتاب میں ابراہیم کا تذکرہ کیجیے، بے شک وہ نہایت سچے نبی تھے۔'' [2]

[1] لقمان 31:12-19 [2] مریم 19:41

د: انھی اقسام میں سے ایک اطاعت اور احکام الٰہی کے نفاذ میں اخلاص کی تربیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝﴾

''اور کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجیے، بلاشبہ وہ چنے ہوئے رسول (اور) نبی تھے۔''[1]

ھ: انھی قسموں میں سے ایک وفاداری اور امانت داری ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی نہایت اعلیٰ مثال بیان کی ہے، بلاشبہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کا وہ احترام ملحوظ رکھا جو اس نے ان کے ساتھ روا رکھا تھا۔ وہ ہمیشہ احسان کا بدلہ احسان ہی کے ساتھ دیتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾

''یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ (عزیز مصر) تو میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا۔ بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔''[2]

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت کا ثبوت مل گیا تو انھوں نے جو کچھ کہا، اسے اللہ تعالیٰ نے یوں نقل فرمایا ہے:

﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝﴾

''(یوسف نے کہا:) یہ اس لیے کہ وہ (عزیز مصر) جان لے کہ بے شک میں نے درپردہ اس کی خیانت نہیں کی تھی، اور یہ کہ بے شک اللہ خائنوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔''[3]

و: انھی اقسام میں سے ایک مسلمانوں کی اعلیٰ اخلاقی تربیت ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے متعدد مواقع پر اپنی قوم کو جو دعوت دی تھی، اس میں یہ بات بڑی نمایاں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح نقل فرمایا ہے:

---

[1] مریم 51:19 [2] یوسف 23:12 [3] یوسف 52:12

﴿قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾

''اس (شعیب) نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں۔ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ گئی ہے، لہٰذا تم ناپ اور تول کو پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو، اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔''[1]

حضرت شعیب علیہ السلام نے اصلاحِ عقیدہ سے ابتدا کی۔ اس کے بعد آپ نے بیچتے وقت ناپ تول پورا کرنے کی تاکید کی اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر دینے سے روکا۔ پس آپ نے ایمان اور اخلاق کے درمیان ربط قائم کیا اور گھٹیا اخلاق و افعال سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔[2]

قرآنی قصص کے تربیتی اہداف مندرجہ ذیل تین نکات سے عیاں ہیں:

- اسلامی اقدار کے ذریعے سے فرد اور جماعت کی تربیت۔
- ہر مسلمان کو قضاء و قدر میں اللہ تعالیٰ پر مطلق اعتماد رکھنے کی تربیت دینا۔
- قارئین اور سامعین کو حقائق و معارف کا ایسا زادِ راہ دینا جو زندگی بھر کام آئے اور انھیں ایک دوسرے سے حسنِ سلوک کا سبق دیتا رہے۔[3]

⑧ اصلاح اور نیکی کی دعوت دینا اور فساد سے روکنا: قرآنی قصص کے مقاصد جلیلہ میں

---

[1] الأعراف 85:7

[2] بلاغة تصريف القول في القرآن الكريم: 2/924-928

[3] القصة القرآنية و دورها في التربية، أحمد أحمد غلوش، مجلة كلية التربية، جامعة الرياض، عدد: 1,1397ھ، ص: 6

سے ایک مقصد خیر و اصلاح کی دعوت اور نیکی کی ترغیب دینا اور زمین میں فساد مچانے سے روکنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾

''اور ہم نے اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ گئی ہے، لہٰذا تم ناپ اور تول پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو اور تم زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔''[1]

پس حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعے میں اصلاح کی دعوت، زمین میں فساد برپا کرنے کی ممانعت اور ایک دوسرے کے حق امانت کے احترام کی تاکید کی گئی، بلاشبہ قرآنی قصص نے اصلاح اور فساد کا انجام واضح کر دیا ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ۖ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ إِنِّي أُرِيدُ أَن تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ

[1] الأعراف 85:7

فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ۚۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝﴾

اور (اے نبی!) آپ انھیں آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک سنائیں‘ جب ان دونوں نے قربانی کی تھی‘ پھر ان میں سے ایک کی قربانی تو قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ دوسرا بولا: میں تجھے قتل کر دوں گا۔ پہلے نے جواب دیا: اللہ صرف پرہیزگاروں سے (قربانی) قبول کرتا ہے۔ اگر تو نے اپنا ہاتھ میری طرف (اس ارادے سے) بڑھایا کہ مجھے قتل کر دے تو بھی میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کر دوں۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا رب ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ پھر اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کو قتل کرنے پر اکسایا‘ چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ نے (وہاں) ایک کوا بھیجا، وہ (اپنے پنجوں سے) زمین کریدنے لگا، تاکہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے دفن کرے، وہ کہنے لگا: افسوس! میں اس کوے جیسا ہونے سے بھی عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش دفنا دیتا‘ چنانچہ وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔ اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو، تو گویا

اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے، تو گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی ۔ اور ہمارے رسول واضح نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے' پھر بے شک اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں حد سے نکل جانے والے ہیں۔''[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دو باغوں والے آدمی کے قصے میں فرمایا ہے:

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝﴾

''اور (اے نبی!) بیان کیجیے ان کے لیے دو آدمیوں کی مثال، ہم نے ان میں سے ایک کو انگوروں کے دو باغ عطا کیے، اور ان کے گرد کھجوروں کی باڑ لگا دی، اور ان

[1] المائدة 5:27-32

دونوں کے درمیان کھیتی اگائی۔ دونوں باغ اپنا پھل لاتے، اوراس میں سے کچھ نہ گھٹاتے، اوران کے درمیان ہم نے ایک نہر بہائی۔اوراسے پھل ملاتو وہ اپنے ساتھی سے کہنے لگا، جبکہ وہ اس سے گفتگو کررہا تھا: میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور جتھے میں (بھی) زیادہ معزز ہوں۔اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا، جبکہ وہ اپنی جان کے لیے ظالم تھا، اس نے کہا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ (باغ) کبھی تباہ ہوگا اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہونی ہے، اوراگر (بالفرض) مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً میں وہاں ان باغوں سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔اس کے (مومن) ساتھی نے اس سے کہا جبکہ وہ اس سے گفتگو کررہا تھا: کیا تو اس سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر تجھے پورا آدمی بنادیا؟ لیکن (میرا تو عقیدہ ہے کہ) وہی اللہ ہے میرا رب، اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو کیوں نہ کہا: ماشاء اللہ، لاقوۃ الا باللہ! اگر تو مجھے مال اوراولاد میں کمتر دیکھتا ہے تو ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر دے اوراس (تیرے باغ) پر آسمان سے کوئی عذاب بھیجے تو وہ (باغ) چٹیل پھسلواں میدان ہوجائے، یا اس کا پانی گہرا ہوجائے، پھر تو اسے تلاش کرنے کی طاقت نہ رکھے۔اوراس کا پھل گھیر لیا (تباہ کردیا) گیا، پھر وہ اس مال پر اپنی ہتھیلیاں ملتا رہ گیا جو اس پر خرچ کیا تھا، جبکہ وہ (باغ) اپنی چھتریوں پر گرا ہوا تھا، اوروہ کہتا تھا: اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔''[1]

مارب کے بند والے قصے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ

[1] الکہف 18:32-42

رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ○ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ○ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ○ وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ ؕ سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا اٰمِنِیْنَ ○ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○﴾

’’سبا (قوم) کے لیے ان کی بستی میں یقیناً ایک عظیم نشانی تھی، دائیں اور بائیں طرف دو باغ تھے، (ہم نے کہا:) تم اپنے رب کا رزق کھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرو، (یہ) پاکیزہ شہر ہے، اور رب بڑا بخشنے والا ہے، پھر انھوں نے (جب ہدایت سے) منہ موڑا تو ہم نے ان پر بند (ڈیم) کا سیلاب بھیج دیا، اور ان کے دونوں باغوں کے بدلے میں ہم نے انھیں دو ایسے باغ دیے جو بدمزہ پھل، (بکثرت) جھاؤ اور کچھ بیریوں والے تھے۔ یہ ہم نے انھیں ان کی ناشکری کی سزا دی، اور ہم ناشکروں ہی کو سزا دیتے ہیں۔ اور ہم نے ان (اہل سبا) کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی، کئی بستیاں باہم متصل (سرِ راہ آباد) رکھی تھیں، اور ان میں ہم نے چلنے (آنے جانے) کی منزلیں مقرر کر دی تھیں۔ (ہم نے کہا:) تم ان میں راتوں اور دنوں کو امن سے سفر کرو۔ پھر انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارے سفروں میں دوریاں (مشکلات) پیدا کر دے، اور انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، چنانچہ ہم نے انھیں افسانے بنا ڈالا اور مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، بلاشبہ اس میں ہر صابر و شاکر کے لیے عظیم نشانیاں ہیں۔‘‘ [1]

---

[1] سبا 34:15-19

قرآن کریم کے مختلف مقامات پر حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا جو واقعہ آیا ہے، اس میں شیطان کے ذریعے سے ابن آدم کی گمراہی اور شیطان اور ابن آدم کے مابین ان کے باپ آدم علیہ السلام سے لے کر تا ابد عداوت کے معاملے سے خبردار کیا گیا ہے۔ اس قصے کے ذریعے سے اس شیطانی عداوت کا اظہار انسانی دل میں بہت گہرا اثر پیدا کرتا ہے۔ یہ قصہ مختلف انداز سے اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ انسان شیطان کی سرکشی اور اس کے شر سے اچھی طرح آگاہ ہو جائے اور شیطان کے جال سے بچے۔[1]

⑨ صبر کے وسیلے سے مایوسی کا مقابلہ: یہ مقصد حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں بہت نمایاں ہے۔ ان آیات میں سے ایک آیت مقدسہ یہ ہے:

﴿وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○﴾

''اور وہ (یوسف کے بھائی) اس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ یعقوب نے کہا: (حقیقت یہ نہیں) بلکہ تمھارے دلوں نے تمھارے لیے ایک (بری) بات گھڑ دی ہے، لہٰذا صبر ہی بہتر ہے اور اس پر اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے جو تم بیان کرتے ہو۔''[2]

نیز فرمایا:

﴿قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○﴾

''یعقوب نے کہا: کیا میں اس (بنیامین) کی بابت تمھارا اعتبار کر لوں جیسے پہلے اس کے (سگے) بھائی (یوسف) کی بابت تم پر اعتبار کیا تھا؟ چنانچہ اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور

---

[1] التصویر الفنی فی القرآن، ص: 135 [2] یوسف 18:12

وہ سب مہربانوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔''[1]

اور فرمایا:

﴿ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾

''یعقوب نے کہا: (حقیقت یہ نہیں) بلکہ تمھارے لیے تمھارے دلوں نے ایک (بری) بات گھڑ دی ہے، چنانچہ صبر ہی بہتر ہے۔ شاید اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ بے شک وہی علیم وحکیم ہے۔''[2]

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ ﴾

''اے میرے بیٹو! تم جاؤ، یوسف اور اس کے بھائی کو ڈھونڈو، اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ بے شک اللہ کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔''[3]

⑩ **اللہ تعالیٰ کی حیرت انگیز قدرت کا بیان:** اس مقصد سے قرآنی قصص اور انسانی قصص کے مندرجات کے مابین بڑا واضح فرق سامنے آتا ہے۔ کیا انسانی قصوں میں ایسی چیز مل سکتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے قصے میں بیان کیا ہے جس کا گزر ایک گری ہوئی بستی سے ہوا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُـحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى

---

[1] يوسف 64:12 [2] يوسف 83:12 [3] يوسف 87:12

طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝﴾

''یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جو ایک بستی سے گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی؟ اس نے کہا: اللہ اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا اس کی موت کے بعد؟ تو اللہ نے اسے ایک سو سال کے لیے موت دے دی' پھر اسے زندہ کیا۔ اللہ نے پوچھا: تو کتنی دیر (یہاں) رہا ہے؟ اس نے کہا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں!) بلکہ تو (موت کی حالت میں) سو سال رہا، البتہ تو اپنے کھانے اور پینے (کے سامان) کی طرف دیکھ وہ بالکل سڑا بسا نہیں' نیز دیکھ اپنے گدھے (کے ڈھانچے) کو، اور (یہ سب اس لیے ہوا ہے کہ) ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کیسے انھیں ابھار کر جوڑتے ہیں' پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، پھر جب اس کے سامنے (یہ سب) واضح ہو گیا تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ نے کہا: کیا تو (اس پر) ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم نے کہا: کیوں نہیں! (ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن میں قلبی اطمینان چاہتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا: پھر تو چار پرندے لے اور انھیں اپنے ساتھ مانوس کر لے پھر (انھیں ذبح کر کے) ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے' پھر ان کو

بلا، وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لے کہ بے شک اللہ غالب' خوب حکمت والا ہے۔"[1]

کیا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے پرندوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے مظاہرے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے اژدہے میں تبدیل ہونے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیک بندے سے ملاقات کی سرگزشت، یا اس طرح کے دیگر قرآنی واقعات کی کوئی مثال انسانی قصوں میں مل سکتی ہے؟ ایں خیال است ومحال است وجنوں!

قرآنی قصص میں جو خرق عادت، حیرت انگیز واقعات وحسنات اور معجزات وارد ہوئے ہیں، ان کا ظہور وصدور اس لیے ہوا تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ قدرت کاملہ دکھا دیں جس سے کائنات میں کوئی مخلوق بہرہ ور نہیں۔ یہ قصص انسانی نظر کی جلد بازی اور کوتاہ بینی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کاملہ اجاگر کرتے ہیں اور یوں یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کامل ہے اور ماضی، حال اور مستقبل سمیت ہر زمانے کا احاطہ کیے ہوئے ہے، مزید برآں قصص قرآنی یہ بھی بتاتے ہیں کہ کوئی سا بھی زمانہ ہو، خواہ قریب کا ہو یا بعید کا، اللہ تعالیٰ ہر گھڑی کا کامل علم غیب رکھتا ہے۔ اس حقیقت کے ادراک سے مومنوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسا اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔[2]

⑪ **انبیاء اور پسندیدہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان:** قرآنی قصص کے مقاصد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ان میں انبیاء اور صلحاء پر اللہ تعالیٰ کے جو زبردست انعامات بیان کیے گئے ہیں ان کا مومنوں کے دلوں پر بہت پاکیزہ اور پائیدار اثر ہوتا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء، صلحاء اور دوستوں کے لیے بالکل کافی ہے اور وہ ان پر آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی

---

[1] البقرة 260,259:2

[2] معالم القصة فی القرآن الکریم، ص:45

انعامات کی بارش کرتا ہے۔ جس دین حق پر مومن یقین رکھتے ہیں اس پر انھیں ثابت قدم رکھنے میں قصص قرآنی کا ایک زبردست کردار ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، بلاشبہ انبیاء اور پسندیدہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کئی طرح سے ظاہر ہوتی ہیں جو درج ذیل ہیں:[1]

- اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنوں اور پرندوں پر تصرف کا انعام دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝ ﴾

''اور داود کا وارث سلیمان بنا اور اس نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے، اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے، بلاشبہ یہ تو صاف (اللہ کا) فضل ہے۔''[2]

- حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو بھی مسخر کر دیا گیا تھا۔ یہ بھی انعام الٰہی تھا۔ اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ ﴾

''اور ہوا کو سلیمان کے تابع کیا، اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ (کی مسافت) تھا اور اس کا شام کا چلنا بھی ایک ماہ (کی مسافت) تھا، اور ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا

---

[1] بلاغۃ تصریف القول فی القرآن الکریم: 2/918-921

[2] النمل 16:27

چشمہ بہا دیا، اور کچھ جن (اس کے تابع کر دیے) جو اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے، اور ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرکشی کرتا تو ہم اسے خوب بھڑکتی آگ کے عذاب کا مزہ چکھاتے۔ سلیمان جو چاہتا جن اس کے لیے وہی بنا دیتے، مثلاً عالی شان عمارتیں اور تصویریں اور حوضوں جیسے (بڑے بڑے) لگن اور ایک ہی جگہ (چولھوں پر) جمی ہوئی دیگیں۔ اے آل داود! شکرانے کے طور پر (نیک) عمل کرو، اور میرے بندوں میں سے شکر گزار تھوڑے ہی ہیں۔ پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کیا تو جنوں کو گھن کے کیڑے کے سوا کسی چیز نے بھی سلیمان کی موت کی اطلاع نہ دی، وہ اس کی لاٹھی کو کھاتا رہا، پھر جب وہ گر پڑا تو جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو وہ اس رسوا کن مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔'' [1]

اور فرمایا:

﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ؀ ﴾

''اور ہم نے سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا مسخر کر دی، وہ اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی تھی۔'' [2]

❀ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کے لیے پرندوں اور پہاڑوں کو قابل تسخیر بنایا اور لوہے کو نرم کر کے ان پر انعام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ؀ۙ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ؀ ﴾

---

[1] سبا 34:12-14 [2] الأنبياء 21:81

”اور یقیناً ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت عطا کی (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! اس کے ساتھ تسبیح دہراؤ، اور (اے) پرندو! (تم بھی) اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کر دیا کہ تو کامل اور کشادہ زرہیں بنا اور کڑیاں جوڑنے میں (مناسب) اندازہ رکھ، اور تم (سب) نیک عمل کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو بلاشبہ اسے میں خوب دیکھ رہا ہوں۔“ ❶

❁ حضرت داؤد کو زرہوں کی صنعت کی تعلیم دینے کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ﴾

”اور ہم نے اسے تمھارے لیے زرہ کی صنعت سکھائی تھی، تاکہ تمھاری لڑائی (کی تکلیف) سے تمھیں بچائے، پھر کیا تم شکر کرنے والے ہو؟“ ❷

❁ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلم والے بیٹے کا انعام دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○﴾

”چنانچہ ہم نے اسے بہت حلم والے لڑکے (اسمٰعیل) کی بشارت دی۔“ ❸

❁ نیز اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری بھی دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○﴾

”اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق (بیٹے) کی بشارت دی، جو صالح لوگوں میں سے نبی ہوگا۔“ ❹

❁ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے سمندر پھاڑ کر راستہ دیا۔ یوں فرعون اور اس کے لشکر سے انھیں نجات دے کر ان پر انعام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

❶ سبا 34:10-11 ❷ الأنبياء 21:80
❸ الصافات 37:101 ❹ الصافات 37:112

﴿ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۚ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۚ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ ؕ ﴾

''تب ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا سمندر پر مار، تو (عصا مارنے سے) وہ پھٹ گیا، پھر (سمندر کا) ہر ٹکڑا یوں ہو گیا جیسے عظیم پہاڑ۔ اور ہم وہاں دوسروں (فرعونیوں) کو قریب لے آئے۔ اور ہم نے موسیٰ اور جو اس کے ہمراہ تھے، ان سب کو بچا لیا، پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔''[1]

❁ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو عظیم ذبیحے کا فدیہ دے کر ان پر انعام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے اس (اسماعیل) کے بدلے میں ایک عظیم القدر (جانور) ذبح کرنے کو دیا اور ہم نے اس کا ذکر خیر پیچھے آنے والوں میں باقی رکھا۔ ابراہیم پر سلام ہو، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔''[2]

❁ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ان کے اوپر کدو کا بیل دار درخت اگا کر اور اس کے بعد ان کی قوم کو ایمان کی ہدایت عطا کر کے ان پر انعام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ؕ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ لا فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ ۚ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ

---

[1] الشعراء 26:63-66 [2] الصافات 37:107-110

الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝﴾

''اور بے شک یونس رسولوں میں سے تھا۔ جب وہ ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر گیا۔ پھر (کشتی والوں نے) قرعہ ڈالا تو وہ مغلوب ہو گیا۔ تب اسے مچھلی نے نگل لیا جبکہ وہ (خودکو) ملامت کر رہا تھا۔ پھر اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بے شک وہ تسبیح کرنے والوں میں سے تھا تو وہ لوگوں کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے دن (روز قیامت) تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا۔ پھر ہم نے اسے چٹیل میدان میں ڈال دیا، جبکہ وہ بیمار تھا۔ اور ہم نے اس پر ایک بیل دار درخت (کدو) اگا دیا۔ اور ہم نے اسے ایک لاکھ (انسانوں) کی طرف بھیجا، یا وہ اس سے کچھ زیادہ ہوں گے۔ چنانچہ وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے انھیں ایک (مقرر) وقت تک فائدہ (اٹھانے کا موقع) دیا۔''[1]

❖ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کثیر معجزات کا ظہور بھی ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا، اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾

''بے شک میں تمھارے لیے گارے سے پرندے کی شکل بناتا ہوں، پھر اس میں

[1] الصافات 37:139-148

پھونک مارتا ہوں تو اللہ کے حکم سے وہ واقعی پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھے اور برص والے کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور تمھیں بتاتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ بے شک اسی میں تمھارے لیے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔''[1]

❁ حضرت مریم علیہا السلام پر ان کی قوم نے جس گناہ کی تہمت لگائی تھی، اس سے ان کی براءت کر کے اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام کیا، چنانچہ فرمایا ہے:

﴿ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾

''مریم نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ مجھے کسی شخص نے نہیں چھوا؟ فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔''[2]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ۖۚ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ۙ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ۖ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ ﴾

''(قوم مریم نے کہا:) اے ہارون کی بہن! تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں بدکار تھی، چنانچہ مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا، تو وہ کہنے لگے: ہم (اس سے) کیسے کلام کریں جو گود کا بچہ ہے؟ بچہ بول اٹھا: بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب

[1] آل عمران 3:49 [2] آل عمران 3:47

دی اور مجھے نبی بنایا ہے اور اس نے مجھے برکت والا بنایا، جہاں بھی میں ہوں، اور مجھے نماز اور زکاۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ سے نیکی کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے سرکش (اور) بدبخت نہیں بنایا۔“ [1]

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝﴾

”اور اس عورت کو (یاد کریں) جس نے اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اسے اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو اہل عالم کے لیے عظیم نشانی بنا دیا۔“ [2]

❁ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرما کر اور ان کی بیوی کی اصلاح کر کے ان پر انعام کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝﴾

”وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا: میرے رب! مجھے (اپنے پاس سے) پاکیزہ اولاد عطا کر، بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے۔ پھر جب وہ حجرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا تو فرشتوں نے اسے آواز دی: بے شک اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، وہ اللہ کے ایک کلمے (عیسیٰ) کی تصدیق کرے گا، اور سردار، نفس پر ضبط رکھنے والا اور

[1] مریم 19:28-32 [2] الأنبياء 21:91

نبی ہوگا نیکوکاروں میں سے!''[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝﴾

''چنانچہ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اسے یحییٰ عطا کیا، اور ہم نے اس کے لیے اس کی بیوی (کے بانجھ پن) کو درست کر دیا، بے شک وہ (انبیاء علیہم السلام) نیکیوں میں جلدی کرتے، اور ہمیں رغبت اور ڈر سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے ہی نیاز مند تھے۔''[2]

❁ انبیاء اور پسندیدہ لوگوں پر انعامات الٰہی میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر جمیل کو زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔ گزشتہ زمانے میں انھوں نے جو اعمال کیے تھے، ہم انھیں آج تک پڑھتے آ رہے ہیں۔ ہمارے بعد بھی لوگ ان کی پیروی کے لیے آتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنے کا اعلان فرما دے گا۔ اس طرزِ عمل میں کس قدر بھلائی اور دوام ہے! جو لوگ ان انبیاء کے بعد آئے ہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ جو بھی نیکی کا کام کریں گے اسے بھلایا جائے گا نہ اس کا انکار کیا جائے گا۔ یہ مومنوں کے لیے نہایت گراں مایہ پیشگی بشارت ہے۔

[1] آل عمران 3:38-39 [2] الأنبیاء 21:90

باب 3

قرآن کریم کی تاثیر اور اس کے ذریعے سے دعوت دینے کی اہمیت

قرآن کریم کے ذریعے سے دعوت دینے کی اہمیت

بلاشبہ قرآن عظیم نے لوگوں کے دلوں پر نسل درنسل عجیب اثر ڈالا ہے۔ قرآن کریم نے جزیرہ نمائے عرب میں عربوں کی زندگی کو جہالت سے علم میں، شرک سے توحید میں اور فرقہ بندی اور انتشار سے اجتماعیت، اتحاد اور نظم وضبط میں لا کر اس طرح تبدیل کر دیا کہ اس کے بعد ایک تیز رو سیلاب کے مانند ان کا ریلا جزیرہ نمائے عرب کے تمام گوشوں اور دیگر علاقوں تک پھیل گیا اور انھوں نے کرۂ ارض کے عظیم الشان بادشاہوں قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ دیے، شرک اور ظلم کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں اور ہر طرف توحید، حق اور عدل کے پرچم لہرا دیے۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔ انھوں نے قرآن کریم کے ذریعے سے ہدایت پائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اولین چیز جو اس تبدیلی کا سبب بنی وہ قرآن عظیم ہی کی تاثیر ہے۔

بلاشبہ جونہی عربوں نے قرآن کریم کو غور سے سنا اس نے آناً فاناً انھیں حیران کر دیا۔ ان میں وہ افراد بھی تھے جن کے سینے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیے اور ان کی بصیرت کو روشن کر دیا، اور وہ بھی تھے جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ

ڈال دیا، جیسے ولید بن مغیرہ وغیرہ۔

قرآن کریم کی شان و شوکت اور حسن و جمال کو ہر عاجز اور گڑگڑانے والا دل محسوس کرتا ہے اور کسی نہ کسی طرح اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، لیکن عرب جھگڑالو قوم تھے جیسا کہ قرآن عظیم نے ان کے بارے میں بتایا ہے:

﴿قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝﴾

''یہ لوگ نرے جھگڑالو ہیں۔''[1]

اور وہ بہت جھگڑا کرنے والے دشمن تھے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝﴾

''اور اس کے ساتھ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔''[2]

یہ جھگڑالو لوگ قرآن کریم کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلانے اور اس کی شان میں گستاخی کرنے پر اُتر آئے اور اس کی قدر و قیمت گھٹانے کے لیے ہمہ گیر مہم چلانے لگے۔

بلا شبہ بعض ایسے مبلغین اور داعیوں پر تعجب ہوتا ہے جو قرآن کی آیات سے عمداً یا مخاطبین کے دلوں پر قرآن کریم کی اثر اندازی سے عدم توجہ کے باعث غفلت برتتے ہیں۔ وہ اپنی دعوت کے دوران میں کلام الٰہی کے علاوہ ہر اس کلام کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں جو ان کے دل میں سما جاتا ہے۔ وہ آیات قرآنیہ سے بہت کم استدلال کرتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لمبی چوڑی اور ہمہ گیر گفتگو کرنے کے باوجود ان کے لبوں سے قرآن کریم کی ایک آیت بھی سنائی نہیں دیتی۔[3]

---

[1] الزخرف 58:47 [2] مریم 97:19

[3] اس گفتگو کا یہ مقصد نہیں ہے کہ مبلغین اور داعی حضرات اپنی دعوت وتبلیغ کے دوران میں فقط قرآنی آیات کی تلاوت ہی پر اکتفا کریں اور توضیح وتفصیل، تفسیر، وجوہ بیان، ضرب الامثال، شواہد اور عبرت انگیز ◄◄

عہد قدیم اور دور جدید میں دعوت دین عام کرنے اور لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے میں قرآن کریم کی اثر آفرینی نہ صرف مسلم ہے بلکہ اسے زبردست اہمیت بھی حاصل ہے، لہٰذا اس باب میں مدعوین کے دلوں پر قرآن کریم کی اثر اندازی کے بارے میں گفتگو ہوگی۔

بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کی نصرت وتائید فرمائی ہے تاکہ وہ لوگوں کو قرآن کریم کے ذریعے سے دعوت دیں اور اس پر اعتماد کریں۔ دلوں پر قرآن کریم کی زبردست اثر اندازی ہی کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایسی بہت سی قرآنی نصوص ملتی ہیں جو قرآن عظیم کی آیات مقدسہ کے ذریعے سے دعوت دینے کا حکم اور ترغیب دیتی ہیں۔ ان میں سے چند آیات درج ذیل ہیں:

① اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۚ﴾

''اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس جس کو یہ پہنچے، ان سب کو ڈراؤں۔''[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اے مخاطبو! بلاشبہ یہ قرآن لوگوں کے فائدے اور ان کی اصلاح کے لیے وحی کیا گیا ہے کیونکہ اس میں تمھارے لیے اور قیامت تک جن لوگوں کو یہ قرآن پہنچے گا، ان سب کے لیے ڈراوا ہے اور خطرے سے آگہی اور انتباہ ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

« واقعات سے پرہیز کریں، کیونکہ یہ بات قرآن کریم کی نص اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور سنت کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ''اور ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا، اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔'' (النحل 16:44)

[1] الأنعام 6:19

"قرآن کریم جب بھی اور جہاں بھی رونق افروز ہو، وہ دعوت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔" پھر انھوں نے بطور استدلال یہی آیت تلاوت کی: ﴿ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَنۢ بَلَغَ ﴾ "تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس جس تک یہ پہنچے، اُن سب کو ڈراؤں۔" [1]

② اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ كِتَٰبٌ أُنزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُن فِى صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِۦ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ ﴾

"(اے نبی!) یہ کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس سے آپ کے سینے میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہونی چاہیے، تاکہ آپ اس کے ذریعے سے (لوگوں کو) ڈرائیں اور یہ مومنوں کے لیے نصیحت ہے۔" [2]

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ آپ کفار کو قرآن کریم کے ذریعے سے ڈرائیں اور مومنوں کو نصیحت کریں، کیونکہ قرآن کریم ہر اس چیز کا حامل ہے جس کے بندگانِ رب العزت دنیا و آخرت میں محتاج ہیں، نیز یہ حکم اس لیے بھی دیا گیا ہے کہ صرف مومنین ہی اس کی ہدایت سے مستفید ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا داعی اور مبلغ جب قرآن کے ذریعے سے قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے لیے کھڑا ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس کے دل و دماغ میں کسی قسم کا کوئی شک، تردد اور تنگی نہ ہو۔ اس آیت کریمہ میں "حَرَجٌ" سے یہی مراد ہے کہ کسی قسم کی تنگی اور شک و شبہ داعی کے دل میں نہ ہو کیونکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب ہے۔ باطل کسی طور اس کتاب کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا، لہٰذا داعی کو کامل انشراح صدر ہونا چاہیے اور اس پر اس کا

---

[1] تفسیر الطبری 291:11 [2] الأعراف 2:7

دل پوری طرح مطمئن ہونا چاہیے۔ اس کا فرض ہے کہ قرآن احکام اور اس کی نواہی کا اعلان کرے اور کسی ملامت گر اور رکاوٹ ڈالنے والے سے ہرگز نہ ڈرے۔ ❶

③ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ○ ﴾

''اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا اتارا تا کہ آپ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں، اور ہم نے اسے بتدریج ہی نازل کیا ہے۔'' ❷

پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو مختلف حالات و حوادث اور واقعات پیش آنے پر تقریباً 23 برس کی مدت میں وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا تا کہ آپ اسے وقفے وقفے سے لوگوں تک پہنچائیں اور ان کے روبرو اس کی تلاوت فرمائیں تا کہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور اس پر ایمان لائیں۔ ❸

یہ بات ہر مبلغ کے لیے شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ دل و جان سے حضرت محمد ﷺ کی اقتدا کرے اور لوگوں کو قرآن کریم کی دعوت توقف کے ساتھ وقتاً فوقتاً دے اور اس کی تلاوت دھیرے دھیرے کرے تا کہ قرآن کریم میں جو حکمتیں اور نفع بخش علوم ہیں وہ نمایاں ہو جائیں اور لوگ ان سے مستفید ہو سکیں۔

④ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ○ ﴾

''کہہ دیجیے: بس میں تو تمھیں وحی کے ذریعے سے ڈراتا ہوں، اور بہرے پکار کو نہیں

---

❶ تفسیر الطبری: 12/297، تفسیر القرطبی: 7/160-161، تفسیر السعدی، ص 245-246 و فی ظلال القرآن: 3/1203-1209

❷ بنی إسرآء یل 106:17

❸ تفسیر ابن کثیر: 3/94

سنتے جب انھیں ڈرایا جائے۔''❶

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کو واضح حکم دیا گیا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو اس قرآن عظیم کے ذریعے سے دعوت دیں اور انھیں ڈرائیں کیونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔ اگر وہ اسے قبول کر لیں تو اس میں انھی کا فائدہ ہے۔ اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس بہرے کے مانند ہیں جو کوئی آواز سنتا ہے نہ یہ جانتا ہے کہ اس سے گفتگو کرنے والا کیا کہتا ہے کیونکہ جو قرآن حکیم کی آواز سنے اور اس کا دل اس کی ہدایت قبول نہ کرے تو وہ بدبخت درحقیقت بہرا ہے۔❷

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا لوگوں کو قرآن کے ذریعے سے خوف دلاتا ہے۔ پس جو شخص دعوت الی اللہ قبول کرے نہ اس سے متاثر ہو تو یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کا دل خیر اور بھلائی سے خالی ہے اور وہ بھلائی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یوں دعوت قرآن میں جو خبریں اور ہدایات ہیں، وہ ان سے مستفید نہیں ہوتا۔ درحقیقت یہی شخص بہرا ہے۔

⑤ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ○﴾

''پس آپ کافروں کی اطاعت نہ کریں اور ان سے بذریعہ قرآن بڑے زور کا جہاد کریں۔''❸

یہ آیت کریمہ اس بات پر نص صریح ہے کہ قرآن عظیم کی آیات مقدسہ کے ذریعے سے دعوت دینا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے عظیم الشان دروازوں میں سے ایک ہے کیونکہ

---

❶ الأنبياء 45:21

❷ تفسير القرطبي: 292/11 و تفسير ابن كثير: 181/3 و تفسير السعدي، ص: 473

❸ الفرقان 52:25

اللہ تعالیٰ نے اسے نہ صرف جہاد کا نام دیا ہے بلکہ اسے بڑا جہاد بھی کہا ہے۔ اس اعتبار سے لوگوں کو رجوع الیٰ اللہ کی دعوت دینے والے افراد کس قدر شرف عظیم کے مالک ہیں کہ انھیں ''سب سے بڑا جہاد کرنے والے مجاہدین'' کا لقب دیا گیا ہے۔ یہ لقب ان کے لیے ایسی نعمت عظمیٰ ہے جو یہ حق رکھتی ہے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں، فرض تبلیغ اور دیگر اعمال صالحہ اخلاص سے ادا کریں، کفار اور گناہ گار مسلمانوں کے ساتھ قرآن عظیم کے ذریعے سے جہاد کرنے میں جانفشانی سے کام لیں کیونکہ جو شخص بذریعہ قرآن کفار سے جہاد کرتا ہے اسے گناہ گار مسلمانوں کو بدرجہ اولیٰ قرآن کے پیغام سے روشناس کرانا چاہیے۔

⑥ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ○﴾

''اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں حتی کہ وہ ان کی بڑی بستی میں کوئی رسول بھیجتا ہے، جو ان پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے۔ اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر (اس وقت) جبکہ ان کے باشندے ظالم ہوں۔''[1]

یہ آیت کریمہ بھی قرآن کریم کے ذریعے سے دعوت دینے کی اہمیت اجاگر کرتی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کافروں کے لیے آیات قرآنیہ کی تلاوت سننے کو عذاب الٰہی کے نزول سے بچاؤ کا قلعہ قرار دیا ہے کیونکہ قرآن عظیم اللہ عزوجل پر ایمان لانے اور اس کے دین میں داخل ہونے کے لیے سب سے بڑا سبب اور سب سے زیادہ کارآمد وسیلہ ہے، اس لیے اسے سن لینے کے بعد ان کے خلاف حجت قائم ہو جاتی ہے۔[2]

---

[1] القصص 28:59

[2] تفسیر القرطبی: 13/301-303 و تفسیر ابن کثیر: 3/397 و تفسیر السعدی، ص: 571

اسی آیت کریمہ کی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں فرمایا ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴾

''اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں، اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾ ''یہاں تک وہ اللہ کا کلام سن لے'' سے مراد یہ ہے کہ وہ اس قرآن حکیم کو سن لے جسے آپ تلاوت کرتے ہیں، اس پر غور و فکر کر لے، معاملے کی حقیقت پر مطلع ہو جائے اور یوں اس پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ پھر اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کے وہی حقوق و واجبات ہیں جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں اور اگر وہ انکار کر دے تو اسے اس کے امن کی جگہ یا اس کے گھر واپس پہنچا دیں جہاں وہ پر امن رہ سکے، پھر اگر آپ (اس کی اسلام دشمنی کے باعث) اس سے لڑنا چاہیں تو لڑ سکتے ہیں۔''[2]

اگر قرآن حکیم کو سننے والے لوگوں کے دلوں تک قرآن کے اثرات پہنچنے والے نہ ہوتے تو مشرک کی پناہ ختم کرنے کے لیے اسے حد فاصل قرار نہ دیا جاتا۔

⑦ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ﴾

''لہٰذا آپ اس قرآن کے ذریعے سے اس شخص کو نصیحت کرتے رہیں، جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔''[3]

---

[1] التوبة 6:9
[2] تفسیر القاسمی المعروف: ''محاسن التاویل'' 90/4:
[3] ق 45:50

یہ اس لیے کہ اگر آدمی قرآن کریم پر ایمان لائے نہ اس کے مطابق عمل کرے تو قرآن دلوں کو جھنجھوڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ہولناکی اور شدت سے انھیں خوف دلاتا ہے، لہٰذا قرآن حکیم لوگوں کو دعوت دینے کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر ترین وسیلہ ہے، رجوع الی اللہ کی دعوت دینے کے لیے مبلغین کو یہی وسیلہ بروئے کار لانا چاہیے۔[1]

[1] الدعوة إلى الله بالقرآن الكريم، الدكتور خالد القريشي، مجلة جامعة محمد بن سعود الإسلامية، عدد :31 رجب، 1421ھ، ص :273-278

قرآن کریم کے ساتھ دعوت دینے کا عملی نفاذ

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ قرآن عظیم کے ذریعے سے اپنے قول وعمل، رہنمائی اور ہدایت کی روشنی میں بڑے وقار اور تمکنت سے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

«فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ كَانَ الْقُرْآنَ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا خلق قرآن تھا۔'' [1]

یعنی نبی اکرم ﷺ اپنے تمام اقوال، افعال، احوال اور امور زندگی میں ٹھیک قرآنِ کریم کی تعلیمات پر عمل کرتے تھے، بلکہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق قیامت کے دن آپ کے پیروکاروں کی کثرت کا سب سے بڑا سبب آپ پر قرآن کریم کا نزول ہی

---

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل ومن نام......، حديث: 746

اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کا عمل ٹھیک قرآن حکیم کے مطابق تھا۔ آپ قرآن کی حدود کا پاس کرتے تھے، اس کے آداب ملحوظ خاطر رکھتے تھے، اس کی مثالوں اور واقعات سے عبرت حاصل کرتے، اس میں غور وفکر کرتے اور احسن طریقے سے اس کی تلاوت کرتے تھے۔

ہے۔ بلاشبہ قرآن وہ سب سے بڑا معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمایا۔[1]

چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''ہر نبی کو جو کچھ دیا گیا اس کے مطابق ہی اس پر لوگ ایمان لائے اور بلاشبہ مجھے جو چیز دی گئی ہے وہ وحی (قرآن) ہے جسے اللہ نے میری طرف نازل کیا ہے، لہٰذا میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میں پیروکاروں (کی بہتات) کے اعتبار سے سب سے (آگے) بڑھ جاؤں گا۔''[2]

معجزۂ قرآن عظیم اور دیگر انبیاء کے معجزات کے مابین اہم فرق

بلاشبہ قرآن عظیم کا معجزہ سابقہ معجزوں سے مختلف ہے۔ قرآن عظیم کے معجزے اور سابقہ انبیاء کے معجزات کے مابین مندرجہ ذیل فرق ہیں:

- بلاشبہ قرآن عظیم کا معجزہ یوم قیامت تک ابدی ہے جبکہ دیگر انبیاء کے معجزات ان کے ادوار ختم ہوتے ہی صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ انھیں صرف انھی لوگوں نے دیکھا جو ان ادوار میں موجود تھے۔

---

[1] الدعوة إلى الله بالقرآن الكريم ، الدكتور خالد القريشي، مجلة جامعة محمد بن سعود الإسلامية، عدد:31 رجب،1421ھ، ص:282-283

[2] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحي و أول مانزل، حديث :4981و صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا..........،حديث : 152

❁ قرآن عظیم اپنے اسلوب، بلاغت اور اپنی غیبی خبروں کے لحاظ سے یکسر خلاف معمول اور خرق عادت چیز ہے، لہٰذا کوئی دور ایسا نہیں گزرتا جس میں قرآن کریم کی دی ہوئی خبریں ظاہر نہیں ہوتیں اور یہ وہ چیز ہے جو قرآن کے سوا دیگر معجزات میں نہیں پائی جاتی۔

❁ ماضی کے معجزات حسی تھے جن کا بچشم خود مشاہدہ کیا جا سکتا تھا، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی وغیرہ جبکہ قرآن عظیم کا معجزہ صرف نگاہ بصیرت ہی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن عظیم کے پیروکار زیادہ ہوں گے کیونکہ جو معجزہ براہ راست آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہو وہ مشاہدہ منقطع ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے اور وہ معجزہ جسے صرف عقل کی بینائی ہی دیکھ سکتی ہو، باقی رہتا ہے اور اسے ہر عہد میں ہر شخص مستقل طور پر دیکھ سکتا ہے۔" [1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی جلالت مآب، بارعب اور دعوتِ دین میں مؤثر ترین شخصیت آیات قرآنی کے ذریعے سے دعوت دینے سے بے نیاز نہیں ہے تو آج ہماری کیا اوقات ہے۔ بھلا ہم کس باغ کی مولی ہیں! ہم تو کوتاہیاں کرنے والے خطا کار اور قصور وار ہیں۔ بلاشبہ ادنیٰ ترین درجے میں ہم جو کچھ بھی ہیں، اس لحاظ سے تو ہمیں آیات قرآنی کے ذریعے سے دعوت الی اللہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

لہٰذا داعیان عظام کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کو دعوت دیتے وقت ابدی معجزے، قرآن عظیم سے مدد لیں اور اسی کی طرف رجوع کریں تاکہ ہدایت، استقامت اور تقویٰ کے متوقع عظیم نتائج اور نقوش جگمگا اٹھیں۔

یہاں ہم مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں قرآن عظیم کے ذریعے سے دعوت دینے کے مؤثر

---

[1] فتح الباری: 9/9-10

طریقوں اور مدعوین کے دلوں پر اس کے اثرات کی مثالیں پیش کرتے ہیں:[1]

سفر حج میں قرآنی آیات سنا کر دعوت اسلام دینا

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ بنفس نفیس عرب قبائل کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کریں تو اس حکم کی تعمیل کے لیے آپ مجھے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر نکلے حتی کہ ہم مجالس عرب میں سے ایک مجلس تک پہنچے (آپ ﷺ نے اہل مجلس کو دعوت دی)...... تو مفروق بن عمرو نے دریافت کیا: ''اے قریش کے بھائی! آپ ہمیں کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○﴾

''کہہ دیجیے! آؤ میں پڑھ کر سناتا ہوں جو کچھ تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمھیں بھی اور انھیں بھی رزق دیتے ہیں، اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے ہوں، اور کسی

---

[1] الدعوة إلى الله بالقرآن الكريم، الدكتور خالد القريشي، مجلة جامعة محمد بن سعود الإسلامية، عدد: 31، رجب 1421هـ، ص: 284-309، من أسرار عظمة القرآن، ص: 31-33، من مشاهد الأعجاز النفسي في القرآن الكريم، الدكتور علي البدري، مجلة الجامعة الإسلامية، عدد 44، 1411هـ، ص: 85-94 ، خصائص القرآن الكريم، الدكتور فهد الرومي، ص: 99-109

ایسی جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہو، سوائے اس کے جس کا قتل برحق ہو۔ ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو۔''[1]

مفروق نے پھر پوچھا: اے قریش کے بھائی! آپ اور کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝﴾

''بے شک اللہ عدل اور احسان کرنے اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔''[2]

یہ آیت کریمہ سن کر مفروق کہنے لگا: ''اے قریش کے بھائی! اللہ کی قسم! آپ نے اعلیٰ اخلاق اور بہترین اعمال کی طرف بلایا ہے۔''[3]

سفری صعوبتیں اور قرآن کے ذریعے دعوت

حضرت خالد عدوانی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بنوثقیف سے حصول تعاون کی جستجو میں ان کے پاس آئے تو خالد نے دیکھا کہ آپ بنوثقیف کے مشرق میں کمان یا لاٹھی کے سہارے کھڑے تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ آپ اس سورت کی تلاوت کر رہے تھے: ﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ﴾ ''قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی۔''[4]

---

[1] الأنعام 151:6 [2] النحل 90:16

[3] الثقات لابن حبان: 1/80-88 ودلائل النبوة للبيهقي: 2/422-427 اس کی سند کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''حسن'' کہا ہے۔ (فتح الباری: 220/7)

[4] الطارق 1:86

آپ نے یہ سورت آخر تک پڑھی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سورت کو ذہن نشین کر لیا جبکہ یہ جاہلیت کا زمانہ تھا اور میں مشرک تھا۔ اس کے بعد میں نے اسے دور اسلام میں بھی پڑھا۔ وہ فرماتے ہیں: ''مجھے بنوثقیف نے بلایا اور پوچھنے لگے: تو نے اس آدمی سے کیا سنا ہے؟ میں نے انھیں سورۂ طارق پڑھ کر سنائی تو ان (بنوثقیف) کے ساتھ جو قریشی تھے انھوں نے کہا: ہم اپنے ساتھی کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اگر ہم اسے حق سمجھتے تو ضرور اس کی پیروی کرتے۔''[1]

پس یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بستیوں کا سفر کرتے تھے، لوگوں کے پاس جاتے تھے اور قرآن عظیم کی آیات تلاوت کر کے انھیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دیتے تھے۔ قرآنی آیات سن کر سامعین کے دلوں پر جو زبردست اثر پڑتا تھا وہ اثر طائف کے جلیل القدر صحابی خالد بن ابوجبل عدوانی رضی اللہ عنہ نہیں بھولے کیونکہ وہ کہتے ہیں: ''میں نے اس سورت کو زمانۂ جاہلیت ہی میں ذہن نشین کر لیا تھا جبکہ میں مشرک تھا، پھر میں نے اسے دور اسلام میں بھی پڑھا۔''

بادشاہوں اور سرداروں کو قرآن کے ذریعے سے دعوت اسلام دینا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (نجاشی کے ملک) حبشہ کی طرف ہجرت کے بارے میں فرماتی ہیں: نجاشی نے بڑے بڑے پادریوں کو بھی بلا لیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ حضرت جعفر کے گرد اپنی مذہبی کتابیں انجیل وغیرہ کھول کر رکھیں۔ حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''جو تعلیمات وہ نبی لے کر آیا ہے کیا اس میں سے کچھ تم سنا سکتے ہو؟'' پھر نجاشی نے حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جی ہاں!'' چنانچہ آپ نے ان کے روبرو سورۂ مریم زبانی پڑھی

[1] مسند أحمد: 335/4، صاحب فتح الربانی نے اس کی سند کو ''جید'' کہا ہے (الفتح الربانی: 243/20)

تو اللہ کی قسم! نجاشی رو پڑا۔ وہ اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی پادری بھی رونے لگے اور وہ بھی اس قدر روئے کہ ان کے صحیفے آنسوؤں سے تر ہوگئے۔“[1]

نبی اکرم ﷺ نے جو خط رومی بادشاہ ہرقل کو لکھا تھا، اس کا مضمون یہ ہے:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم، مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّوم، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَام، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ

”شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے شاہ روم ہرقل کے نام!

جو شخص سیدھے راستے کی پیروی کرے اس کو سلام ہو!

أما بعد! میں تمھیں اسلام کے کلمے کی طرف بلاتا ہوں، اسلام قبول کرلو، سلامت رہو گے اور اللہ تمھیں دوہرا ثواب دے گا۔ اگر تم نے منہ پھیر لیا تو بلاشبہ تمھارے عوام کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ (اس کے بعد آپ نے یہ آیت کریمہ تحریر کرائی)

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝﴾

”اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں

---

[1] مسند أحمد: 201/1، 290/5-292 امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں ماسوا ابن اسحاق کے اور اس نے بھی سماع کی تصریح کی ہے۔“

ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔"[1]

سننے والے چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، عوام الناس میں سے ہوں یا ان کے بادشاہوں اور سرداروں میں سے ہوں، قرآن عظیم کا سامعین کے دلوں پر بلا امتیاز کس قدر زبردست اور فوری اثر ہوتا ہے، یہ بات نجاشی کی مثال سے واضح ہے۔ نجاشی اور اس کے پادری قرآن عظیم کی آیات سن کر بے خود ہو گئے حتی کہ اس کی تاثیر کی بنا پر وہ رونے لگے اور ان کی ڈاڑھیاں بھیگ گئیں۔

دشمنوں کے قلوب پر قرآن کریم کا حیرت انگیز اثر

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن قریش اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے: دیکھو تم میں سے جو شخص سب سے زیادہ جادو، کہانت اور اشعار جانتا ہے وہ اس شخص کے پاس جائے جس نے ہماری جماعت میں تفریق پیدا کر دی ہے، ہمارا معاملہ بگاڑ دیا ہے، ہمیں منتشر کر دیا ہے اور ہمارے دین پر طعن و تشنیع کی ہے۔ ہمارا شخص اس سے جا کر گفتگو کرے اور دیکھے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے، چنانچہ عتبہ بن ربیعہ رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے آپ سے طویل گفتگو کی۔ جب عتبہ اپنی ساری باتیں کر چکا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اے ابو ولید! کیا تم اپنی گفتگو سے فارغ ہو گئے؟" اس نے جواب دیا: جی ہاں! تب رسول ﷺ نے فرمایا:

---

[1] آل عمران: 3/64۔ صحیح البخاری، الوحی، باب کیف بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، حدیث: 6

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿حٰمٓ ۚ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۚ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۙ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ۝ وَ قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ وَ فِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّ مِنۡۢ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ۝﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ”حٰم (یہ قرآن) رحمٰن اور رحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ (یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں، حالانکہ (یہ) قرآن عربی ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں، جو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے، پھر ان میں سے اکثر نے (اس سے) منہ پھیر لیا، تو وہ سنتے ہی نہیں۔ اور انھوں نے کہا: جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں، اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہیں، اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ ہے، لہٰذا تو (اپنا) کام کر، بلاشبہ ہم (اپنا) کام کرنے والے ہیں۔“[1]

رسول اللہ ﷺ مسلسل قرآن پڑھتے رہے حتی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان تک آ پہنچے:

﴿فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُکُمۡ صٰعِقَۃً مِّثۡلَ صٰعِقَۃِ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ۝﴾

”پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دیجیے: میں نے تمھیں ایسی کڑک (آسمانی عذاب) سے ڈرا دیا ہے جو عاد اور ثمود کی کڑک کے مانند ہوگی۔“[2]

عتبہ نے یہ آیت سن کر آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور قرابت داری کی قسم دیتے ہوئے کہا کہ اب رک جائیے، پھر عتبہ لوٹ گیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس جا کھڑا ہوا۔

---

[1] حٰم السجدة: 41/1-5 [2] حٰم السجدة: 41/13

وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: ہم حلفیہ کہتے ہیں کہ ابو ولید جس کام کے لیے گیا تھا، وہ اس کے بغیر ہی لوٹ آیا ہے...... اس کے بعد ابو ولید نے قریش سے جو گفتگو کی، اس میں اس نے ایک بات یہ بھی کہی: ''اے جماعت قریش! میری بات مانو اور اس کے مطابق کوئی قدم اُٹھاؤ۔ محمد (ﷺ) اور اُن کے عقائد کو جانے دو اور ان سے الگ تھلگ رہو۔ اللہ کی قسم! جو خبر میں نے ان سے سنی ہے (اس کے پیشِ نظر) ہوسکتا ہے تم پر عذاب آ جائے...... اس پر وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! اے ابو ولید! محمد (ﷺ) نے اپنی زبان سے تم پر جادو کر دیا ہے۔'' [1]

قرآن کریم دُشمنانِ دین کے دلوں میں ہیبت بٹھا دیتا اور ان کے دل دہلا دیتا ہے اور ان کی آنکھوں سے نیند اڑ جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قریش مکہ کو دین حق قبول کرنے سے صرف ان کے تکبر اور عناد نے روکا۔ کفار مکہ اچھی طرح جانتے تھے کہ قرآن کا کلام بے حد مؤثر ہے، سامعین کے دلوں پر فوراً اثر کرتا ہے، لہٰذا وہ قرآن کریم کے سننے سے خود بھی ڈرتے تھے اور دیگر لوگوں کے دلوں پر اس کے غلبے سے خوف کھاتے تھے، چنانچہ زیارت کعبہ کے لیے جو وفود مکہ آتے، وہ ان کا استقبال کرتے تھے اور انھیں پہلے ہی سے نبی اکرم ﷺ کی گفتگو سننے اور آپ کی مجلس میں جانے سے ڈراتے تھے۔ وہ اسی پر بس نہ کرتے بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو قرآن عظیم نہ سننے کی وصیت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾

''اور کافروں نے (ایک دوسرے سے) کہا: تم اس قرآن کو مت سنو اور (جب پڑھا جائے تو) شور مچاؤ تاکہ تم غالب آ جاؤ۔'' [2]

---

[1] دلائل النبوة، اسماعیل بن محمد الفضل تمیمی: 2/220-222، مسند أبي یعلی: 3/350...... ایک اور روایت میں ہے کہ جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا اور جس نے سورۂ (حٰم السجدة) کی تلاوت رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی تھی وہ ولید بن مغیرہ تھا۔ (تفسیر الطبری: 28/155-157)

[2] حٰم السجدة 41:26

انھوں نے یہ بات بلاوجہ نہیں کہی تھی۔ بلاشبہ وہ قرآن کریم کی تاثیر سے آگاہ تھے اور انھوں نے اپنے اطراف واکناف میں قرآن کی شان وشوکت اور شدتِ تاثر کو محسوس کرلیا تھا، بصورت دیگر وہ اپنی قوم کو قرآن کریم سننے سے اس شدت سے نہ ڈراتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود قرآن کریم سے بہت متاثر ہوتے تھے لیکن اسے قبول کرنے سے ان کا غرور وتکبر آڑے آتا تھا۔

خطبات میں لوگوں کو قرآنی آیات سنا کر نصیحت کرنا

حضرت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«لَقَدْ كَانَ تَنُّورُنَا وَتَنُّورُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَاحِدًا سَنَتَيْنِ، أَوْ سَنَةً وَبَعْضَ سَنَةٍ، وَمَا أَخَذْتُ ﴿قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ﴾ إِلَّا عَنْ لِّسَانِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، يَقْرَؤُهَا كُلَّ يَوْمِ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ، إِذَا خَطَبَ النَّاسَ»

''بلاشبہ تقریباً ڈیڑھ دو سال تک ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کا تنور ایک ہی رہا، اور میں نے سورۂ قٓ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی جسے آپ ہر جمعے کے دن خطبہ دیتے ہوئے پڑھا کرتے تھے۔''[1]

پس رسول اللہ ﷺ یومِ جمعہ کو منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے جو کہ دعوت کا سب سے بڑا دروازہ اور اس کا سب سے بڑا میدان ہے، اور آپ خطبے میں قرآن کریم کی سورۂ قٓ کی تلاوت فرما کر اس کے ذریعے سے لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے۔

---

[1] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة و الخطبة، حديث: 873

قرآن کریم سن کر دل کی دھڑکن تیز ہو جانا

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورۂ طور کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا دل ابھی پرواز کر جائے گا:

﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ۝ ﴾

”کیا وہ بغیر کسی خالق کے پیدا کیے گئے ہیں، یا وہ (خود اپنے) خالق ہیں؟ کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا وہ (ان کے) داروغہ ہیں؟“ [1]

ان کا دل کیوں پرواز نہ کرتا؟ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کیونکہ قرآن کی اثر انگیزی بڑی زبردست ہے۔ بھلا یہ اثر انگیزی کیسے نہ ہو؟ اگر اس قرآن کریم کو پہاڑ پر نازل کر دیا جاتا تو وہ بھی لرز جاتا اور اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتا۔

[1] الطور:52/35-37، صحیح البخاری، التفسیر، باب سورۃ الطور، حدیث :4854

معروف نومسلم سکالرز کے قبول اسلام میں قرآن کریم کا کردار

دور قدیم و جدید میں دعوت دین پھیلانے کے سلسلے میں قرآن عظیم کا کردار بہت اہم اور عظیم الشان رہا ہے۔ غیر مسلموں کے عقلی طرزِ عمل میں غور و تأمل کرنے والا شخص اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ان کے اس طرز عمل کے مقابلے میں اسلام کا طرزِ فکر و عمل درج ذیل دو متضاد رجحانات کے مابین نقطۂ توازن پر استوار ہے:

- پہلا رجحان: اس پر علمی اور موضوعی جذبہ غالب ہے اور اس میں ذاتی خواہشات و رجحانات سے دور رہتے ہوئے رائے زنی اور نتائج اخذ کرنے میں بلا تعصب غیر جانبدارانہ رویہ اپنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔
- دوسرا رجحان: اس پر جانبداری، گروہ بندی اور اس سے ملتے جلتے دوسرے جذبات غالب ہیں۔ یہ گروہ اپنی تہذیب و افکار کے برتر ہونے کے احساس سے مغلوب ہو کر اہلِ مشرق کی جانب اپنے تیر و تفنگ کا رخ پھیر دیتے ہیں۔

اس وقت ہمارا مقصود رجحان اول رکھنے والے افراد کی شہادت اور ان کے اقوال ہیں، لیکن

لازم ہے کہ ہم صرف ان باتوں کو ملحوظ رکھیں جو ہمارے مقصد کے لیے اہم ہیں اور وہ یہ ہے کہ بلاشبہ اسلام یا قرآن کے بارے میں یہ اقوال اور شہادتیں ہمارے دین، ہماری تہذیب، ہمارے مضبوط اصولوں اور مستحکم حقائق کی تصدیق کرتی ہیں، اس سے زیادہ ان کی اور کوئی حیثیت نہیں۔[1]

یہ اقوال اور شہادتیں ایسے اشخاص کی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو چکے ہیں، انھوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے یا بعد میں اسلام کے کسی نہ کسی پہلو کی بابت یہ کلمات کہے ہیں، ان کے یہ اقوال اور شہادتیں درج ذیل ہیں:[2]

❁ **ابراہیم خلیل احمد:** قِسّیس کے مرتبے پر فائز عیسائی پادری ابراہیم خلیل احمد نے اسلام اور بالخصوص قرآن کریم کا انتہائی باریک بینی سے مطالعہ کرنے کے بعد 1380ھ میں اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ وہ قرآن عظیم کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں یقیناً اس بات کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ اگر میں دہریہ انسان ہوتا، یعنی اس کائنات کے خالق کے وجود پر ایمان رکھتا نہ آسمانی رسالتوں میں سے کسی رسالت پر ایمان رکھنے والا ہوتا اور میرے پاس کچھ لوگ آتے جو مجھے مختلف جدید علوم کی ایسی باتیں بتاتے جو قرآن کریم نے پہلے ہی بیان کر دی ہیں تو یقیناً میں رب العزت، صاحب جبروت، خالق ارض وسماء پر ایمان لے آتا اور اس کے ساتھ کسی کو کبھی شریک نہ ٹھہراتا......''[3]

---

[1] الدعوة إلى الله بالقرآن الكريم، الدكتور خالد القريشي، ص: 311-313، قالوا عن الإسلام، الدكتور عماد الدين خليل، ص: 11-22

[2] الدعوة إلى الله بالقرآن الكريم، ص: 314-331، بالقرآن أسلم هؤلاء، عبدالعزيز الغزاوي، ص: 67-162، قرآنكم يا مسلمون، إبراهيم الضبيعي، ص: 53-55، 65-70، القرآن الكريم من منظور غربي، الدكتور عماد الدين خليل، ص: 17-44،26-72،49-79.

[3] قالوا عن الإسلام، ص: 49

ایک اور موقع پر انھوں نے ہم سے اور بالخصوص ان لوگوں سے جو مادی علوم میں ترقی یافتہ اقوام سے نفسیاتی طور پر مرعوب ہو کر شکست خوردگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، نہایت اہم اور فکر انگیز بات کہی۔ وہ فرماتے ہیں:

''مسلمان کو چاہیے کہ قرآن پر فخر کرے اور اس سے قوت حاصل کرے کیونکہ قرآنِ کریم پانی کے مانند ہے جس میں ہر اس شخص کے لیے زندگی کی بشارت ہے جو اسے سیر ہو کر پیتا ہے۔''[1]

اسی طرح وہ فرماتے ہیں:

''قرآن کریم ہر اعتبار سے مختلف جدید علوم مثلاً: طب، فلکیات، جغرافیہ، جیالوجی (ارضیات) قانون، عمرانیات اور تاریخ وغیرہ پر سبقت لے گیا ہے۔ پس ہمارے دور میں جدید علوم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ قرآن عظیم کس کس چیز کا پہلے ہی تذکرہ فرما چکا ہے۔''[2]

❁ ڈاکٹر گرینیا: جن لوگوں نے قرآن عظیم سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ان میں سے ایک ڈاکٹر گرینیا بھی ہیں۔ جب ان سے اسلام قبول کرنے کا سبب پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

''بلاشبہ میں نے قرآن کی وہ تمام آیات تلاش کیں جن کا تعلق طبی اور سائنسی علوم سے تھا اور انھیں میں نے چھوٹی عمر ہی میں پڑھ لیا تھا اور میں انھیں بخوبی جانتا تھا۔ پس میں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ آیات جدید علوم و معارف سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہیں، چنانچہ میں نے اسلام قبول کر لیا کیونکہ مجھے پورا یقین ہو گیا تھا کہ حضرت محمد ﷺ ایک ہزار سال پہلے، جب کہ اس دور میں وہاں بنی نوع انسان میں سے کوئی معلم اور مدرس ہی موجود نہیں تھا، واضح حق لے کر آئے۔ اگر جدید علوم وفنون

---

[1] بالقرآن أسلم هؤلاء، ص: 131-136

[2] محمد ﷺ فی التوراة والإنجيل والقرآن، ص: 47-48

کے ماہرین میری طرح دنیاوی اغراض سے خالی ہو کر غیر جانبداری سے اپنے علم وفن کے متعلق قرآنی آیات کا اپنے ان علوم وفنون سے موازنہ کریں جو انھوں نے بڑی تگ و دو اور اعلیٰ معیار کے مطابق حاصل کیے ہیں تو بشرط دانش مندی وہ یقیناً اسلام قبول کرلیں گے۔“[1]

❁ **فرانسیسی مستشرق ایتن دانیا:** بلاشبہ قرآن کریم بعض ایسے عجمیوں پر بھی اثر انداز ہوا ہے جو عربی سے واقف نہیں تھے حتی کہ قرآن کی صداقت نے انھیں مجبور کر دیا کہ وہ اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیں اور قرآن نے ان کے قلوب پر جو اثر کیا ہے اس کا تذکرہ کریں۔ ان عجمیوں میں سے ایک فرانسیسی مستشرق ایتن دانیا ہیں۔ انھوں نے قبول اسلام کا اعلان کیا اور فرمایا:

”ہر مومن ہر زمان ومکاں میں نہایت آسانی سے صرف کتاب اللہ کی تلاوت ہی سے اس معجزے کو دیکھ سکتا ہے، اسی معجزے کی بدولت اسلام ساری دنیا میں پھیل گیا مگر اسلام کی زبردست قبولیت اور پھیلاؤ کے حقیقی سبب کا ادراک یورپی لوگ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ قرآن کریم سے بالکل بے خبر ہیں، یا پھر وہ قرآن کریم کو ایسے ترجموں کے ذریعے سے جانتے ہیں جن میں عملی زندگی کی کوئی رمق نہیں، مزید براں وہ تراجم قرآن کریم کے لطیف اور دقیق نکات سے یکسر خالی ہیں۔“[2]

ایک اور مقام پر وہ فرماتے ہیں:

”اگر قرآنی اسلوب اور اس کے معانی کا سحر ان علماء کے دلوں کو اس قدر متاثر کرتا ہے جو عربوں سے کوئی رشتہ داری رکھتے ہیں نہ مسلمانوں سے ان کا کوئی تعلق ہے تو

---

1. بالقرآن أسلم هؤلاء، ص: 76
2. قالوا عن الإسلام، ص: 63-64، الإسلام في العقل العالمي، ص: 197-198

ان حجازی عربوں پر قرآنی اثرات اور ان کے جوش و جذبے کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جن کی حسین و بلیغ زبان میں قرآن کریم نازل ہوا...... بلاشبہ قرآن کریم سنتے وقت یکا یک زبردست تاثرات ان کے دل و دماغ پر چھا جاتے، وہ دم بخود ہو جاتے اور یوں محسوس ہوتا جیسے وہ قرآن سنتے سنتے پوری رات بسر کر دیں گے......"[1]

❁ **پادری جان باٹسٹ اہونیمو:** سامعین کے قلوب و اذہان پر قرآن کریم کے زبردست اثرات کی ایک مثال "قسیس" مرتبے کے عیسائی پادری جان باٹسٹ اہونیمو کی ہے۔ وہ اپنے قبول اسلام کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میرے قبول اسلام کے مرحلے کی تکمیل کا سبب ایک علمی لیکچر میں میری موجودگی ہے۔ یہ لیکچر درحقیقت ایک مسلمان اور ایک عیسائی کے درمیان مناظرے کی روداد پر مشتمل تھا۔ میں اس لیکچر کے دوران میں سورۂ مریم اور ایک دوسری سورت سنتے ہی اس بات پر مطمئن ہو گیا کہ بلاشبہ اسلام ہی اصل دین حق ہے۔"[2]

❁ **ڈاکٹر احمد نسیم سوسہ:** ڈاکٹر صاحب جو اسلام قبول کرنے سے پہلے یہودی تھے، فرماتے ہیں:

"اسلام کی طرف میرا میلان اس وقت ہوا جب میں نے سب سے پہلے قرآن کریم کا مطالعہ شروع کیا تھا۔ میں اسی وقت سے قرآن کا دلدادہ ہو گیا تھا...... اور میں قرآنی آیات کی تلاوت سن کر جھوم اٹھتا تھا......"[3]

موصوف قرآن کریم کی تاثیر کے بارے میں سلسلۂ گفتگو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں یہ گمان نہیں کرتا کہ کوئی چیز ایسی ہو جو دین اسلام اور اس کی روحانیت کی

---

[1] قالوا عن الإسلام، ص: 64

[2] بالقرآن أسلم هؤلاء، ص: 89

[3] قالوا عن الإسلام، ص: 70

حقیقت کا ادراک رکھنے والے آدمی پر اس قدر اثر انداز ہو جس قدر قرآن مجید کی آیات اس کے حواس پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جب وہ قرآن سنتا ہے تو روحانی تعلق اور اتصال کا پر جوش جذبہ اسے گھیر لیتا ہے، اللہ جل جلالہ کی ہیبت اور جلال اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اور وہ کامل خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے رب کے کلام عظیم کے سامنے اپنی عاجزی، انکسار اور ضعف کا اقرار کرتا ہے......سردست ہم مغرب کے گرجوں کے حالات کے بارے میں غور وفکر کریں گے......تاکہ ہمارے لیے اسلامی روحانیت اور انسانی احساسات میں قرآن کے نفوذ، حق و باطل کے درمیان تفریق کرنے والے قرآن مجید اور دوسرے عقائد اور ان کی کتابوں کے مابین موازنہ آسان ہو جائے۔[1]

❁ **برطانوی گلوکار کیٹ سٹیونز:** قرآن کریم نے بعض ایسے مغربی لوگوں پر بھی اپنی زبردست تاثیر کے نقوش چھوڑے ہیں جنھوں نے شہرت بھی پائی اور مال بھی خوب کمایا۔ انھوں نے اس فنا پذیر دنیاوی زندگی کے سارے ساز و سامان اکٹھے کر لیے تھے اور سمجھنے لگے تھے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوش نصیب ہیں، پھر جب انھوں نے قرآن کریم سنا تو وہ سناٹے میں آ گئے۔ انھیں معلوم ہوا کہ انھوں نے تو خوش نصیبی کی راہ پہچانی ہے نہ ایسا ذائقہ چکھا ہے جو اس خوش بختی کے قریب پھٹک سکے جس کا احساس انھیں قرآن عظیم کو سنتے وقت ہوا ہے، چنانچہ انھوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور دین اسلام کے مبلغین میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص عالمی شہرت یافتہ سابقہ برطانوی گلوکار کیٹ سٹیونز ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"قبول اسلام سے پہلے اپنی زندگی کے اس عرصے میں میری رائے یہ تھی کہ گویا میں نے

---

[1] في طريقي إلى الإسلام: 1/183-184

ہر کارنامہ سرانجام دے دیا ہے اور میری شہرت اور کامیابی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور میں نے دولت اور عورت سمیت ہر چیز حاصل کر لی لیکن سچ پوچھو تو میں ایک بندر کی طرح تھا۔ میں ایک درخت سے دوسرے درخت پر کودتا پھرتا تھا، میں نے کبھی قناعت نہیں کی لیکن قرآن کریم کی قراءت میری فطرت میں موجود ہر اس چیز کے لیے تصدیق وتوثیق ثابت ہوئی جسے میں حق سمجھتا تھا اور قرآن کریم سن کر یوں محسوس ہوا گویا وہ میری حقیقی شخصیت کی تشکیل اور اس کی حقیقی رہنمائی کرنے والی کتاب ہے۔''[1]

❁ **فنسائے مونتائے:** اسلامی عربی فکر پر قرآن عظیم کی تاثیر کے جو گہرے نقوش ثبت ہیں، اس سلسلے میں فرانسیسی مفکر فنسائے مونتائے کہتے ہیں:

''قرآن عظیم کی تاثیر سے دوری اختیار کرنے والے اسلامی عربی فکر کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس کے بدن سے خون نکال لیا گیا ہو۔''[2]

❁ **برطانوی خاتون ہونی:** برطانوی خاتون ہونی فلسفے کی دیوانی تھی۔ فلسفہ اس کے دل اور دماغ میں رچ بس گیا تھا۔ اسی مضمون میں اس نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ وہ قرآن عظیم کی اثرانگیزی کے بارے میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہے:

''چاہے میں کتنی ہی کوشش کرلوں حقیقت یہ ہے کہ میں قرآن عظیم کی اس تاثیر کو بیان کرنے کی استطاعت نہیں رکھتی جو قرآن عظیم نے میرے دل میں سمو دی ہے۔ میں ابھی قرآن عظیم کی تیسری سورت بھی ختم نہیں کر پائی تھی کہ میں نے اپنے آپ کو خالق کائنات کے سامنے سجدہ ریز دیکھا۔ قبول اسلام کے بعد یہ میری پہلی نماز تھی۔''[3]

---

[1] قالوا عن الإسلام، ص: 68، بالقرآن أسلم هؤلاء، ص: 91-93

[2] رجال و نساء أسلموا: 5/50-51

[3] أيضاً: 1/59-60

❁ عامر علی داود: سابق بھارتی عیسائی عامر علی داود جو بعد میں مسلمان ہو گئے، وہ قرآن عظیم کے سلسلے میں پیش آنے والا اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں نے انگریزی زبان میں قرآن کریم کے ترجمے کا ایک نسخہ لیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ مسلمانوں کے ہاں یہی ایک مقدس کتاب ہے، پھر جب میں نے قرآن کو پڑھنا شروع کیا اور اس کے معانی و مفاہیم پر غور وفکر کرنے لگا تو میری ساری دلچسپیاں اور توجہات صرف قرآن کریم سمجھنے پر مرکوز ہو گئیں۔ کیا بتاؤں! مجھے اس وقت کس قدر مسرت بخش حیرت کا سامنا کرنا پڑا جب مجھے یکا یک قرآن کریم کے ابتدائی صفحات ہی میں تخلیق کائنات کے مقصد کے سلسلے میں اپنے خلجان انگیز سوال کا نہایت تسلی بخش اور صحیح جواب مل گیا۔ میں نے سورۂ بقرہ کی 30 سے 39 تک کی آیات پڑھیں......اور یہ وہ آیات ہیں جو ہر جویائے حقیقت، انصاف پسند قاری اور محقق پر اصل حقیقت واضح کر دیتی ہیں...... بلاشبہ یہ آیات نہایت وضاحت وشرح اور تسلی بخش انداز سے تخلیق و ہبوطِ آدم کا قصہ بیان کرتی ہیں۔''[1]

❁ براؤن اور گہرے سمندر کا راز: براؤن نے قرآن کریم کا مطالعہ شروع کیا حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تک پہنچ گیا:

﴿أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا ۗ وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾

''یا (کافروں کے اعمال) گہرے سمندر میں اندھیروں کی طرح ہیں، جسے ایک موج ڈھانپتی ہو، اس کے اوپر ایک اور موج ہو، اس کے اوپر بادل ہو، (غرض) اوپر تلے

[1] رجال و نساء أسلموا: 8/109

اندھیرے (ہی اندھیرے چھائے ہوئے) ہوں۔ اگر وہ اپنا ہاتھ نکالے تو لگتا ہے کہ وہ اسے بھی نہ دیکھ سکے، اور جس کے لیے اللہ نے نور نہیں بنایا تو اس کے لیے (کہیں بھی) کوئی نور نہیں۔'' [1]

اس آیت کریمہ میں گہرے سمندر کی طرف اشارہ ہے جسے حال ہی میں سمندری ماہرین نے اس وقت دریافت کیا جب وہ سمندر کی ان نہایت عمیق گہرائیوں تک غوطہ زن ہونے کے قابل ہو گئے جہاں سمندری اندھیرے درجۂ کمال کو پہنچتے ہیں اور جہاں اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے اور زبردست ٹھنڈک ہے۔

اس آیت پر پہنچ کر براؤن نے ایک ہندوستانی مسلمان عالم سے پوچھا: ''کیا تمھارے نبی حضرت محمد ﷺ نے کبھی سمندر کا سفر کیا تھا؟ اس عالم نے جواب دیا: ''نہیں!'' براؤن نے دوبارہ پوچھا: ''تو پھر انھیں سمندری علوم کس نے سکھائے؟'' اس مسلمان عالم نے جواب میں اس سے پوچھا: ''آپ کو اس سوال کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی، آپ کا اصل مقصد کیا ہے؟''

براؤن نے کہا:

'' میں نے اسلام کی کتاب (قرآن) کی ایک آیت پڑھی ہے۔ سمندر کی گہرائی کے متعلق اس میں جو کچھ بیان کیا گیا اسے صرف وہی شخص جان سکتا ہے جسے سمندر کا وسیع علم دیا گیا ہو۔ پھر براؤن نے اس عالم کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور کہا: جب محمد ﷺ نے کبھی سمندر کا سفر کیا نہ سمندری علوم کے ماہرین اور اساتذہ سے کوئی معلومات حاصل کیں اور نہ انھوں نے کسی یونیورسٹی یا تحقیقی ادارے میں کوئی تحقیق کی بلکہ وہ ناخواندہ تھے تو پھر انھیں یہ نفع بخش علم کس نے سکھایا؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ یہ خالق کائنات کی طرف سے بالکل سچی وحی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں:

---

[1] النور 40:24

"أَشْهَدُ أن لَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُولُ اللَّهِ" [1]

❁ ایک جرمن سائنسدان اور ہاتھوں کی انگلیوں کے نشانات: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴾

"کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کر پائیں گے؟ کیوں نہیں! بلکہ ہم تو اس کی پور پور ٹھیک کرنے پر قادر ہیں۔" [2]

یہ آیت کریمہ پوروں کے نشانات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ آیت ایک جرمن سائنسدان کے قبول اسلام کا سبب بن گئی۔ تفسیر جواہر القرآن کے مصنف، محمود سامی کے ایک سفرنامے سے نقل کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ رحمت الٰہی نے اس جرمن سائنسدان کو ایسا گھیرا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے سائنسدانوں کی ایک محفل میں اپنے اسلام کا برملا اعلان کیا۔ جب ان سے اسلام قبول کرنے کا سبب پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"میرے اسلام کا سبب یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ ﴾

"کیوں نہیں! بلکہ ہم تو اس کی پور پور ٹھیک کرنے پر قادر ہیں۔" [3]

"پوروں کے نشانات کے فکر انگیز معاملے کا انکشاف یورپ پر آج کے جدید دور میں ہوا ہے جبکہ عربوں کو اس کی مطلق کوئی خبر ہی نہیں تھی، لہٰذا قرآن کریم فی الحقیقت کلام الٰہی ہے یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔" [4]

---

[1] با لإسلام أسلم هؤلاء، ص:130، تفسير الجواهر، طنطاوی جوهری 309:24

[2] القيامة 70:3-4 [3] القيامة 75:4

[4] مع كتاب الله، أحمد عبدالرحيم السايح، مجلة الجامعة الإسلامية، عدد: 40 ربيع الأول، 1398ھ، ص :23-27

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ کسی شخص کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ قرآن کریم کی عظمت اور اس کی دلوں میں اتر جانے والی تاثیر کے تمام گوشوں کا ادراک کر سکے۔ یہ تو اسلام میں بعض نووارد افراد کے دلوں میں سلگنے والے جذبات اور احساسات ہیں جو انھوں نے اپنے اپنے اسلوب میں ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے عجائب واسرار بے شمار ہیں اور اس کی عظمت وتاثیر کا صحیح اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں۔

باب 4

قرآن کریم کی عظمت ورفعت کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام

قرآن کریم کی فضیلت اور شرف ومنزلت کے لیے یہ حقیقت تسلیم کرنا ہی کافی ہے کہ یہ یقیناً علیم وحکیم اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے۔اس کا ظہور وصدور اسی کی ذات عالی سے ہوا اور اسی کے طرف یہ لوٹے گا۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾

”اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔“[1]

یہ آیت کریمہ اس حقیقت کی خبر دیتی ہے کہ یہ قرآن کریم، جس کی تلاوت کی جاتی ہے، جسے سنا جاتا ہے اور جسے مصحف کی جلد کے مابین لکھا جاتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے نہ کہ یہ محض کلام الٰہی کی نقل اور حکایت ہے۔

اسی طرح یہ آیت کریمہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ یہ قرآن کریم بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمایا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے انسان سے مخاطب ہے۔

---

[1] التوبة-6:9

جبریل علیہ السلام نے اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو من وعن ٹھیک اسی طرح پہنچا دیا جس طرح انھوں نے اسے رب ذوالجلال سے حاصل کیا تھا۔ [1]

قرآن کریم کی یہ فضیلت ہے کہ وہ بلاشبہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔ یہ اس ذات عالی کا کلام ہے جس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور اسی ذات کا یہ وصف ہے جس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کے مثل ہے! اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں وہ قوت پیدا نہ کرتا جس نے انھیں قرآن کریم اٹھانے کا حوصلہ عطا کیا، تو بصورت دیگر وہ نہ صرف اسے اٹھانے سے عاجز آ جاتے بلکہ بے جان اور منہدم ہو کر رہ جاتے۔ بھلا وہ کیوں کر اس کی قدرت رکھ سکتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے:

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ﴾

”(اے نبی!) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا (اور) پھٹ کر پاش پاش ہو جاتا۔“ [2]

”بھلا پہاڑوں کی قوت سے دلوں کی طاقت کا کیا مقابلہ؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسے اٹھانے کی قوت عطا کی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل اور رحمت سے سرفراز فرماتا ہے۔“ [3]

---

[1] شرح العقيدة الواسطية، محمد خليل هراس، ص: 153 - 154

[2] الحشر 21:59

[3] التذكار في أفضل الأذكار، ص: 45

عرب کے لیے بالخصوص اور پوری امت کے لیے بالعموم نعمتِ عظمیٰ

بلاشبہ دور جاہلیت میں عرب جہالت کی زندگی بسر کرتے تھے، ان کے عقائد، عبادات، احکام، طرزعمل اور اجتماعی نظم ونسق کے معاملات میں طرح طرح کے فسادات پھیلے ہوئے تھے۔ قرآن کریم نے پسماندگی، درماندگی، جہالت اور دیگر برائیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گری ہوئی اس قوم کو بزرگی، کمال اور جملہ خوبیوں کی معراج پر پہنچا دیا، پھر یہ قوم سب سے زیادہ برگزیدہ اور بہترین امت قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو دین قیم کے ابلاغ کے لیے چن لیا اور اس قوم نے تمام امتوں کی قیادت کی۔

پس قرآن کریم خصوصی طور پر عربوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم ہے، بلاشبہ قرآن کریم نے جب ان کی زبان کی حفاظت کی تو درحقیقت اس نے عربوں کے وجود اور ان کی ہستی کی حفاظت کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی بدولت عربوں پر فضل نہ فرماتا تو وہ بھی اسی طرح ختم اور ناپید ہو جاتے جس طرح اکثر قومیں نابود ہوگئی ہیں۔

قرآن عظیم نے عربی سلطنت کو اس قدر وسعت دی کہ وہ دنیا کے متعدد براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ (سپین) وغیرہ تک پھیل گئی اور عربی زبان ایک تہذیب کی زبان کی صورت اختیار کر گئی۔ ہر مسلمان یہ سمجھنے لگا کہ گویا عربی اس کی مادری زبان ہے کیونکہ قرآن کریم اسی زبان میں نازل ہوا ہے۔

پس قرآن کریم عجمی قوموں کو عربی بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ اور بے شمار غیر عربی لوگوں کے درمیان مسلمانوں کے افکار اور ان کی ثقافت پھیلانے کا بے خطا وسیلہ ہے۔

آج بھی دور حاضر کے مسلمانوں بالخصوص عربوں کو پکارا جا رہا ہے کہ وہ قرآن عظیم کے ذریعے سے دنیا کو اس سفاکی اور ظلم وستم سے نجات دلائیں جو باہم متصادم، مادہ پرست اور حریص قوموں نے ساری دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنے اور قیمتی قدرتی وسائل لوٹنے کے لیے برپا کر رکھا ہے۔ یہ اپیل اس لیے کی جا رہی ہے کہ ماضی میں بھی مسلمانوں ہی نے قرآن کریم کی بدولت دنیا کو طبقاتی سلطنتوں کے غلبے سے نجات دلائی تھی۔[1]

قرآن کریم کی تین آیات بڑی صراحت سے یہ حقیقت اجاگر کرتی ہیں کہ بلاشبہ قرآن کریم عربوں کے لیے بالخصوص اور امت محمدیہ کے لیے بالعموم بڑے شرف اور فخر کا باعث ہے، وہ آیات درج ذیل ہیں:

① اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ۝﴾

”اور یقیناً یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے ایک نصیحت ہے، اور جلد تم لوگوں سے پوچھ گچھ ہوگی۔“[2]

[1] من أسرار عظمة القرآن، الدكتور سليمان بن محمد صغير، ص: 11-13

[2] الزخرف 43:44

بقول مفسرین اس آیت کریمہ میں دو مفاہیم کا احتمال ہے:

- بلاشبہ قرآن کریم نبی اکرم ﷺ اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے اور عنقریب قیامت کے روز ان سے اس کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔
- بلاشبہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے تذکرے کو بلند کرے گا اور یہ بات برحق ثابت ہو چکی ہے۔

جہاں تک نبی اکرم ﷺ کے تذکرے کا تعلق ہے تو کروڑوں مسلمانوں کی زبانیں آپ پر شام و سحر درود و سلام پڑھتی رہتی ہیں اور یہ مبارک عمل چودہ سو سال سے زیادہ مدت سے شب و روز ہر وقت محبّ اور مشتاق شخص کے ذکر محبوب کے مانند غیر منقطع طور پر جاری ہے اور اس وقت تک قائم رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ اس زمین اور اس میں بسنے والی مخلوقات کا وارث نہیں بن جاتا، یعنی قیامت قائم ہونے تک۔

جہاں تک آپ کی قوم کے تذکرے کو بلند کرنے کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ نزول قرآن سے پہلے یہ قوم اس قدر پسماندہ تھی کہ اہلِ دُنیا اس کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے بلکہ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اس کو گری پڑی چیز شمار کرتے تھے۔ یہ قرآن کریم ہی کا معجزہ ہے کہ اس نے انسانی تاریخ میں عربوں کے دور کو سب سے عظیم دور بنا دیا۔ [1]

② اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾

''بلاشبہ ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے، اس میں تمھارا ہی ذکر ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔'' [2]

---

[1] في ظلال القرآن: 3191/6

[2] الأنبياء :10/21

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فِيهِ ذِكْرُكُمْ﴾ میں ''ذکر'' سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم میں تمھارا شرف، فخر اور بلندی ہے۔ اگر تم اس میں موجود احکام کی تعمیل کرو اور اس کے نواہی سے اجتناب کرو تو تمھارا مقام و مرتبہ بہت عظیم ہو جائے گا۔ [1]

عرب قرآن کریم کے علاوہ کسی ایسے ذخیرۂ عمل کے مالک نہیں تھے جسے وہ انسانیت کے سامنے پیش کرتے اور نہ ان کے پاس اس منہج کے سوا کوئی اور منہج تھا جسے وہ دنیا کو دکھا سکتے، لہٰذا انسانیت انھیں صرف ان کی کتاب، ان کے عقیدے اور اس کتاب اور اس عقیدے سے حاصل شدہ عمل و کردار کے ذریعے سے جانتی ہے، یعنی وہ اسے ان کے صرف عرب ہونے کی حیثیت سے نہیں جانتی بلکہ ان کی اصل شناخت ان کا حسن کردار ہے اور یہ حسن کردار قرآن پر عمل کی وجہ سے نمایاں ہوا تھا۔ یہ وہ نادر وصف ہے جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ [2]

③ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝﴾

''ص، قسم ہے ذکر والے قرآن کی۔'' [3]

سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن کریم انتہائی عظیم قدر و منزلت اور شرف و مجد والا ہے۔ وہ انسان کو ہر اس علم کی نصیحت کرتا ہے جس کے وہ ضرورت مند ہیں۔ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے اسماء و افعال کے علم کی تاکید و نصیحت کرتا ہے، احکام شریعت سے متعلق علم، جزا و سزا اور یوم آخرت کے احکام کی یاد دہانی کراتا ہے اور انھیں ان کے دین کے اصول اور فروع کا علم یاد دلاتا ہے۔'' [4]

---

[1] تفسیر السعدی: 269/3

[2] فی ظلال القرآن: 2370/4

[3] صٓ 1:38 [4] تفسیر السعدی: 279/4

راہ راست کی رہنمائی کرنے والا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾

''بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔''[1]

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ واضح فرمایا ہے کہ بلاشبہ قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں سے زیادہ عظیم، سب سے زیادہ جامع اور اللہ رب العالمین کی طرف سے سب سے آخر میں نازل ہونے والا بے مثل کلام ہے ﴿يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ یعنی قرآن کریم اس راہ کی طرف رہبری کرتا ہے جو سب سے زیادہ راست، سب سے زیادہ انصاف والی اور سب سے زیادہ صحیح ہے......

اس آیت عظیمہ میں اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ اجمال کے ساتھ بیان فرما دیا ہے جو بہترین، نہایت عدل پر مبنی اور سب سے صحیح راستے یعنی صراط مستقیم کی طرف رہبری کے بارے میں قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔ اگر ہم اس آیت کریمہ کی تفسیر و تفصیل سے پوری آگہی

---

[1] بنی إسرآء یل: 9/17

حاصل کرنا چاہیں تو اس کے لیے پورے قرآن کریم کا مطالعہ ضروری ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں درحقیقت وہ سب کچھ آ گیا ہے جو فلاح دارین کے لیے قرآن کریم میں موجود ہے۔ یوں یہ آیت اپنی جگہ تمام احکام پر مشتمل اور ان کی جامع ہے۔

عقائد، اخلاقیات، اعمال، سیاسیات، صنعت و حرفت اور دیگر پیشوں غرضیکہ دین و دنیا کے ہر معاملے میں قرآن کریم سیدھی اور سچی راہ دکھاتا ہے اور امور خیر کی ترغیب دیتا ہے۔[1]

[1] أضواء البيان :3/372

ایک بابرکت کتاب

اللہ تعالیٰ نے چار مقامات پر اپنی کتاب عظیم کو (مبارک) یعنی ''بابرکت'' سے متصف قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾

''اور یہ کتاب (قرآن مجید)، ہم نے اسے نازل کیا ہے۔ یہ برکت والی، تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے آئی تھی۔''[1]

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

''اور یہ (قرآن) ایک عظیم کتاب ہے۔ ہم نے اسے نازل کیا ہے۔ (یہ) برکت والی ہے، پس تم اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''[2]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾

''اور یہ (قرآن) بابرکت ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ کیا پھر تم اس کے منکر ہو؟''[3]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

---

[1] الأنعام 92:6 [2] الأنعام 155:6 [3] الأنبياء 50:21

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○﴾

"(یہ قرآن) ایک کتاب ہے۔ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا۔(یہ) بڑی برکت والی ہے، تاکہ وہ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل منداس سے نصیحت حاصل کریں۔" [1]

"خیر کے ثبوت و دوام اور بہتات کو برکت کہا جاتا ہے اور یہ قرآن عظیم کی خاص شان ہے۔" [2]

پس قرآن کریم اپنی اصل کے اعتبار سے بابرکت ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ آسمانوں سے لے کر اترنے والے حضرت جبریل علیہ السلام کے حوالے سے بھی بابرکت ہے۔ اپنے محلِ نزول، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کے اعتبار سے بھی بابرکت ہے۔ بلحاظ حجم اور بلحاظ مشمولات بھی بابرکت ہے کیونکہ یہ انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کی ضخامت وطوالت کے مقابلے میں بہت محدود صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس کی ایک ایک آیت میں اتنے علوم اور فوائد ہیں جن کا احاطہ وشمار انسانوں کی دس ضخیم کتابیں بھی نہیں کرسکتیں۔ اس کتاب کی تلاوت بابرکت ہے۔ یہ کتاب اپنے علوم ومعارف میں بابرکت ہے، اپنے معانی ومفاہیم میں بابرکت ہے، اپنے اثرات ومظاہر میں بابرکت ہے اور اپنے مبنی برحقائق اہداف ومقاصد میں بابرکت ہے۔ [3]

بلاشبہ قرآن کریم کا وصف "مبارک" ہونا موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات کے وصف فرقان اور "ضیاء" ہونے سے زیادہ کامل ہے۔ [4]

جب ہم قرآن کریم اور تورات کے حجم کا موازنہ کرتے ہیں تو قرآن کریم کا حجم تورات سے چھوٹا پاتے ہیں۔ اس کے برعکس جب ہم قرآن کریم کی برکات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم

---

[1] صٓ 38:29

[2] التبرك أنواعه و أحكامه ، الدكتور ناصر بن عبدالرحمن الجديع، ص :45-46

[3] في ظلال القرآن: 2/1147، لطائف قرآنيه ، الدكتور صلاح عبدالفتاح الخالدى، ص : 15-16

[4] التحرير و التنوير: 17/66-67

انھیں لامحدود پاتے ہیں۔قرآن کریم کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ عجائب وغرائب کے نت نئے دروازے کھولتا ہے اور ہر لحظہ نئی آن اور نئی شان دکھاتا ہے۔ جب بھی پڑھیے یہ نیا تحفہ دیتا ہے اور نئی کارگزاریوں کے چراغ روشن کر دیتا ہے۔قرآن کریم کے عجائب ونوادر کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔اس کے برکات و حسنات لامتناہی ہیں۔لوگ اس کی قراءت کرتے ہیں تو ان کا ایک گروہ اس کا ایک مفہوم سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ جداگانہ مفہوم سمجھتا ہے۔ یہ بات اس حقیقت عظمیٰ کی دلیل ہے کہ اسے کہنے والا بڑی زبردست حکمت والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے جس نے ایک چھوٹی سی کتاب میں بے شمار فوائد رکھ دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ ﴾ ''(یہ قرآن) ایک کتاب ہے ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا۔''[1] کا یہی مفہوم ہے کہ اس کتاب مبارک سے پہلے کی تمام کتابوں کے ادوار محدود تھے اور انھیں اپنے اپنے وقت کی مخصوص امتوں کے لیے نازل کیا گیا تھا۔اب جہاں تک قرآن کریم کا معاملہ ہے تو وہ اپنے نزول سے لے کر قیامت تک عہد بہ عہد تمام جدید مسائل ومعاملات کا مؤثر حل پیش کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔

آج انسان کی بلند خیالی، تہذیب وتمدن اور عقل ودانش اپنے ارتقا کے باوجود قرآن کریم کے بلند معارف کے مقابلے میں پیچھے ہے۔زمانے اور زندگی کے ہر موڑ پر جب بھی انسان کو کسی معاملے میں رہنمائی کی ضرورت پیش آئی ہے، جدید عقل ودانش کے برعکس قرآن کریم نے سبقت کر کے انسان کی بھرپور رہنمائی کی ہے۔قرآن کریم کے اس وصف خاص کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے متن ومفاہیم کے اعتبار سے بجائے خود نہایت متبرک ہے۔[2]

---

[1] صٓ 29:38

[2] تفسیر الشعراوی: 7/4008-4009۔

قرآن کریم ہر چیز کا بیان ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾

''اور ہم نے آپ پر ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی یہ کتاب نازل کی ہے۔''[1]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«وَقَدْ بَيَّنَ لَنَا فِي هٰذَا الْقُرْآنِ كُلَّ عِلْمٍ، وَّكُلَّ شَيْءٍ»

''بے شک قرآن کریم میں ہمارے لیے ہر علم اور ہر چیز کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔''[2]

پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مصداق قرآن کریم نے دنیا کے کثیر علوم کا صراحتاً، ضمناً، اشارۃً یا تلمیحاً احاطہ کر رکھا ہے۔ انسان، حیوان، نباتات، اشجار، اثمار، زمین، سمندر، فضا، افلاک، زمینی اور کائناتی مظاہر وغیرہ کے متعلق علوم میں مسلسل علمی تحقیقات ہوتی چلی آ رہی ہیں اور یہ علمی تحقیقات تسلسل سے ایسے جدید اور اہم انکشافات کر رہی ہیں جنھیں

---

[1] النحل 89:16

[2] تفسیر ابن کثیر :594/4

قرآن کریم نے صدیوں پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔ اس حقیقت عظمیٰ نے اکثر غیر مسلم محققین اور ماہرین کو حلقہ بگوش اسلام کر دیا۔ پس انسان اصلاح احوال اور اصلاح انجام آخرت کے لیے جس چیز کا بھی محتاج ہے وہ قرآن کریم میں بہ تمام و کمال موجود ہے۔

انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: یہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے، لہٰذا (لوگوں کو) چاہیے کہ وہ خوش ہوں۔ یہ ان چیزوں سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''[1]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿ بِفَضْلِ اللّٰهِ ﴾ سے مراد یہ قرآن کریم ہے اور ﴿ وَبِرَحْمَتِهٖ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں قرآن کریم کا اہل قرار دیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت جلیلہ پر خوشی منانے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ کتاب مقدس ہدایت اور دین حق لے کر آئی ہے اور ہمیں دین حق مرحمت فرمانا ہم پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل وکرم اور احسانِ عظیم ہے، لہٰذا اس کے برعکس دولت قرآن کے آگے سونے چاندی کی چمک دمک اور دنیاوی مال ومتاع کی کیا حقیقت ہے؟ یقیناً مال ودولت جمع کرنے کے مقابلے

[1] یونس 58:10

میں قرآن کی متاع عظیم اور بہت بہتر ہے۔

بلاشبہ صحابہ کرام نے یہ آیت کریمہ بخوبی سمجھ لی تھی، لہٰذا یہ دنیا اور اس کا فانی مال ومتاع انھیں دھوکا نہیں دے سکا۔ جب عراق کا خراج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو پیش کیا گیا اور امیر المومنین اپنے آزاد کردہ غلام کے ساتھ باہر نکلے اور اونٹ گننے لگے تو وہ سابقہ خراج سے زیادہ نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالٰی] ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔'' آپ کا غلام کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔'' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تو جھوٹ بولتا ہے۔'' یہ وہ چیز نہیں ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی) کہہ دیجیے! یہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے، لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ وہ خوش ہوں۔ یہ ان چیزوں سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''[1]

''بلکہ یہ تو ان چیزوں میں سے ہے جنھیں لوگ جمع کرتے ہیں۔''[2]

پس دنیاوی رزق اور مادی قدریں دنیاوی زندگی میں لوگوں کا درجہ متعین نہیں کرتیں چہ جائیکہ وہ اُخروی زندگی میں ان کے مقام ومرتبہ کا تعین کریں۔ ہوسکتا ہے کہ دنیاوی رزق اور چمک دمک والے مال ومتاع انسانی بدبختی کے اسباب بن جائیں ...... آخرت میں نہیں بلکہ اسی دنیاوی زندگی میں شقاوت وبدبختی کی آگ بھڑکا دیں، جس کے مختلف المناک مظاہر ومناظر ہم آج کی پریشان کن مادی تہذیب میں جا بجا دیکھ رہے ہیں۔

---

[1] یونس 58:10

[2] تفسیر ابن کثیر: 289/4

اے سونے اور چاندی کی چکا چوند کے متوالو اور مغرب کی مادی بھڑکیلی تہذیب پر ریجھنے والو! کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ تمھیں نگاہ حقیقت بین میسر آ جائے اور تم اس سچائی کا سراغ پا جاؤ کہ رب ذوالجلال نے ہمیں قرآن کریم کی جو عظیم دولت عطا کی ہے اور جس فضل ورحمت کا ہم پر فیضان کیا ہے، ہماری ساری راحت ومسرت اس پر موقوف ہے اور ہمیں اسی متاع بے بہا پر خوشی محسوس کرنی چاہیے۔[1]

[1] فی ظلال القرآن: 3/1799-1801

مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ مقدس کتاب:

﴿وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾

''مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔'' [1]

''اللہ تعالیٰ نے ہدایت، رحمت اور بشارت کی زبردست اہمیت کی وجہ سے ان کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔''

- اَلْهُدٰى: وہ ہدایت جس کے واضح بیان اور وضاحت سے عقائد اور فہم کی اصلاح کی جائے اور گمراہی سے بچ کر قدم راہ نجات کی طرف بڑھنے لگیں۔
- اَلرَّحْمَةُ: وہ رحمت جس کی بدولت دنیا و آخرت دونوں زندگیوں کی خوش بختی حاصل کی جائے۔
- اَلْبُشْرٰى: وہ بشارت جس میں دنیا و آخرت کی بھلائیوں اور مسرتوں کا وعدہ ہوا ہو۔

یہ تمام نعمتیں غیر مسلموں کے لیے نہیں، صرف مسلمانوں کے لیے ہیں کیونکہ جب

---

[1] النحل 89:16

کافروں نے قرآن کریم سے منہ موڑ لیا تو انھوں نے اپنے آپ کو ان تمام نعمتوں سے ازخود محروم کرلیا۔'' [1]

علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا ہے:

''اس آیت کریمہ کے مخالف مفہوم سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غیر مسلم ایسے نہیں ہیں (یعنی وہ ان خصوصیات کے مستحق نہیں ہیں۔)'' [2]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے مخالف مفہوم کی صراحت دوسرے مقامات پر اس طرح کی ہے:

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ﴾

''کہہ دیجیے: وہ ان کے لیے جو ایمان لائے، ہدایت اور شفا ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ ان کے حق میں اندھا پن ہے۔'' [3]

اور فرمایا:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝﴾

''اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کو خسارے ہی میں زیادہ کرتا ہے۔'' [4]

---

[1] التحرير و التنوير: 204/13

[2] أضواء البيان: 315/3

[3] حم السجدة 44:41

[4] بني إسرآئيل 82:17

قرآن کریم نور ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴾

''اے لوگو! تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس ایک دلیل آ گئی ہے، اور ہم نے تمھاری طرف ایک نور مبین نازل کیا ہے۔'' [1]

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴾

''(اے نبی!) یہ عظیم الشان کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال لائیں، ان کے رب کے اذن سے، غالب اور لائق تعریف کے راستے کی طرف۔'' [2]

قرآن کریم کو نور اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ حق کو روشن کرتا ہے اور جہالت، شک، شرک،

[1] النساء 174:4 [2] إبراهيم 1:14

کفر، برے اخلاق اور طرح طرح کے گناہوں کی ظلمتوں کو علم، ایمان اور اخلاق حسنہ کے نور میں تبدیل کرتا ہے، لہٰذا جس مقصد کے لیے قرآن عظیم نازل کیا گیا ہے وہ انسانیت کو وہم، خرافات اور جاہلیت کی تقلید کے اندھیروں سے نکال کر توحید اور حق و ثبات کے اجالے میں لا کھڑا کرتا ہے۔ مت پوچھو کہ جب لوگوں کی حکمت ان کی خواہشات بن جائیں اور وہ صراط مستقیم سے بھٹک جائیں تو اس کے نتیجے میں کس قدر فساد و ہلاکت اور تباہی ہوگی؟ اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا و آخرت میں لوگوں کی اصلاح و نجات اور انھیں ہدایت یافتہ بنانے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آئی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پروا ہے۔ وہ فرماتا ہے:

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○﴾

''یقیناً تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آ گئی ہے جس کے ذریعے سے اللہ اس شخص کو سلامتی کی راہ دکھاتا ہے جو اللہ کی رضا کی پیروی کرنا چاہتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔'' [1]

---

[1] المائدة 5:15-16

قرآن کریم اپنے پیروکاروں کے لیے سرمایۂ حیات ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو جب وہ تمھیں اس (امر) کی طرف بلائیں جو تمھیں زندگی بخشتا ہے۔''[1]

پس اللہ اور اس کے رسول کی بات قبول کرنے سے راحت بخش اور پاکیزہ زندگی نصیب ہوتی ہے۔ جس شخص کو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا ماننے کی نعمت میسر نہ ہو اس کی کوئی زندگی نہیں ہے، بلاشبہ ایسے فرد کی زندگی چوپائے کی سی زندگی ہے۔ اس صورت میں اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان اور حقیر ترین جانور کے مابین بہیمانہ زندگی ایک مشترک چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ﴾ کے بارے میں قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ زندگی بخشنے والی چیز قرآن کریم ہی ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی باوقار زندگی، اعتماد، بھروسا، نجات اور عصمت ہے۔''

---

[1] الأنفال 24:8

لہٰذا حقیقی پاکیزہ زندگی اسی شخص کی زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ظاہری اور باطنی طور پر کہنا مان لیتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہر چند مر جائیں، پھر بھی وہ زندہ رہتے ہیں جبکہ ان کے برعکس نافرمان لوگ اگرچہ جسمانی طور پر زندہ ہوں لیکن درحقیقت وہ مردہ ہی ہوتے ہیں:

﴿أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾

''کیا ایک ایسا شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا، اور ہم نے اس کے لیے نور بنا دیا، وہ اس کی روشنی میں لوگوں میں چلتا ہے، وہ اس شخص جیسا (ہوسکتا) ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں پڑا ہے (اور) ان سے نکلنے والا نہیں؟'' [1]

پس زندگی کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل اور مثالی شخص وہ ہے جو قرآن کریم کے احکام ماننے میں زیادہ کامل ہے کیونکہ قرآن کریم میں حیات کامل ہے۔ جس شخص سے قرآن کی قبولیت کا ایک جز چھوٹ جائے، بلاشبہ وہ ایک حقیقی کامل زندگی کے ایک حصے سے محروم ہوگیا۔ [2]

کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ وہ قرآن کریم کے اعزازات و امتیازات اور فضائل و مکارم کا احاطہ کر سکے۔ اگر کوئی ایسا کرنے کی کوشش بھی کرے تو حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کی استطاعت ہی نہیں رکھتا۔ اگر کسی کو ان کا احاطہ کرنے کی قدرت میسر آ جائے تو زمین کے تمام اوراق بھی کافی نہ ہوں گے کہ انھیں اپنے اندر سمو سکیں۔ اس کے اوصاف و محاسن پوری طرح لکھنے سے پہلے ہی سارے قلم فنا ہو جائیں گے۔ اگر عقل و دانش کے سارے ذخیرے بھی اس کا

---

[1] الأنعام 122:6

[2] الفوائد، ص: 88

احاطہ کرنے کے لیے جمع ہو جائیں تب بھی وہ انھیں جمع کرنے سے عاجز رہیں گے اور محض اسی پر اکتفا کر لیں گے جس کی بدولت محض ان کی ذمہ داری ادا ہو جائے جیسے دودھ پینے والا بچہ چند گھونٹوں ہی سے سیر ہو جاتا ہے اور انھی پر اکتفا کرتا ہے۔ واللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَ عَلَیْهِ التُّکْلَانُ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ.[1]

[1] خصائص القرآن الکریم، ص: 124-125

باب 6

قرآن کریم کے فضائل وبرکات کا تذکرہ

قرآن کریم کی سماعت کے فضائل

جس طرح قرآن عظیم کی تلاوت کرنا عبادت ہے، اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت سننا بھی عبادت ہے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام سے قرآن کریم سننا پسند فرماتے تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ انھیں قرآن کریم پڑھ کر سنائیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کی تلاوت سن کر آپ پر خشوع طاری ہو گیا حتی کہ آپ کی مبارک آنکھیں چھلک پڑیں۔ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں ملے گی۔

دلکش آواز اور دلنشیں قراءت والے قاری سے قرآن کریم کی تلاوت سننے کا مطالبہ کرنا متفقہ طور پر مستحب ہے اور یہ اس امت کے سلف صالحین اور اہل خیر کی عادت رہی ہے۔ عمدہ اور بے عیب تلاوت سننے سے قرآن کریم کے معانی و مفاہیم سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

قرآن عظیم سننے کے فضائل متنوع اور بہت زیادہ ہیں، ان میں سے اہم فضائل کے بارے میں مندرجہ ذیل نکات ملاحظہ فرمائیں:

قرآن عظیم کی تلاوت سننا رحمتِ الٰہی کا سبب ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○﴾

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے (کان لگا کر) سنو اور خاموش رہو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو توجہ سے قرآن کریم سننے اور اس کے لیے خاموشی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ وہ اس سے استفادہ کرسکیں، اس میں جو حکمتیں اور مصالح ہیں ان پر تدبر کرسکیں اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت تک پہنچ جائیں۔

حضرت لیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو شخص قرآن کریم کو توجہ سے کان لگا کر سنتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سب سے جلد اسی کی طرف لپکتی ہے۔'' اس لیے کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○﴾

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے (کان لگا کر) سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''[2]

نیز لیث رحمہ اللہ کا یہ بھی فرمان ہے: ''شاید کتاب اللہ کو غور سے کان لگا کر سننا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو۔''[3]

جو لوگ قرآن کریم سے منہ پھیرتے ہیں وہ اتنا شدید نقصان اٹھاتے ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی متاع بھی اس نقصان کا مداوا نہیں کرسکتی، بلا شبہ بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ اگر ایک آیت ہی غور سے اور کامل سکون اور سکوت کے ساتھ سن لی جائے تو تنہا وہی دل کی دنیا بدل کر عجیب وغریب فرحت بخش تاثرات اور جذبہ قبولیت وطمانیت پیدا کر دیتی ہے۔ اس حقیقت کا

---

[1] الأعراف 204:7 [2] الأعراف 204:7

[3] تفسیر القرطبی: 23/1

ٹھیک ٹھیک ادراک وہی شخص کرسکتا ہے جس نے اس کا ذائقہ چکھا ہو اور اس مبارک تجربے سے گزر چکا ہو۔ [1]

نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس حقیقت سے روشناس کرایا ہے کہ قرآن کریم کے لیے جمع ہونے، آپس میں ایک دوسرے کو قرآن سمجھانے (سکھانے) اور توجہ سے اسے سننے کے بڑے عظیم وجلیل فوائد ہیں۔ ان فوائد میں سے ایک رحمت الٰہی کا حصول بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»

"جب کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں جمع ہوتی ہے اور وہ کتاب (قرآن) کی تلاوت کرتے اور اسے آپس میں ایک دوسرے کو سمجھاتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، رحمت الٰہی انھیں ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ ان لوگوں (فرشتوں) سے کرتا ہے جو اس کے پاس موجود ہوتے ہیں۔" [2]

قرآن کریم کی سماعت انسانوں اور جنوں کی ہدایت کا ذریعہ ہے

یہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ قرآن عظیم دنیا و آخرت میں ہدایت کا منبع ہے۔ جس شخص نے بھی اسے تلاوت، سماع، تدبر اور عمل کے ذریعے سے تھام لیا، وہ ہرگز گمراہ

[1] فی ظلال القرآن: 1426-1425/3

[2] صحیح مسلم، الذکر و الدعاء، باب فضل الاجتماع علیٰ تلاوۃ القرآن......، حدیث: 2699

ہوگا نہ کبھی بدبختی اس کے قریب پھٹکے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ﴾

''بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔'' [1]

قرآن کریم کو غور سے کان لگا کر سننا ان جلیل القدر اعمال صالحہ میں سے ہے جنھیں انجام دینے والوں کو قرآن کریم نے ہدایت کی بشارت دی ہے اور ان کی یہ صفت بتائی ہے کہ وہ عقلِ سلیم ورشید کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾

''آپ میرے (ان) بندوں کو بشارت دے دیں جو غور سے بات سنتے ہیں، اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور وہی لوگ عقل والے ہیں۔'' [2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ علی الاطلاق سب سے اچھی بات اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا ﴾

''اللہ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایک کتاب ہے باہم ملتی جلتی۔'' [3]

اللہ تعالیٰ کے کلام پر مشتمل نازل شدہ کتابوں میں سے بہترین کتاب قرآن عظیم ہے۔

پس جو لوگ قرآن عظیم کو پوری توجہ سے کان لگا کر سنتے ہیں اور اس کا اتباع کرتے ہیں، وہی لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اخلاق حسنہ سے نوازا ہے اور خفیہ اور علانیہ نیک عمل کرنے کی توفیق و ہدایت مرحمت عطا فرمائی ہے اور یہی لوگ ہیں جو پاکیزہ عقل کے مالک ہیں۔

---

[1] بنی إسرآئیل 9:17 [2] الزمر 17:39-18 [3] الزمر 23:39

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے سماع کو کفار کی ہدایت اور ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾

''اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔''[1]

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کو غور سے سننے کو جنوں کی ہدایت اور ان کے قبول اسلام کا سبب قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا، تو انھوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ وہ رشد وہدایت کی راہ دکھاتا ہے، تو ہم اس پر ایمان لائے، اور ہم کسی کو بھی رب کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے جنوں کے اس گروہ سے بھلائی کا ارادہ کیا تو انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ کر دیا تاکہ وہ قرآن کریم کو سن لیں، ان پر حجت قائم ہو جائے، نعمت مکمل ہو جائے اور وہ اپنی قوم کے لیے ڈرانے والے بن جائیں۔ یہ اس وقت ہوا جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور انھوں نے آپس میں کہا: ''خاموش ہو جاؤ۔'' جب وہ خاموش ہو گئے تو انھوں نے قرآن کریم کے معانی سمجھ لیے اور قرآنی حقائق ان کے دلوں تک سرایت کر گئے، پھر وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے اور خوش خبری دینے والے بن کر لوٹے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

[1] التوبة 9:6 [2] الجن 72:1-2

﴿وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوٓا أَنصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ○ قَالُوا يَٰقَوْمَنَآ إِنَّا سَمِعْنَا كِتَٰبًا أُنزِلَ مِنۢ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيٓ إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ○﴾

”اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا، جبکہ وہ قرآن سنتے تھے، پھر جب وہ اس (کی تلاوت سننے) کو حاضر ہوئے، تو (ایک دوسرے سے) کہا: خاموش رہو، چنانچہ جب تلاوت ختم ہوگئی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے۔ انھوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، وہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں، وہ حق کی طرف اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔“[1]

قرآن کریم کی سماعت دل کے خشوع اور آنکھوں کی رقت کا سبب ہے

قرآن کریم کی سماعت سے دل میں خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے اور آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوئے یا اسے غور سے کان لگا کر سنتے وقت مومنوں کے دل سہم جاتے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں اور وہ اپنے رب کی طرف رغبت رکھتے اور ڈرتے ہوئے متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ اس کی خوشنودی کی حرص رکھتے ہیں اور اس کے غضب اور سزا سے کانپتے ہیں۔

اس میں ہمارے آئیڈیل اور بلند ترین نمونہ امام الخاشعین نبی مکرم حضرت محمد ﷺ ہیں جن کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] الأحقاف 46:29-30

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اِقْرَأْ عَلَيَّ ، قَالَ : قُلْتُ : أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ : إِنِّي أَشْتَهِي أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي قَالَ : فَقَرَأْتُ النِّسَاءَ حَتَّى إِذَا بَلَغْتُ

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''مجھے قرآن کریم کی قراءت سناؤ۔'' میں نے عرض کیا: بھلا میں آپ کو قرآن کریم کی تلاوت سناؤں، حالانکہ یہ آپ پر نازل کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی اور سے (بھی) قرآن کریم سنوں۔'' چنانچہ میں نے سورۃ النساء کی قراءت شروع کی حتی کہ جب میں نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾

''پھر ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو اس امت پر گواہ بنائیں گے۔''

قَالَ لِي : كُفَّ ، أَوْ أَمْسِكْ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَذْرِفَانِ

تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''رک جاؤ'' یا فرمایا: ''ٹھہر جاؤ'' اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ کی چشم مبارک سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔[1]

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس میں اس بات کا امکان ہے کہ آپ نے اپنے علاوہ دوسرے فرد سے قرآن کریم سننا اس لیے پسند فرمایا تاکہ قرآن سنانا بھی سنت بن جائے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ نے یہ عمل اس لیے کیا تاکہ قرآن کریم میں غور وفکر کرسکیں اور اسے اچھی طرح سمجھ سکیں کیونکہ غور سے سننے والا شخص غور وفکر کرنے کی زیادہ قوت رکھتا

---

[1] النساء 4:41، صحیح البخاری: فضائل القرآن، باب البکاء عند قراءۃ القرآن، حدیث : 5055 وصحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب فضل استماع القرآن......، حدیث : 800

ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دل تلاوت کرنے والے کی نسبت زیادہ فارغ اور بات سمجھنے کے لیے زیادہ مستعد ہوتا ہے کیونکہ تلاوت کرنے والا تو قراءت اور قراءت کے احکام کی پابندی میں مشغول ہوتا ہے۔'' [1]

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ نے جو فوائد لکھے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے: ''اس حدیث سے تلاوت قرآن کو غور سے سننے، اس کے لیے کان لگا کر متوجہ ہونے، تلاوت سن کر رونے اور اس میں غور وفکر کرنے کا استحباب (مستحب ہونا) ثابت ہوتا ہے، مزید برآں اسے غور سے کان لگا کر سننے کے لیے کسی اور شخص سے قرآن کریم کی قراءت کے مطالبے کا مستحب ہونا بھی ثابت ہے اور یہ امر قرآن کریم کی بذات خود تلاوت کرنے کی نسبت قرآن کو اچھی طرح سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے کے لیے زیادہ بلیغ اور موثر ہے۔اس میں اہل علم اور اصحاب فضل کے لیے تواضع اور انکسار بھی ہے، چاہے وہ اپنے پیروکاروں ہی سے اس کا مطالبہ کریں۔'' [2]

یہ تو تمام انبیائے کرام کی سنت مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے تھے،ان کے دل ڈر جاتے اور قادر مطلق کے کلام سے متاثر ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ ﴾

''(یہ وہ انبیاء) ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا جو اولاد آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں

---

[1] فتح الباری: 177/9

[2] صحیح مسلم بشرح النووی: 329/6

(کی نسل) میں سے ہیں جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، اور ابراہیم اور اسرائیل کی اولاد میں سے ہیں، اور ان لوگوں میں سے ہیں جنھیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔ جب ان پر رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے اور روتے (تھے)۔'' ❶

اسی طرح اہل علم کا بھی یہ وصف ہے کہ جب وہ غور سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں تو اس سے متاثر ہوتے اور رونے لگتے ہیں اور یہ چیز انھیں خشوع وخضوع اور علم ویقین میں مزید بڑھا دیتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۝ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۝﴾

''بلاشبہ جنھیں اس سے پہلے علم دیا گیا، جب ان کے روبرو تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں: پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔ اور وہ روتے ہوئے اپنی ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع کو زیادہ کرتا ہے۔'' ❷

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ اہل علم کی صفت میں مبالغہ ہے اور ان کی مدح سرائی ہے۔ ہر وہ شخص جو فہم وفراست سے علم کی حقیقت جان لیتا ہے، اس پر علم کا رنگ چڑھ جاتا ہے اور یوں وہ اس قدر علم حاصل کر لیتا ہے کہ اس میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ قرآن کریم کو غور سے سنے تو ڈر جائے اور اس میں تواضع اور انکسار پیدا ہو جائے۔'' ❸

---

❶ مريم 58:19 ❷ بنی إسرآئيل 17:107-109

❸ الجامع لأحكام القرآن:10/347-348، نیز دیکھیے : تفسير البيضاوي: 3/471، تفسیرابن كثير: 5/134

قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے کے فضائل

بلاشبہ اسلام نے عمومی طور پر تعلیم و تعلم کی ترغیب دی ہے اور اسے ان افضل عبادتوں میں شمار کیا ہے جن کے ذریعے سے آدمی اپنے رب ذوالجلال کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ دَعَا إِلٰی هُدًی، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا»

''جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی تو اس کی پیروی کرنے والوں کے اجروں کی مثل اس (دعوت دینے والے) کا اجر ہے جبکہ وہ اتباع کرنے والوں کے اجروں میں ذرہ بھر کمی کا باعث نہیں بنے گا۔'' [1]

انسان کی موت کے بعد جب تک اس کے علم سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اس وقت تک اسے اس کے علم کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة ......، حديث: 2674

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو ماسوا تین اعمال کے سب اعمال انسان سے منقطع ہو جاتے ہیں: صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا رہے، یا نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا کرے۔''[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علم کے شرف و فضل اور اس کے ثمر کی یہ حدیث سب سے بڑی دلیل ہے کہ آدمی کے فوت ہو جانے کے بعد بھی جب تک اس کے علم سے استفادہ کیا جاتا رہے گا اس کا ثواب اس آدمی کو پہنچتا رہے گا۔ گویا وہ شخص زندہ ہے اور ذکر و ثنا والی زندگی نہ ہونے کے باوجود اس کے اعمال منقطع نہیں ہوئے۔ جب لوگوں کے اعمال کا ثواب ان سے منقطع ہو جاتا ہے اس وقت اس آدمی کے لیے اجر کا جاری ہونا دراصل اس کے لیے دوسری نئی زندگی کا حکم رکھتا ہے۔''[2]

آدمی جس موضوع کو اختیار کرتا ہے اس کے اعتبار سے علم کے درجات اور منازل میں فرق ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سب سے زیادہ شرف و منزلت والا اور جلیل القدر علم اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم ہے، لہٰذا جو شخص قرآن کریم کی خود تعلیم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو قرآن کی تعلیم دیتا ہے وہ اس شخص سے زیادہ شرف و منزلت والا ہے جو قرآن کے علاوہ کوئی اور علم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔

بلاشبہ اس امت کے سلف صالحین رضی اللہ عنہم قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے کے بے حد مشتاق رہتے تھے۔ ان کے اس اشتیاق کی پہچان ان بہترین اور چنیدہ افراد کے طرز عمل سے ہوتی

[1] صحيح مسلم، الوصية، باب مايلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث: 1631

[2] مفتاح دار السعادة: 175/1

ہے۔اس عمل میں ان کا آئیڈیل اور نمونہ معلم بشریت اور ہادیٔ انسانیت رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہے جن پر قرآن کریم نازل کیا گیا اور وہی تھے جو سب سے زیادہ قرآن کریم کے مقام ومنزلت کا احساس وادراک رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صحابۂ کرام کو قرآن کریم کی تعلیم دینے کے بے حد خواہش مند تھے، لہٰذا آپ بہ نفس نفیس اور صحابہ کرام کو اپنا نائب بنا کر تعلیم قرآن کی عظیم مہم کے قیام کی جستجو فرماتے تھے۔

ہم مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں قرآن عظیم کی تعلیم حاصل کرنے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دینے کے فضائل کے متعلق گفتگو کریں گے۔

قرآن سیکھنے اور سکھانے والے فرشتوں اور رسولوں کے مشابہ ہیں

قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے والوں کے شرف ومنزلت کے لیے یہی فضیلت کافی ہے کہ بلاشبہ وہ معزز فرشتوں اور رسولوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اسی لیے مبعوث فرمایا تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو تعلیم دیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝﴾

''اسے مضبوط قوتوں والے (جبرئیل) نے سکھایا۔''[1]

پس رسول ﷺ کے اولین معلم جبرئیل علیہ السلام ہیں جو معزز فرشتوں میں سب سے افضل، سب سے طاقت ور اور سب سے زیادہ کامل ہیں۔ وہ نبی اکرم ﷺ پر وحی لے کر نازل ہوئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ظاہری اور باطنی طور پر نہایت مضبوط قوتوں والے ہیں۔ جس چیز کے نفاذ کا اللہ تعالیٰ انھیں حکم دیتا ہے، اسے نافذ کرنے میں وہ بہت قوی ہیں۔[2]

---

[1] النجم 5:53 [2] تفسیر السعدی:122/5

معلم کی مدح درحقیقت متعلم کی مدح ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ صرف یہ فرماتے کہ انھیں جبرئیل نے تعلیم دی ہے اور جبرئیل علیہ السلام کو عظیم اور قابل تعریف صفات سے متصف نہ کرتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح فضیلت حاصل نہ ہوتی۔ [1]

سب سے افضل لوگ قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے والے ہیں

بلاشبہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنا، اس کی تعلیم کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو اس کے معانی اور احکام سے روشناس کرانا نہایت افضل اور باعثِ تقرب الٰہی اعمال میں سے ہے۔ اس کا متعلم اور معلم دونوں دنیا و آخرت میں بھلائی اور فضل خاص حاصل کرتے ہیں، بلاشبہ قرآن کریم سیکھنے اور اس کی تعلیم کی ترغیب دینے والی احادیث بڑی کثرت سے وارد ہوئی ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو شخص اس مبارک کلام کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہو وہ انبیاء کے بعد افضل ترین لوگوں میں سے ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»

”تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن کریم سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔“ [2]

اور انھی سے منقول ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»

”بلاشبہ تمھارا افضل ترین آدمی وہ ہے جو قرآن کریم سیکھے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔“ [3]

---

[1] التفسیر الکبیر، للرازی: 245/28

[2] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن و علمه، حدیث: 5027

[3] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه، حدیث: 5028

یہ ارشاد اہل قرآن کے حق میں اس امر کی سب سے زیادہ مستند گواہی ہے کہ وہ سب سے بہتر اور افضل لوگ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جس کا مال یا اولاد زیادہ ہو یا اس کی جاگیر زیادہ وسیع ہو یا اس کے پاس اس فانی دنیا کا کوئی اور سامان ہو۔

یہ رسول اللہ ﷺ کے پیروکار سچے مومنوں کی صفات میں سے ہے کہ وہ قرآن کریم سیکھنے اور اس کے ذریعے سے اپنا تزکیہ نفس کرنے کی اسی طرح شدید خواہش رکھتے ہیں جس طرح وہ دوسروں کو اس کی تعلیم دینے، اس کی ہدایت اجاگر کرنے اور اس کی دعوت دینے کے آرزومند رہتے ہیں تاکہ اس کا نفع اوروں کو بھی پہنچے۔

❁ **تعلم اور تعلیم کا مفہوم:** قرآن کریم کا تعلم (علم حاصل کرنا) اور تعلیم (علم سکھانا) قرآن کے حروف کا علم حاصل کرنے اور ان کی تعلیم دینے اور اس کے معانی کا علم حاصل کرنے اور ان کی تعلیم دینے پر مشتمل ہے۔ معانئ قرآن کی تعلیم و تعلم قرآن کریم کے تعلم اور اس کی تعلیم سے متعلقہ دونوں قسموں میں سب سے اشرف ہے کیونکہ حقیقی مقصود معانی و مفاہیم ہیں اور الفاظ اس مقصد تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔[1]

بلاشبہ سلف صالحین نے اس خیر و برکت اور افضیلت کا ادراک کر لیا تھا جس سے قرآن کریم کا معلم اور متعلم ممتاز ہوتا ہے، لہٰذا وہ اس کے حصول کی شدید خواہش اور کوشش میں ہمیشہ مصروف رہے۔

حضرت سعد بن عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک سے حجاج کے دور تک مسلسل قرآن کریم پڑھایا۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہی وہ حدیث ہے جس نے مجھے اس مسند عزت پر لا بٹھایا ہے۔''[2]

---

[1] مفتاح دار السعادة: 74/1

[2] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، حديث: 5027

ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ نے کوفہ کی مسجد میں چالیس سال تک لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ کے اس ارشاد کہ ''یہی وہ حدیث ہے جس نے مجھے اس مسند عزت پر لا بٹھایا ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم سیکھنے اور دوسروں کو سکھانے والے کی افضلیت کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث نے حضرت ابوعبدالرحمٰن کو اس افضلیت کے حصول کا ایسا زبردست شوق دلایا کہ وہ مدت العمر لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیتے رہے۔[1]

اسی طرح ان کے مثل امام المقری نافع بن عبدالرحمٰن بن ابونعیم مدنی رحمہ اللہ ہیں، جو سات مشہور قراء میں سے ایک ہیں۔ وہ ستر سال سے زیادہ عرصے تک لوگوں کو قرآن کریم پڑھاتے رہے اور وہ طویل عمر پانے والے لوگوں میں سے تھے۔[2]

اسی طرح امام ابومنصور خیاط بغدادی رحمہ اللہ ہیں۔ ان کے ہاتھوں قرآن کریم کے قراء کی ایک بہت بڑی تعداد نے سند فراغت حاصل کی۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ''وہ ایک طویل زمانے تک کتاب اللہ کی تعلیم دینے کے لیے بیٹھے رہے اور ان سے بڑی تعداد میں لوگوں نے قرآن کریم پڑھا۔''[3]

انھوں نے ایک زمانہ فی سبیل اللہ نابیناؤں کو قرآن کریم ذہن نشین کرانے میں بسر کیا۔ وہ ان پر اپنا مال بھی خرچ کیا کرتے تھے حتی کہ جن نابیناؤں کو آپ نے قرآن کریم پڑھایا ان کی تعداد ستر تک پہنچ گئی۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس شخص نے ستر نابیناؤں کو قرآن کریم ذہن نشین کروایا، بلاشبہ اس نے بڑی کثرت سے بھلائی اور لامتناہی نیکی کا عمل انجام دیا۔''[4]

---

[1] فتح الباری: 97/9

[2] معرفة القراء الكبار، للذهبی، ص: 64

[3] سیر أعلام النبلاء: 222/19

[4] سیر أعلام النبلاء: 223/19

قرآن سیکھنا اور سکھانا دنیا اور اس کے خزانوں سے بہتر ہے

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے جبکہ ہم صُفّہ میں بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا:

«أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ إِلَى بُطْحَانَ أَوْ إِلَى الْعَقِيقِ فَيَأْتِيَ مِنْهُ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ، فِي غَيْرِ إِثْمٍ وَّلَا قَطْعِ رَحِمٍ؟» فَقُلْنَا: يَارَسُولَ اللهِ! نُحِبُّ ذٰلِكَ، قَالَ: «أَفَلَا يَغْدُو أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمَ أَوْ يَقْرَأَ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ نَّاقَتَيْنِ. وَثَلَاثٌ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ ثَلَاثٍ وَّأَرْبَعٌ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَرْبَعٍ وَّمِنْ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ»

''تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ صبح سویرے بطحان یا عقیق وادی کی طرف جائے اور وہاں سے کسی زیادتی، گناہ یا قطع رحمی کے بغیر دو بڑی کوہان والی اونٹنیاں لے آئے۔'' ہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ چیز تو ہم سب پسند کرتے ہیں۔'' اس پر آپ نے فرمایا: ''تو پھر کیا تم میں سے کوئی آدمی صبح سویرے مسجد میں نہیں جا سکتا کہ وہ وہاں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے دو آیات کی تلاوت کرے یا ان کی تعلیم حاصل کرے جو اس کے لیے دو اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور تین آیات اس کے لیے تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیات اس کے لیے چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں، اسی طرح آیات کی زیادہ تعداد زیادہ اونٹنیوں سے بہتر ہے۔''[1]

بلا شبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن عظیم کی تعلیم حاصل کرنے اور قرآنی تعلیم کے حصول کے

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب فضل قراءۃ القرآن فی الصلاۃ و تعلیمہ، حدیث: 803

لیے اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی مسجد میں جانے کی ترغیب دینے کے لیے یہ مثال پیش فرمائی ہے۔ مساجد کی ترغیب اس لیے دی ہے کہ ان میں سکینت اور طمانیت ہوتی ہے جہاں آدمی کا دل دنیا کے مشاغل اور مصروفیات سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔ آپ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ مسلمان کا صرف ایک آیت کی تعلیم حاصل کرنا دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے۔ اونٹنیوں کے ساتھ یہ مثال بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ شروع اسلام میں اونٹنیاں عربوں کا سب سے قیمتی مال سمجھی جاتی تھیں اور ان کے مالک بے حد غنی اور مال دار لوگ ہی ہوا کرتے تھے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو اس چیز کی ترغیب دلائی جو ان سے افضل ہے کیونکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکیوں کا سرمایہ ہونا دنیا میں شتربانوں کے پاس اونٹنیوں کے ریوڑ سے افضل ہے اور یہ فضیلت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعلیم حاصل کریں، چنانچہ قرآن مجید کی ایک آیت جس کی تعلیم مسلمان حاصل کرتا ہے، وہ نیکیوں کے ترازو میں اس بڑی کوہان والی اور بے عیب اونٹنی سے بھی افضل ہے جسے وہ صدقہ کرے۔

بلاشبہ نبی اکرم ﷺ نے نیکی اور خیر سیکھنے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینے کی ترغیب دی ہے اور کامل اور مقبول حج کرنے والے کے اجر کی مانند اس کا اجر بتلایا ہے، آپ نے فرمایا:

«مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ، كَانَ لَهُ كَأَجْرِ حَاجٍّ، تَامًّا حَجَّتُهُ»

”جو صبح سویرے مسجد جاتا ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ بھلائی اور خیر کی تعلیم حاصل کرے یا کسی کو اس کی تعلیم دے تو اس کے لیے اس حاجی کے برابر اجر ہے جس کا حج مکمل اور مقبول ہو۔“[1]

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: 94/8، حدیث: 7473 علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”حسن صحیح“ کہا ہے۔ (صحیح الترغیب و الترہیب: 145/1، حدیث: 86)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنا اور اس کی تعلیم دینا ہر اس نیکی اور فلاح کا پیش خیمہ ہے جس کی آدمی دوسروں کو تعلیم دیتا ہے یا خود اس کی تعلیم حاصل کرتا ہے کیونکہ یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے۔

ایک دوسری حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ بلاشبہ خیر کا متعلم اور معلم دونوں بجائے خود مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔ فرمایا:

«مَنْ جَاءَ مَسْجِدِي هٰذَا، لَمْ يَأْتِهِ إِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ أَوْ يُعَلِّمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلٰى مَتَاعِ غَيْرِهِ»

''جو شخص میری اس مسجد میں آئے (اور) صرف اس لیے مسجد میں آئے کہ کسی بھلائی اور خیر کی تعلیم حاصل کرے یا اس کی تعلیم دے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے مقام و مرتبہ پر فائز ہے اور جو شخص اس کے علاوہ کسی اور مقصد سے آئے تو وہ اس آدمی کے مقام و مرتبہ پر ہے جو دوسروں کے سامان کی طرف نظریں دوڑاتا ہے۔''[1]

قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے والا یقیناً اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے آدمی کے مقام و مرتبہ پر فائز کیا جائے کیونکہ بلاشبہ اس نے ان مبارک حلقوں میں حاضر ہونے اور دنیا اور اس کی زیب و زینت کو ترک کرنے میں اپنے نفس اور اس کی خواہشات کے خلاف جہاد کیا، شیطان کے خلاف جہاد کیا، صبر سے کام لیا، ثابت قدم اور حق کی خدمت میں سرگرم عمل رہا۔ پس وہ کُلّی طور پر اس شرف عظیم کا مستحق ٹھہرا۔

---

[1] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل العلماء و الحث على طلب العلم، حديث : 227 اسے شیخ البانی ﷫ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحيح ابن ماجه: 44/1، حديث : 186)

جس نے ایک آیت بھی سکھائی وہ اس کے لیے صدقہ جاریہ ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں کو قرآن عظیم کی تعلیم دینا ایک ہمہ گیر نفع ہے اور معلم کے ان اعمال صالحہ میں سے ہے جن کا ثواب اسے اس کی موت کے بعد بھی ملتا رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ، عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ»

''بلاشبہ مومن کے وہ اعمال اور نیکیاں جو اس کے مرنے کے بعد بھی اسے ملتی رہتی ہیں ان میں سے ایک علم بھی ہے جو اس نے لوگوں کو سکھایا اور پھیلایا ہو۔''[1]

لوگوں کو قرآن عظیم کی تعلیم دینا خیر اور نیکی کی طرف رہنمائی کرنے کے عمومی حکم میں داخل ہے، لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ»

''جس نے کسی نیکی کی طرف رہنمائی کی، اس کے لیے (خود) نیکی کرنے والے کے اجر کے برابر ثواب ہے۔''[2]

مزید براں قرآن کریم کی تعلیم دینے کے اجر وثواب کی بابت نص بھی وارد ہوئی ہے۔ ہر چند ایک آیت ہی کیوں نہ سکھائے، اس کا اجر بھی ملے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ عَلَّمَ آيَةً مِّنْ كِتَابِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ، كَانَ لَهُ ثَوَابُهَا مَا تُلِيَتْ»

---

[1] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب ثواب معلم الناس الخير، حديث :242 اس حدیث کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے۔ (صحيح ابن ماجه:46/1، حديث : 198)

[2] صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل إعانة الغازي، حديث : 1893

''جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے ایک آیت بھی سکھائی، جب تک اس کی تلاوت کی جاتی رہے گی اسے اس کا ثواب ملتا رہے گا۔''❶

یہ قرآن کریم کے معلم کی میزان میں لکھے جانے والے بہترین آثار میں سے ہے کیونکہ وہ ان آثار کی تعلیم کا براہ راست سبب بنا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ؕ﴾

''اور جو (اعمال) وہ آگے بھیج چکے، انھیں ہم لکھ رہے ہیں اور ان کے آثار (نشانات قدم) کو بھی۔''❷

﴿مَا قَدَّمُوا﴾ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جنھیں لوگ موت سے پہلے پہلے انجام دیتے ہیں۔ دنیاوی زندگی میں ان کے ایسے اعمال کو اشیاء کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے جنھیں وہ آگے دار آخرت کی طرف بھیجتے ہیں، جیسے مسافر اپنے بوجھ اور بھاری ساز و سامان کو آگے بھیجتا ہے۔''❸

پس جو اعمال انھوں نے براہ راست بذات خود انجام دیے ہیں انھیں بھی لکھا جاتا ہے اور ان آثار کو بھی لکھا جاتا ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اگر وہ اعمال اچھے ہوں تو اچھے اور برے ہوں تو برے لکھے جاتے ہیں۔

اولاد کو قرآن کریم کی تعلیم سے آراستہ کرنے کا ثواب

اپنی اولاد کو بچپن ہی سے قرآن عظیم کی تعلیم دینا ہمارے تمام سلف صالحین کے نزدیک التزاماً قابل اتباع سنت ہے۔

---

❶ سلسلة الأحاديث الصحيحة: 323/3،حديث: 1335

❷ یٰسٓ 12:36

❸ التحرير و التنوير: 204/22

اللہ تعالیٰ نے اپنی اولاد کو کتاب اللہ کی تعلیم دینے اور دلانے اور اس مقدس فرض کے سلسلے میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنے والے والدین کے لیے بہت بڑا اجر وثواب رکھا ہے۔ اس سلسلے میں انھیں دو ایسی عمدہ پوشاکیں پہنائی جائیں گی جن کے سامنے اہل دنیا ٹھہر نہیں سکیں گے۔

حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ الْقُرْآنَ يَلْقَى صَاحِبَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يَنْشَقُّ عَنْهُ قَبْرُهُ كَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ، فَيَقُولُ لَهُ: هَلْ تَعْرِفُنِي؟ فَيَقُولُ: مَا أَعْرِفُكَ، فَيَقُولُ: أَنَا صَاحِبُكَ الْقُرْآنُ الَّذِي أَظْمَأْتُكَ فِي الْهَوَاجِرِ، وَأَسْهَرْتُ لَيْلَكَ، وَإِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ مِّنْ وَّرَاءِ تِجَارَتِهِ، وَإِنَّكَ الْيَوْمَ مِنْ وَّرَاءِ كُلِّ تِجَارَةٍ، فَيُعْطَى الْمُلْكَ بِيَمِينِهِ، وَالْخُلْدَ بِشِمَالِهِ، وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ، وَيُكْسٰى وَالِدَاهُ حُلَّتَيْنِ لَا يَقُومُ لَهُمَا أَهْلُ الدُّنْيَا، فَيَقُولَانِ: بِمَ كُسِينَا هٰذَا؟ فَيُقَالُ: بِأَخْذِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ»

''قیامت کے روز قرآن کریم اپنے ساتھی سے پھیکی رنگت کے آدمی کی شکل میں اس وقت ملے گا جب اس کی قبر شق ہوگی۔ قرآن کریم اس سے پوچھے گا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تجھے نہیں پہچانتا۔ قرآن کریم کہے گا: میں تیرا ساتھی اور دوست قرآن ہوں۔ میں نے تجھے دوپہر کی شدید گرمی میں پیاسا اور راتوں کو بیدار رکھا۔ بلاشبہ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوتا ہے اور بے شک آج تو (بھی) اپنے مال تجارت کے پیچھے ہوگا، چنانچہ اس کے داہنے ہاتھ میں بادشاہت دے دی جائے گی اور بائیں ہاتھ میں ہمیشگی اور دوام رکھ دیا جائے گا۔ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے

گا۔اس کے والدین کو دو ایسے قیمتی جوڑے پہنائے جائیں گے جن کا سامنا اہل دنیا نہیں کر سکیں گے۔اس کے والدین پوچھیں گے: ''ہمیں یہ جوڑے کیوں پہنائے گئے ہیں؟'' کہا جائے گا: ''تم دونوں کے بیٹے کے حصول قرآن کی وجہ سے!''

«ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: اقْرَأْ، وَاصْعَدْ فِي دَرَجِ الْجَنَّةِ وَغُرَفِهَا، فَهُوَ فِي صُعُودٍ مَّادَامَ يَقْرَأُ، هٰذًّا كَانَ، أَوْ تَرْتِيلًا»

پھر صاحب قرآن سے کہا جائے گا: ''قرآن کریم کی تلاوت شروع کرو اور جنت کے درجات اور اس کے بالا خانوں پر چڑھتے چلے جاؤ۔ چاہے وہ تیزی سے پڑھے یا ترتیل کے ساتھ آہستہ آہستہ، جب تک وہ قرآن پڑھتا رہے گا اس وقت تک وہ اوپر کے درجوں پر چڑھتا چلا جائے گا۔'' [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَيُكْسٰى وَالِدَاهُ حُلَّتَينِ، لَا تَقُومُ لَهُمُ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، فَيَقُولَانِ: يَارَبِّ! أَنّٰى لَنَا هٰذَا؟ فَيُقَالُ: بِتَعْلِيمِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ»

''اس کے والدین کو دو ایسی (عظیم الشان) پوشاکیں پہنائی جائیں گی کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گے۔ تب وہ دونوں ماں باپ کہیں گے: ''اے ہمارے رب! یہ ہمیں کیوں نصیب ہوئی ہیں؟'' ان سے کہا جائے گا: ''تم دونوں کے بیٹے کی تعلیم قرآن کی وجہ سے......'' [2]

یہ عظیم انعام انھیں ایسی جگہ سے حاصل ہوگا جس کا انھیں وہم و گمان بھی نہیں ہوگا۔ اس

---

[1] مسند أحمد:348/5 حدیث: 23000 مسند کے محققین شیخ شعیب ارنؤوط اور ان کے ساتھیوں نے اس کی سند کو حسن قرار دیا۔(42:38)

[2] المعجم الأوسط للطبرانی: 51/6، حدیث: 5764 اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلسلة الأحاديث الصحيحة میں ذکر کیا ہے (792/6، حدیث: 2829)

وجہ سے ان والدین کا حیران ہو جانا قابل فہم ہے، چنانچہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ان سب سے زیادہ قیمتی جنت کے جوڑوں میں سے دو عظیم جوڑے ان کے والدین کو پہنائے جائیں گے تو وہ ہکا بکا رہ جائیں گے اور بڑی حیرت سے پوچھیں گے: ''ہمارے لیے ایسے زبردست قیمتی جوڑے کہاں سے آ گئے جب کہ ہمارے علم کے مطابق ہمارے اعمال اور اطاعت گزاریاں ہرگز ایسی نہیں ہیں جو اس عظیم عزت و کرامت کی مستحق ہوں۔'' انھیں جواب دیا جائے گا: ''تمھیں یہ عزت تمھارے بیٹے کے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے، اس راہ میں مشقت پیش آنے پر صبر کرنے اور اس کی خیر خواہی میں مخلص ہونے کی وجہ سے عطا کی گئی ہے۔''

اسی طرح بلاشبہ دنیا میں صاحب قرآن اپنے والدین سے سب لوگوں سے بڑھ کر حسن سلوک سے پیش آنے والا ہوتا ہے۔ اگر تمام والدین اس مقام و مرتبہ سے آگاہ ہو جائیں جو ان کے بچوں کی تعلیم قرآن عظیم کی وجہ سے انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں نصیب ہوگا تو وہ اپنی اولاد کو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے اس کی تلاوت کرنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی زبردست ترغیب دیں اور انھیں علوم قرآن کے حصول کے لیے مجبور کر دیں۔ [1]

---

[1] أنوار القرآن ، مصطفى حمصي، ص :181-182

تلاوتِ قرآن کریم کے فضائل

رسول اللہ ﷺ بڑی کثرت اور تواتر سے قرآن عظیم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، آپ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، وضو کرتے، گفتگو کرتے، چلتے پھرتے، سواری پر، غرضیکہ ہر حالت میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ ، وَهُوَ يَقْرَأُ عَلٰى رَاحِلَتِهِ سُورَةَ الْفَتْحِ»

''میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی سواری پر سورۃ الفتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔''[1]

اس سنت کا احیا بہت ضروری ہے۔ ہمیں موجودہ زمانے میں نقل وحرکت کی مختلف آرام دہ سواریوں پر سوار ہوتے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت ضرور کرنی چاہیے، خاص طور پر ان حالات میں جب کہ برّی، بحری اور فضائی سفر طویل گھنٹوں اور بسا اوقات مسلسل کئی روز پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان اوقات میں نہایت آسانی سے قرآن کریم کی تلاوت کی جا سکتی

[1] صحيح البخاری، فضائل القرآن، باب القراءة على الدابة، حديث :5034

ہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ عالی سے عظیم الشان ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کی قراءت علی الاطلاق محبوب عمل ہے ماسوا ان چند مخصوص حالات کے جن میں شریعت نے قرآن کریم کی تلاوت سے منع کیا ہے جیسے قیام کے سوا رکوع، سجدے، تشہد اور دوسری حالتوں میں قرآن کریم کی تلاوت ممنوع ہے۔ بیت الخلا میں بیٹھے ہوئے، اونگھ کی حالت میں اور خطبہ سننے والے کے لیے دوران خطبہ قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں، اسی طرح اگر کسی کے لیے قرآن کریم پڑھنا دشوار ہو اور اسے یہ پتا نہ چل رہا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اس وقت بھی قرآن پڑھنا ٹھیک نہیں۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو خود اپنے عمل مبارک سے راستوں میں قرآن کریم کی قراءت کی دعوت دیتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ متعدد آیات آپ پر دوران سفر نازل ہوئیں اور آپ ان کی قراءت کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ عمل مبارک سرِ راہ چلتے چلتے تلاوت قرآن کے بارے میں آپ کی اقتدا کرنے کی بالواسطہ دعوت ہے۔

ان ساری باتوں سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد اپنی امت کو قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کرنے کی ترغیب دینا تھا تاکہ یہ کتاب حکیم ان کی زندگی کے تمام احوال میں جس قدر بھی ممکن ہو، ان کی زندگی کا جزبن کر رہے۔''[1]

تلاوت قرآن عظیم کے فضائل بڑے بابرکت اور کثیر ہیں اور یہ تمام فضائل صاحبِ تلاوت کے لیے دنیا و آخرت میں باعث فلاح ہیں۔ اگر مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ تلاوت میں کس قدر فضائل و برکات ہیں تو وہ اپنے سامنے سے یہ مقدس کتاب کبھی اوجھل نہ ہونے دیں بلکہ رات کی تاریکیوں اور دن کے اجالوں میں ہر وقت اس کی تلاوت کرتے رہیں۔

پیش نظر اوراق میں تلاوت کے اہم فضائل کے بارے میں گفتگو کی جا رہی ہے۔

---

[1] یعلمهم الکتاب التعامل مع القرآن الکریم، ص :42-43

تلاوت قرآن نہایت نفع بخش تجارت ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝﴾

''بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے، اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز تباہ نہ ہوگی۔ تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) انھیں ان کے اجر پورے دے، اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ دے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت قدردان ہے۔''[1]

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم پڑھنے والوں کی شاندار تعریف وتوصیف ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ قرآن کریم کا علم رکھنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور اس کی قراءت کرنے والوں کی آیت ہے۔''[2]

پس یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قرآن عظیم کی تلاوت کرنے والوں کی ستائش اور تعریف ہے کہ وہ تلاوت قرآن کا تسلسل قائم رکھتے ہیں اور اس پر مداومت اختیار کرتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کے الفاظ پڑھ کر اس کی تلاوت کرتے ہیں اور پھر اس کے معانی پر غور وفکر

---

[1] فاطر 35:29-30

[2] تفسیر القرطبی: 345/14

کر کے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔[1]

بلاشبہ تلاوت قرآن ایک نفع بخش تجارت ہے جس کے بے بہا منافع کی بارگاہ باری تعالیٰ سے پکی گارنٹی ہے، لہٰذا کیا کثرت تلاوت کے ذریعے سے جنت کی جستجو میں مستعدی دکھانے والا کوئی شخص ہے؟

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ﴾

''تاکہ وہ (اللہ) انھیں ان کے اجر پورے دے اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ دے۔''[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم پر عمل پیرا ہونے والے اہل قرآن کو اپنی طرف سے اجر عظیم دینے اور بطور عزت افزائی مزید اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور اس اضافے کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ یقیناً وہ فضل عظیم کا مالک ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَّالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُولُ "آلَمَّ" حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَّلَامٌ حَرْفٌ وَّمِيمٌ حَرْفٌ»

''جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھتا ہے، اس کے لیے اس کے بدلے میں ایک نیکی ہے اور ایک نیکی اپنی مثل دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ﴿الٓمٓ﴾ ایک حرف ہے بلکہ ''الف'' ایک حرف ہے، ''لام'' ایک حرف ہے اور

---

[1] فتح القدير: 348/4 و تفسير السعدی: 216/4

[2] فاطر 30:35

''میم'' ایک حرف ہے۔''[1]

یہ عظیم حدیث بتاتی ہے کہ کتاب اللہ کے ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں عطا کی جاتی ہیں۔ یہ نیکیوں کو کئی گنا کرنے کی وہ کم سے کم مقدار ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾

''جو شخص (وہاں) ایک نیکی لے کر آئے گا، اس کے لیے دس گنا (ثواب) ہوگا۔''[2]

اور فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○﴾

''اور اللہ جس کے لیے چاہے (اجر) بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔''[3]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اجر میں اضافہ اور اسے دو چند کرنا درحقیقت قاری کے اخلاص، خشوع، غور و فکر اور کتاب اللہ کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کی کیفیات کی مناسبت سے ہوتا ہے، اسی لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ ، فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَأَزِيدُ»

''اللہ عزوجل فرماتا ہے: جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا تو اس کا دس گنا ثواب ہوگا اور میں اس سے زیادہ بھی اسے دوں گا۔''[4]

---

[1] جامع الترمذی، فضائل القران، باب ماجاء فیمن قرأ حرفاً......، حدیث: 2910 اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے (صحیح سنن الترمذی: 9/3، حدیث: 2327)

[2] الأنعام 160:6 [3] البقرة 261:2

[4] صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل الذکر والدعاء، حدیث: 2687

ہمیں کسی اور ایسے عمل کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا جس کے بدلے میں اسے انجام دینے والا اس قدر اجر حاصل کر سکے جس قدر وہ شخص حاصل کرتا ہے جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے۔ جو شخص قرآن کریم کی ایک سطر ایک صفحے یا ایک پارے کی تلاوت کرتا ہے وہ کس قدر عظیم نیکیاں حاصل کرے گا، یہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

جب ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن لوگ ایک نیکی کی خاطر آپس میں جھگڑا کریں گے تاکہ وہ اس کے ذریعے سے اپنے میزان وزنی بنا سکیں تو اس وقت ہمیں اس اجر کی عظمت کا ادراک ہوتا ہے جس کے وہ لوگ منتظر ہیں جو کتاب اللہ کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ طالب علم ایک کتاب کے لیے نو دس گھنٹے مقرر کر کے اس کے مطالعے میں مستغرق رہتا ہے اور بسا اوقات وہ کئی کئی دن اور کئی کئی ہفتے اس میں ڈوبا رہتا ہے، پھر وہ اس کا اعادہ کرتا ہے، دُہرائی کرتا اور خلاصہ تیار کرتا ہے اور اس کے ایک بڑے حصے کو زبانی یا نیم زبانی طور پر حفظ کر لیتا ہے۔ اتنی محنت وہ صرف اس لیے کرتا ہے کہ نصاب کی تکمیل کو پہنچ جائے جس سے ایک دنیاوی معاملے میں اس کی جزوی کامیابی یقینی ہو جائے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ کیا ایک مسلمان کا قرآن عظیم کی تلاوت سے منہ پھیرنا بصیرت کا اندھا پن اور جہالت نہیں ہے جبکہ اس میں بے پایاں دنیاوی اور اخروی بھلائیاں اور برکتیں مضمر ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ تحریری شکل میں ضمانت دی گئی ہے۔

تلاوت قرآن پر سکینت، رحمت اور فرشتوں کا نزول

قرآن کی تلاوت، اس کی تعلیم کے حصول اور ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دینے کے

لیے اجتماع کرنے کی بڑی فضیلت ہے، خاص طور پر اگر یہ اجتماع مسجد میں ہو جو مومنوں کے دلوں کا ٹھکانا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»

''اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں لوگ جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو اس کا درس دیتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ ان کا تذکرہ ان فرشتوں کے روبرو کرتا ہے جو اس کے پاس موجود ہوتے ہیں۔''[1]

یہ حدیث ان عظیم بشارتوں میں سے ایک ہے جن کی خوش خبری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دی جو قرآن کریم کی تلاوت اور آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دینے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں، بلاشبہ آپ نے قرآن کریم کے درس و تدریس کی بڑی ترغیب دی ہے کیونکہ اس میں لوگوں کی عزت، شرف اور ان کے احوال کی اصلاح ہے، نیز اس میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ اس اجر و ثواب میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ ان کا اجتماع مسجد میں ہو یا اس کے باہر کسی مدرسے یا گھر میں ہو۔

جو شخص بھی اس مبارک و مسعود مجلس میں حاضر ہوتا ہے وہ چار عظیم انعامات حاصل کرتا ہے:

- **نزول سکینت:** تلاوت قرآن کریم اور اس میں تدبر کرنے کے لیے جمع ہونے والوں کو جو پہلا انعام اور تحفہ دیا جاتا ہے وہ ان پر نزول سکینت ہے جو طمانیت اور دلی راحت و سکون کا

---

[1] صحیح مسلم، الذکر، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، حدیث: 2699

نام ہے، لہٰذا جس قلق، افسوس، اضطراب، نفسیاتی بیماریوں، لاینحل مسائل اور خوفناک امور سے آج عام لوگوں کے دل بھرے ہوئے ہیں اور انھوں نے ان کی زندگی کو ایسا جہنم بنا دیا ہے جسے برداشت کرنے کی ان میں طاقت نہیں، تلاوت کے لیے جمع ہونے والے لوگ ان میں ہرگز مبتلا نہیں ہوتے۔ [1]

سکینت سے مراد ایسا سکون اور طمانیت ہے جس سے دل پوری طرح مطمئن ہو جاتا ہے اور اسے وحشتوں سے سکون میسر آ جاتا ہے۔ [2]

اکثر اوقات دل حزن و ملال سے بھرا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں مومن جب اپنے بھائیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے اردگرد حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دیتے ہیں تو اس حالت میں دل کے تمام غم دور ہو جاتے ہیں اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔

کہاں ہیں وہ لوگ جن کے دل و دماغ میں رنج و غم نے آشیانہ بنا لیا ہے اور وہ اپنے غم و آلام سے نجات پانے کے لیے دم بدم نفسیاتی بیماریوں کی علاج گاہوں میں پناہ لیتے ہیں؟ وہ ان مجلسوں سے دور کیوں ہیں جن کے شرکاء پر سکینت نازل ہوتی ہے؟ ان کے لیے ایک ہی راہ نجات ہے کہ وہ نافرمانیوں سے بچیں، گناہوں کی زندگی ترک کر دیں اور راحت و سکینت کی ان نورانی محفلوں میں آ بیٹھیں جہاں قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے دلوں سے گناہوں کی آلائش دھو ڈالیں، اپنے آپ کو پاکیزہ اور مطہر بنا لیں اور تکالیف سے راحت اور سکون حاصل کر لیں۔ [3] جونہی وہ قرآنی تعلیم کے حلقوں میں آئیں گے، ان کے سارے دکھ دور ہو جائیں گے۔

❁ **رحمت کا ڈھانپنا:** رحمت اہل قرآن کے قریب ہے بلکہ وہ ان کی مجالس کو ڈھانپ لیتی

---

[1] ورتل القرآن ترتیلا، ص: 15

[2] تحفة الأحوذي: 156/8

[3] أنوار القرآن، ص: 107-108

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہے جسے اہل دنیا جمع کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ ﴾

''اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔'' [1]

اس آیت مقدسہ کی رو سے یہ حقیقت اجاگر ہو جاتی ہے کہ تلاوت قرآن اور کتاب اللہ کے درس و تدریس کی مجلس میں شرکت کرنے والے افراد جس عظیم خیر اور بھلائی کی خوشہ چینی کرتے ہیں، اس کا مقابلہ اور برابری وہ ساری چیزیں مل کر بھی نہیں کرسکتیں جنھیں اہل دنیا جمع کرتے رہتے ہیں کیونکہ وہ سب فنا پذیر ہیں۔

بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کی طرف اپنی وحی کو ''اَلرَّحْمَةُ'' کے نام سے موسوم کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ ﴾

''نوح نے کہا: اے میری قوم! دیکھو تو، اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح ہدایت پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت (وحی) بخشی ہو۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی، علم اور حکمت کے لیے چن لیا تھا، وہ اسی خصوصیت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

اس طرح حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَاٰتٰنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً ﴾

''اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (وحی) دی ہے۔'' [3]

قرآن عظیم اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اسے ''اَلرَّحْمَةُ'' کا نام دیا جائے، چنانچہ

---

[1] الزخرف 32:43 [2] هود 28:11 [3] هود 63:11

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾

''اور ہم نے آپ پر ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی یہ کتاب نازل کی ہے جو مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوش خبری ہے۔''[1]

جب اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اور اس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہے:

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾

''اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔''[2]

تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اہل قرآن اور اس کی تلاوت کرنے والوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لینا بدرجۂ اولیٰ لازم ہے۔

❁ **فرشتوں کا گھیرنا:** قرآن کریم کی تدریس وتشریح کے بلند پایہ کام کی عزت افزائی کے لیے معزز فرشتے اپنے پر پھیلا کر اہلِ قرآن کو گھیر لیتے ہیں۔

بلاشبہ ایک مرتبہ معزز فرشتے نازل ہوئے اور جلیل القدر صحابی حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کے قریب آ گئے جبکہ اس وقت وہ قرآن کریم پڑھ رہے تھے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ سُورَةَ الْبَقَرَةِ . . . إِلٰى أَنْ قَالَ: فَرَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى السَّمَاءِ، فَإِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ،

---

[1] النحل 89:16. النهج الأسمى في شرح أسماء الله الحسنى: 78/1

[2] الأعراف 156:7

فَخَرَجَتْ حَتَّى لَا أَرَاهَا، قَالَ: وَتَدْرِي مَا ذٰلِكَ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: "تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ، وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا، لَا تَتَوَارَى مِنْهُمْ" »

''میں رات کو سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہا تھا...... (اچانک) میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو ناگہاں دیکھا کہ سائبان کے مانند کوئی چیز ہے جس میں چراغوں جیسی روشنی جھلملا رہی ہے، پھر وہ روشنی دور ہونے لگی حتی کہ میری نظر سے وہ سائبان نما چیز اوجھل ہو گئی۔ (یہ ماجرا سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو جانتا ہے وہ کیا تھا؟'' میں نے جواب دیا ''نہیں!'' آپ نے فرمایا: ''وہ فرشتے تھے جو تیری آواز سننے کے لیے تیرے قریب آ گئے تھے۔ اگر تو پڑھتا رہتا تو وہ یہیں صبح کر دیتے اور لوگ انھیں دیکھتے جبکہ وہ ان سے اوجھل نہ ہوتے۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس میں تلاوت قرآن کی فضیلت عیاں ہے کہ بلاشبہ وہ رحمت کے نزول اور فرشتوں کے حاضر ہونے کا سبب ہے۔''[2]

❁ **اللہ تعالیٰ کا اپنے ہم مجلس فرشتوں میں تذکرہ کرنا:** نبی اکرم ﷺ کے فرمان ''ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ'' کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود انبیائے کرام اور معزز فرشتوں میں ان کی تعریف فرماتا ہے اور انھیں انعام اور ثواب دیتا ہے۔[3]

اس سے زیادہ باعزت اور باعظمت مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام اپنے فقیر، ضعیف اور ناتواں بندے کا تذکرۂ خیر اپنے قریب موجود معزز فرشتوں کی محفل میں فرمائے۔

---

1 صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب نزول السكينة و الملائكة ......، حديث: 5018

2 فتح الباري 81:9

3 عون المعبود شرح سنن أبي داود: 230/4

جب کسی مسلمان کو یہ پتہ چلے کہ بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ اپنے مصاحبین اور مقربین میں اس کی مدح سرائی کرتا ہے تو کیا اس کا دل مسرت سے لبریز نہیں ہو جائے گا؟

اللہ تعالیٰ کی ذات عالی بے مثال ہے۔ وہ بے ہمتا قادر مطلق ہے۔ پس اس آدمی کی کیا حالت ہوگی جسے یہ معلوم ہو جائے کہ رب ذوالجلال اپنے اعلیٰ اور معزز فرشتوں میں اس کی تعریف کرتا ہے، کیا وہ اس سے خوشی محسوس نہیں کرے گا؟

بلاشبہ یہ بات قرآن کریم کی تلاوت، درس و تدریس اور اس پر تدبر اور عمل کے لیے قائم ہونے والی بابرکت مجالس کی طرف جلد از جلد جانے پر مجبور کرنے کے لیے سب سے عظیم محرک ہے۔

پس اہل قرآن کو اس فضل عظیم اور رفیع الشان قدر و منزلت کی خوش خبری ہو۔ تعجب ہے اس شخص پر جو ان زبردست فضائل کے باوجود قرآن عظیم کی مجالس میں نہ جائے اور سستی اور کسل مندی کا مظاہرہ کرے۔[1]

تلاوت قرآن سراسر خیر ہی خیر ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ»

”قرآن کریم کی مہارت رکھنے والا (روز قیامت) معزز اور نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور اٹک اٹک کر اسے پڑھتا ہے اور اس سے اسے مشقت اٹھانی پڑتی ہے تو اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔“[2]

---

[1] أنوار القرآن، ص : 111، ورتل القرآن ترتيلا، ص : 15

[2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الماهر بالقرآن......، حديث : 798

❁ قرآن کریم کا ماہر: یہ اس شخص کے لیے عظیم بشارت ہے جو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتا ہے، اس کی تلاوت مستحکم کرتا ہے اور کثرت سے اسے پڑھتا ہے حتی کہ وہ اس کا ماہر بن جاتا ہے تو وہ سفیروں کے ساتھ ہوگا۔ سفیروں سے مراد یا تو رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا یا پھر اس سے مراد مقرب فرشتے ہیں۔ اس کے فرشتوں کی معیت میں ہونے کا سبب یہ ہے کہ ماہر قرآن بھی ان کی اس خصوصی صفت سے متصف ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے انھیں خصوصی شرف ملا ہے اور وہ صفت ہے حامل قرآن ہونا، اس کی تبلیغ کرنا اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ [1]

❁ دوگنا اجر والا: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور مسلمانوں کے لیے قرآن کریم کی سہولت رسانی ہے کہ جو شخص بھی قرآن عظیم کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کی تلاوت کرتا اور اس میں غور و فکر کرتا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم ہے، چاہے وہ قراءت قرآن میں ماہر ہو یا اسے اٹک اٹک کر پڑھتا ہو اور جو شخص اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے اور اس پر تلاوت قرآن دشوار ہے، اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔ ایک اجر تلاوت پر ہے اور دوسرا اجر مشقت پر ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس آدمی کے لیے دوگنا اجر ہے، کیا وہ بلحاظ اجر ماہر قرآن سے بڑھ کر ہے؟

اس سوال کا جواب امام نووی رحمہ اللہ نے دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ جو شخص قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اس کا اجر ماہر قرآن سے زیادہ ہے، بلکہ ماہر افضل ہے اور اجر کے اعتبار سے بڑھ کر ہے کیونکہ وہ سفیروں کے ساتھ ہے اور اس کے لیے کثیر تعداد میں اجر عظیم ہیں۔ یہ مقام و مرتبہ ماہر قرآن کے علاوہ کسی دوسرے کا نہیں بتایا گیا، لہٰذا وہ شخص

[1] شرح النووی: 85/6، ورتل القرآن ترتیلا، ص: 19

ماہر قرآن کے برابر کیسے ہوسکتا ہے جس نے کتاب مقدس کو حفظ کرنے، اسے پختہ، اس پر عبور حاصل کرنے اور کثرت تلاوت و روایت میں ماہر قرآن کے اہتمام کی طرح کوئی اقدام نہیں کیا تا آنکہ وہ بھی ماہر قرآن بن جائے۔"[1]

ماہر قرآن بذات خود بھی کبھی اٹک اٹک کر پڑھتا تھا اور قرآن اس پر دشوار تھا مگر اس نے محنت کی اور اس قدر ترقی کی کہ اس کو فرشتوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔[2]

یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی کیا مسلمان اسی بات پر راضی ہے کہ قرآن کریم اس پر دشوار ہو اور وہ ہمیشہ اس کی تلاوت میں مشقت اٹھائے اور اٹک اٹک کر ہی پڑھتا رہے؟

سخت ملامت اور عتاب ہے ان لوگوں پر جو قرآن کریم کی تلاوت میں اٹکتے ہیں، حالانکہ قرآن کا ان پر دشوار ہونا ان کے اپنے اختیار پر موقوف ہے کیونکہ وہ علم میں اور قراءت کی تصحیح میں ایک درجہ رکھتے ہیں یا پھر وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو بلند علمی اسناد کے حامل ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس میں کوتاہی کرنے والے ہیں۔ ان کی اس کوتاہی کا سبب دو ایسے امور ہیں کہ ان میں سے جو بہتر ہے وہ بھی برا ہے:

- یا تو انھوں نے ابتدا ہی سے کتاب اللہ کو اہمیت نہیں دی، اسے فضول سمجھا اور اس سے منہ موڑا تو ان پر تلاوت قرآن دشوار ہوگئی۔ پس ان لوگوں نے قرآن کریم کی بالکل تعلیم حاصل نہیں کی۔
- یا انھوں نے قرآن کریم کی قراءت سیکھی، پھر اس سے منہ پھیر لیا، اسے ترک کر دیا، پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی اور وہ اس کے اجر سے لاپروا ہو گئے تو اس کے بعد ان پر تلاوت قرآن دشوار ہوگئی۔ اگر انھوں نے اپنی کوتاہیوں کا تدارک نہ کیا تو وہ شدید خطرے میں ہیں۔ ان

[1] شرح النووي: 326/6
[2] التذكار في أفضل الأذكار، ص: 83

کی اس کوتاہی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اشارہ ہے:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي ٱتَّخَذُوا۟ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ مَهْجُورًا ۝﴾

''اور رسول کہیں گے: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔''[1]

مذکورہ حدیث میں اس بات کا قوی اشارہ ہے کہ مسلمان جس حالت میں بھی ہو اس کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ تلاوت قرآن عظیم سے بے رخی برتے، خواہ تلاوت کرنے میں ماہر، مضبوط اور پختہ ہو یا تلاوت میں مہارت حاصل کرنے کی قدرت میں کمزور ہو اور اپنی کمزوری کو تلاوت قرآن سے رُوگردانی کی حجت بنا لے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سخت محنت اور لگاتار مشق عنقریب اسے خوبصورت تلاوت تک پہنچا دے گی۔ بسا اوقات بعد میں یہی چیز اسے بہترین حفظ قرآن کا اعزاز دلائے گی۔ یہ بات تجربے سے ثابت شدہ ہے کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ اسے آسان فرما دے اور اسے اس کی توفیق دے، اس کے لیے یہ نہایت آسان کام ہے۔[2]

---

[1] الفرقان: 30/25

[2] أنوار القرآن، ص: 93-98

حفظِ قرآن کریم کے فضائل

قرآن کریم کا حصول دراصل اسے حفظ کرنا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾

''بلکہ یہ قرآن تو واضح آیات ہیں، ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں جنھیں علم دیا گیا۔''[1]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے صلحاء کے دلوں کو اپنے کلام کے لیے محفوظ برتن اور آیاتِ قرآن کے حفظ کے لیے ان کے سینوں کو اوراق بنا کر اس امت کو عزت بخشی ہے۔

ایک حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا:

«إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِأَبْتَلِيَكَ وَأَبْتَلِيَ بِكَ، وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَّا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ، تَقْرَؤُهُ نَائِمًا وَّيَقْظَانَ»

''بے شک میں نے تجھے اس لیے مبعوث کیا ہے تاکہ تجھے اور تیرے ذریعے سے لوگوں کو آزماؤں۔ تجھ پر میں نے ایسی کتاب نازل کی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا اور

---

[1] العنکبوت 49:29

آپ اسے سوتے اور جاگتے ہوئے پڑھیں گے۔'' [1]

اس حدیث قدسی کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن عظیم سینوں میں اس طرح محفوظ ہے کہ اس کا وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں اور وہ مرور زمانہ کے باوجود باقی رہے گا۔ [2]

اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے ان کے لیے قرآن کریم حفظ کرنا آسان بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾

''اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟'' [3]

''یعنی ہم نے قرآن کریم حفظ کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے اور جو شخص اسے حفظ کرنے کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کی اعانت کرتے ہیں، پھر کیا کوئی اسے حفظ کرنے کا طالب ہے تا کہ اس پر اس کی مدد کی جائے؟'' [4]

واقعات اور مشاہدات حفظ قرآن کے آسان ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ بلاشبہ ہر نسل اور ہر گروہ کے خوش بخت افراد نے اس قدر بہتات سے قرآن کریم حفظ کیا ہے کہ ان کی تعداد شمار کرنا ناممکن ہے۔ ان میں سے کوئی شخص بھی، خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، قرآن کریم کے کسی کلمے میں غلطی کرتا ہے نہ کسی حرف میں، حالانکہ اکثر عجمی حفاظ عربی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے۔ بسا اوقات ان میں سے بعض حفاظ زبانی طور پر قراءات سبع عشرہ پڑھتے ہیں۔ [5]

---

[1] صحيح المسلم، الجنة و نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها......، حديث :2865

[2] صحيح مسلم بشرح النووي: 17/204

[3] القمر54 :40,32,22,17

[4] تفسير القرطبي: 17/134

[5] كيف تتوجه إلى العلوم و القرآن الكريم مصدر ها ، الدكتور نور الدين عتر، ص :83-84

امام ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ نے اس امر کو قرآن کا اعجاز اوران خصائص میں سے ایک خاص وصف بتایا ہے جن کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کی دیگر کتب سے ممتاز ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''انسانوں کی تمام زبانوں پر قرآن کریم کا آسان ہونا اس کا بہت بڑا اعجاز ہے حتی کہ اسے عجمی اور گونگے افراد نے بھی حفظ کیا ہے اور حفظ قرآن کے مانند کوئی اور کتاب حفظ نہیں کی جاسکتی...... یہ صرف اور صرف الٰہی خصائص ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو دیگر کتابوں پر ابدی فضیلت عطا کی ہے۔'' [1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسے اقدامات التزاماً اختیار فرمائے جن کی بدولت قرآن کریم حفظ کرنے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی ہو، چنانچہ آپ صحابہ کرام کی اہلیت و مرتبت قرآن کریم کے حفظ کے اعتبار سے متعین فرماتے تھے۔ آپ جھنڈا اسے عطا فرماتے تھے جو قرآن کریم کے حفظ میں زیادہ ماہر ہوتا تھا۔ آپ جب کسی لشکر کو بھیجتے تو اس کا امیر اسے مقرر فرماتے جسے قرآن کریم زیادہ یاد ہوتا اور نماز میں اس شخص کو امام مقرر کرتے تھے جو قرآن کریم کا زیادہ قاری ہوتا۔ شہدائے اُحد کو اجتماعی قبروں میں اتارتے وقت اس آدمی کو اولیت دی جو قرآن کریم کا زیادہ حافظ تھا۔ بسا اوقات یوں بھی ہوا کہ آپ نے کسی آدمی کی شادی بطورِ حق مہر اس قرآن کی بدولت کردی جو اس کے حافظے میں محفوظ تھا۔ [2]

زیرِ نظر نکات کی روشنی میں ہماری گفتگو کا محور یہی حفظ قرآن ہے۔

حافظ قرآن کی عظمت ورفعت

• جب مومن جنت میں داخل ہوں گے تو اس وقت حافظ قرآن کی شان منفرد اور عجیب ہوگی کہ وہ غیر حافظ کے مقابلے میں جنت کے بلند درجات پر چڑھے گا تاکہ اس کی قدر و منزلت

---

[1] أعلام النبوة، ص: 69

[2] ورتل القرآن ترتيلا، ص: 69

بلند تر ہو جائے اور جس طرح دنیا میں اس کا درجہ دوسروں سے فائق تھا، اسی طرح آخرت میں بھی اس کا مقام و مرتبہ دوسروں سے ممتاز تر ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ وَارْتَقِ، وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَؤُهَا»

''صاحب قرآن سے (روز قیامت) کہا جائے گا، قرآن پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور اسی طرح ترتیل کے ساتھ آہستہ آہستہ تلاوت کر جیسے تو دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا۔ تیری منزل وہ ہوگی جہاں تو آخری آیت کی تلاوت کرے گا۔''[1]

یہ حدیث قرآن کریم حفظ کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور اس میں مصحف سے دیکھ کر تلاوت کرنے والے کے بجائے قرآن کریم کو زبانی یاد کرنے والے شخص کی عزت افزائی کرتے ہوئے اس کی تخصیص کی گئی ہے۔

ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مذکورہ حدیث اس شخص کے لیے خاص ہے جو قرآن کریم زبانی پڑھتا یا حفظ کرتا ہے نہ کہ اس شخص کے لیے جو مصحف سے محض اس کی تلاوت کرتا ہے کیونکہ لکھی ہوئی چیز سے قراءت کے معاملے میں لوگوں میں کوئی فرق نہیں اور نہ قلت و کثرت کے اعتبار سے ان میں کوئی تفاوت ہے۔ ان کے مابین جو فرق ہے وہ صرف اور صرف قرآن کریم کو حفظ کرنے میں ہے، لہٰذا حفظ میں ان کے تفاوت کے مطابق جنت میں ان کے مراتب میں فرق و امتیاز ہوگا۔''[2]

اس مقام و منزلت پر فائز ہونے کی چند شرائط ہیں جنھیں شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنے الفاظ میں

---

[1] سنن أبي داود، الوتر، باب كيف يستحب الترتيل في القراءة، حديث: 1464

[2] الفتاوى الحديثية، ص: 156

یوں بیان فرمایا ہے:

''اس حدیث میں حافظ قرآن کی فضیلت صاف ظاہر ہے لیکن اس کی ایک شرط ہے کہ یہ حفظ خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہو، اور درہم و دینار کے لیے نہ ہو۔ بصورت دیگر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَكْثَرُ مُنَافِقِي أُمَّتِي قُرَّاؤُهَا»

''میری امت کے اکثر منافق اس کے قراء ہیں۔''[1]

پس مخلص حافظ قرآن کے لیے کتنی سعادت ہے جب اس سے کہا جائے گا: پڑھتا جا، چڑھتا جا اور آہستہ آہستہ ترتیل کے ساتھ پڑھ، بلاشبہ تیری منزل وہ ہوگی جہاں تو آخری آیت کی تلاوت کرے گا۔ تمھارا کیا خیال ہے کہ وہ کس قدر بلندی تک جا پہنچے گا؟''

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ تلاوت قرآن ان کے لیے فرشتوں کی تسبیح کے مانند ہے۔ یہ تلاوت انھیں حصول لذات میں مشغول نہیں کرے گی، بلکہ وہ بذات خود ان کے لیے سب سے زیادہ باعث لذت ہوگی۔''[2]

حافظ قرآن دنیا و آخرت میں مقدم ہے

❁ حافظ قرآن عام لوگوں کی نسبت قیادت کا زیادہ اہل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو قرآن کریم کے ذریعے سے رفعتیں عطا فرمائیں، ان میں سے ایک آخری صغار صحابہ کرام

[1] السلسلة الصحيحة: 284/5، مسند أحمد: 175/2 مسند کے محققین نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے (213:11) اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے السلسلة الصحيحة (386/2، حديث: 750) میں ذکر کیا ہے۔

[2] عون المعبود: 4/237-238

سے تعلق رکھنے والے حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ الخزاعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ حضرت نافع بن حارث رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔[1]

حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضرت نافع بن حارث رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مقام عُسفان پر ملاقات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مکہ مکرمہ کا عامل (گورنر) مقرر فرمایا تھا، انھوں نے پوچھا: ''اہل وادی پر آپ نے کسے عامل مقرر کیا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ابن ابزیٰ کو۔'' پوچھا: ''ابن ابزیٰ کون ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک ہے۔'' فرمایا: ''تم نے لوگوں پر ایک آزاد کردہ غلام کو نائب (عامل) مقرر کر دیا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''بلاشبہ وہ کتاب اللہ کا قاری اور علم وراثت کا عالم ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا:

«إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے بہت سی قوموں کو بلند مقام پر فائز فرمائے گا اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلیل وخوار کرے گا۔''[2]

پس یہ آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک سابق غلام جس کے پاس کوئی جاہ وجلال تھا نہ مال و دولت، اس کا کوئی حسب ونسب تھا نہ معاشرے میں کوئی بڑا رتبہ، اہل دنیا کے پیمانے کے مطابق وہ دوسروں کی نسبت اجتماعی سیڑھی کے نچلے درجے پر ہوتا تھا لیکن قرآن کریم کا پیمانہ دوسرا ہے اور اس کے ہاں اس کا مقام بھی کچھ اور ہے، چنانچہ قرآن کریم نے اسے آزاد کردہ غلام کے درجے سے اٹھا کر فرماں روائی کے منصب تک پہنچا دیا۔ قرآن کے علم نے اسے یہ صلاحیت عطا کر دی کہ وہ لوگوں کو حکم دے اور ان کے مابین فیصلے کرے۔ پس

---

[1] الإصابة: 149/4، تقريب التهذيب: 472/1 و سير أعلام النبلاء: 201/3

[2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل من يقوم بالقرآن......، حديث: 817

اس کی زبان سے جاری ہونے والے کلمات نافذ ہونے لگے اور معاشرہ اس کی رائے کو کان لگا کر سننے لگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے عالم اور حافظ کے مقام و مرتبہ اور فضیلت سے اچھی طرح واقف تھے، اسی لیے انھوں نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ کے اس انتخاب کو برقرار رکھا، اس کی توثیق فرمائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد کیا:

«إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے بہت سی قوموں کو بلند مقام پر فائز کرے گا اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلیل وخوار کرے گا۔''[1]

❁ **حافظ قرآن امامت کا زیادہ اہل اور حق دار ہے:** حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ . . . »

''قوم کی امامت وہ شخص کرائے جو ان میں کتاب اللہ کا زیادہ اچھا قاری ہے......''[2]

یہ حافظ قرآن کی فضیلت کے مقامات میں سے دوسرا مقام ہے کہ وہ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہونے والے تمام لوگوں سے مقدم ہے۔

❁ **حافظ قرآن باہمی مشورے میں مقدم ہے:** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجْلِسِ عُمَرَ وَمُشَاوَرَتِهِ، كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا»

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت کے شرکاء قاری صاحبان ہوتے تھے، چاہے وہ

---

[1] أنوار القرآن، ص: 248

[2] صحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة، حديث: 673

بوڑھے ہوتے یا جوان۔“ ❶

❁ حافظ قرآن دفن میں بھی مقدم ہے: جس طرح اللہ تعالیٰ نے حافظ قرآن کی شان اور مرتبے کو دنیا میں بلند کیا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی اس کے لیے امتیازی شان بنائی ہے، چنانچہ وہ موت کے بعد بھی دوسرے لوگوں پر قابل ترجیح رہنے کا مستحق ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ مِنْ قَتْلٰى أُحُدٍ، ثُمَّ يَقُولُ: أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِّلْقُرْآنِ؟ فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلٰى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، فَقَالَ: أَنَا شَهِيدٌ عَلٰى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”رسول اللہ ﷺ غزوۂ احد کے شہیدوں میں سے ہر دو آدمیوں کو ایک قبر میں جمع کر رہے تھے اور اس موقع پر آپ فرماتے تھے: ”ان میں سے قرآن کریم کو زیادہ یاد کرنے والا کون ہے؟“ جب ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کر دیا جاتا تو آپ اسے لحد میں دوسرے سے پہلے رکھتے، پھر فرماتے: ”میں روز قیامت ان سب پر گواہ ہوں گا۔“ ❷

جب قرآن کریم کی وجہ سے شہداء کے مابین برتری اور تفاوت کے مدارج ہیں تو جیتے جاگتے زندہ لوگوں میں حافظ قرآن کی برتری اور امتیاز ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ ﴾

---

❶ صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿خذ العفو وأمر......﴾، حديث: 4642

❷ صحيح البخاري، الجنائز، باب اللحد و الشق في القبر، حديث: 1353

''لہٰذا شائقین کو اسی کا شوق کرنا چاہیے۔'' [1]

پس مسلمان کو چاہیے کہ وہ حفظ قرآن کے زبردست فضائل پر خوب غور کرے۔ یہ عمل دلجمعی سے حفظ قرآن اور کثرت تلاوت کی طرف رہبری کا باعث ہوگا۔ [2]

حافظ قرآن کے متنوع فضائل

❁ **اہل اللہ ہونا:** اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے حاملین کی اس قدر عزت افزائی فرمائی ہے کہ اس نے انھیں اہل اللہ اور برگزیدہ افراد قرار دیا ہے۔ یہ قرآن عظیم کے حفاظ کی تکریم اور ان کا عظیم شرف ہے۔ دنیا میں جس شرف کے حصول کی بھی لوگ کوشش کرتے ہیں، ان میں سے کوئی شرف بھی اس کے پاسنگ نہیں ہوسکتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ ، قَالُوا : يَارَسُولَ اللهِ! مَنْ هُمْ؟ قَالَ : هُمْ أَهْلُ الْقُرْآنِ، أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ»

''بے شک لوگوں میں سے (بعض لوگ) اہل اللہ ہیں۔'' صحابہ کرام نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''وہ اہل قرآن ہیں۔ وہی اہل اللہ اور اس کے برگزیدہ اور خواص لوگ ہیں۔'' [3]

جب مخلوق میں سے کوئی فرد دوسرے کو اپنا مصاحب خاص بناتا ہے تو وہ اسے اپنے قریب کر لیتا ہے اور اس پر اکرام، نوازشات، بخشش و عطا اور محبت کی بوچھاڑ کر دیتا ہے۔ پس اللہ

---

[1] المطففین 26:83

[2] أنوار القرآن، ص: 250

[3] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب: فضل من تعلم القرآن و علمه، حديث : 215۔ اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح ابن ماجه: 42/1، حدیث : 178)

کے بارے میں کیا گمان ہے جو وحدہ لاشریک، مالک الملک، بادشاہوں کا بادشاہ، ذوالجلال والاکرام اور فقید المثال ہے۔ ہر انسان مال و دولت، جاہ و حشمت، اعلیٰ مناصب اور شہرت رکھنے والے افراد میں سے جس کی طرف بھی مائل اور اس کا شیدائی ہو اور وہ (محبوب) اس شیدائی (محبّ) کی طرف کوئی خوبی منسوب کرے اور ہر لغت اور قاموس کھنگال کر اس کے لیے زیادہ سے زیادہ شان دار اسلوب ثنا خوانی تلاش کرے تو کیا وہ اس وصف سے زیادہ کامل کوئی وصف لا سکتا ہے جس سے حاملین کتاب اللہ کو متصف قرار دیا گیا ہے کہ وہ (اَھْلُ اللّٰہِ وَخَاصَّتُہٗ) ''اللہ والے اور خواص'' ہیں؟[1]

❁ **حافظ قرآن صاحب علم ہے:** اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے حفاظ کی ثنا خوانی یوں بھی کی ہے کہ اس نے اپنی کتاب کو حفاظ کرام کے سینوں میں واضح آیات قرار دیا ہے اور یہ بے مثل تعریف صرف حفاظ کرام ہی کے لیے خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾

''بلکہ یہ قرآن تو واضح آیات ہیں، ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں جنھیں علم دیا گیا ہے۔''[2]

پس حافظ قرآن کے فخر و شرف کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت بخشی ہے اور اسے قرآن کریم کی حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے کیونکہ قرآن عظیم کی آیات حُفّاظ کے سینوں میں محفوظ ہیں اور یہ چیز دین اور شریعت کی حفاظت کے وسائل میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر بفرض محال کوئی طاغوتی گماشتہ سطورِ قرآن کی تحریف کی ناپاک جسارت کرے، تب بھی وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ حفاظ کرام کے سینوں

---

[1] حفظ القرآن الکریم، ص: 15، أنوار القرآن، ص: 239

[2] العنکبوت 49:29

تک اس کی رسائی ناممکن ہے۔

❁ حاملین قرآن کی جہنم سے آزادی: ہر مسلمان کی سب سے بڑی طلب اور جستجو یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے اور جنت میں داخل فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے حفاظ کرام کے سینوں میں محفوظ کلام الٰہی کی عظمت کی وجہ سے ان کے پاکیزہ جسموں کو جہنم میں جلنے سے بالکل محفوظ رکھ کر اور آگ سے نجات دے کر انھیں عزت بخشی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ كَانَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ مَا أَكَلَتْهُ النَّارُ»

''اگر قرآن کریم کسی چمڑے میں محفوظ ہو تو اسے آگ نہیں کھا سکتی۔''[1]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کو کسی چمڑے میں لپیٹ دیا جائے تو اس کتاب عظیم کی ہمسائیگی اور تعلق کی برکت سے اسے آگ نہیں چھوئے گی، پھر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس مومن کا کیا حال ہوگا جس نے قرآن کریم حفظ کیا اور اس پر ثابت قدمی دکھائی۔ یہاں آگ سے مراد اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔

پس خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جس نے کتاب اللہ کو حفظ کیا، اسے اپنے سینے میں جمع کیا اور اس کے مطابق عمل کیا۔ اسے جہنم کی آگ سے نجات کی بشارت مبارک ہو۔ یہ عظیم الشان اعزاز قرآن کریم حفظ کرنے کے بے مثل فضائل میں سے ہے تو پھر کیا کوئی ہے جو کلام الٰہی کو حفظ کرنے کی ہمت دکھائے؟

[1] مسند أحمد: 155/4، حدیث: 17456 شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' قرار دیا ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر: 953/2، حدیث: 5686)

قرآن کریم پر عمل کرنے کے فضائل و برکات

قرآن کریم نازل کرنے کا سب سے عظیم مقصد یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے، اس کے احکام کی پابندی کی جائے اس کے نواہی سے اجتناب کیا جائے، اس کے پند و نصائح سے نصیحت حاصل کی جائے، اس کی حدود پر وقوف کیا جائے اور انفرادی و اجتماعی اور معاشرتی و شہری زندگی میں اسے عملی طور پر نافذ کیا جائے۔ صاحب قرآن کو اس کا پورا پورا اجر صرف اسی صورت میں دیا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھال لے، اس بابرکت ہدایت سے رہنمائی حاصل کرے اور دن رات اسی کے مطابق عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ط ﴾

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت کا حق ہے۔'' [1]

یعنی وہ اس کا اسی طرح اتباع کرتے ہیں جس طرح اس کے اتباع کا حق ہے اور اس پر عمل کرتے ہیں جس طرح اس پر عمل کرنے کا حق ہے۔ [2]

[1] البقرة: 121/2 [2] تفسير الطبری: 519/1

بلاشبہ جس مکرم ترین شخصیت نے کتاب اللہ پر عمل کیا، اپنے ظاہر و باطن میں اسے نافذ کیا اور قرآن ہی اس کا خُلق بن گیا، وہ ہمارے نبی اور ہمارے رہنما حضرت محمد ﷺ ہیں جن کے خُلق کی اللہ تعالیٰ نے اس طرح تعریف کی ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ○﴾

''اور یقیناً آپ خُلقِ عظیم پر (کاربند) ہیں۔''[1]

اس آیت کریمہ کی بہترین وضاحت اور تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر فرمائی۔ سعد بن ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا:

«يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ! أَنْبِئِينِي عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: أَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَتْ: فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ ﷺ كَانَ الْقُرْآنَ»

''اے ام المومنین! مجھے رسول اللہ ﷺ کے خُلق کے بارے میں بتائیے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''کیا تم نے قرآن کریم نہیں پڑھا؟'' میں (سعد) نے کہا: ''کیوں نہیں؟'' تو انھوں نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کا خُلق قرآن ہے۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کا مطلب ہے قرآن کریم پر عمل کرنا، اس کی حدود کے پاس قیام کرنا، اس کے آداب ملحوظ رکھنا، اس کی امثال اور واقعات سے عبرت حاصل کرنا، اس میں غور و فکر کرنا اور احسن انداز سے اس کی تلاوت کرنا۔''[3]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے مفہوم کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اس کا مفہوم

---

[1] القلم 4:68

[2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل......، حديث: 746

[3] صحيح مسلم بشرح النووي: 268/5

یہ ہے کہ رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام قرآن کریم کے اوامر ونواہی کا عملی نمونہ بن گئے تھے۔ قرآن آپ کی عادت اور آپ کا اختیار کردہ خُلق تھا۔‘‘[1]

قرآن کریم اپنے اسرار اسی شخص پر عیاں کرتا ہے اور اسی کو فائدہ پہنچاتا ہے جو اس پر عمل کرتا ہے اور اس دنیا میں اس کے دلائل و مباحث کی تحقیق کے لیے اس کے مطابق متحرک ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایسے شخص کے لیے قرآن اپنے اسرار کھولتا ہے نہ اسے فائدہ پہنچاتا ہے جو اسے صرف حصول تبرک کے لیے، فنی یا علمی تحقیق کے لیے یا صرف اسلوب بیان کی جستجو میں پڑھتا ہے۔

قاریٔ قرآن کو اپنی عملی زندگی میں قرآن کریم نافذ کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی ہدایت سے رہنمائی لینے کی مناسبت ہی سے اجر و ثواب ملے گا۔ یہ کلیہ تو ناقص انسانی قوانین پر بھی لاگو ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے اسے کیوں نہیں ملحوظ رکھا جائے گا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِۦ ۖ﴾

’’باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔‘‘[2]

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝﴾

’’اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔‘‘[3]

فرض کیجیے کسی شخص نے اپنے ملک کا قانون زبانی یاد کیا ہو لیکن وہ اس قانون کی مخالفت

---

[1] تفسير ابن كثير: 164/8

[2] حٰم السجدة 42:41 [3] النساء4:82

کرے یا اس کی پابندی نہ کرے اور اسے نافذ کرنے کی پروانہ کرے تو کیا وہ قانون اسے کوئی فائدہ پہنچائے گا یا ایسے شخص کا یہ رویہ قابلِ قبول ہوگا؟

یا ایک طبیب ہے جس نے طبی اُصولوں کا علم حاصل کیا، اُنھیں سمجھا اور خوب ازبر کیا، پھر وہ ان اصولوں سے ہٹ کر مریضوں کا علاج کرنے لگا تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟

جب یہ باتیں دنیا کے وضعی قوانین میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کی تلاوت کرنا، سننا اور اس کا مفصل مطالعہ ذریعۂ عبادت ہے؟ یہ عبادت اور اس پر مرتب ہونے والا اجر اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک اس کے ساتھ ساتھ تعلیمات قرآنی پر عمل کا التزام نہ کیا جائے۔ مسلمان کا سورۂ نور مکمل طور پر حفظ کرنا اور اسے زانی اور تہمت لگانے والے کی سزا کا علم ہونا اس کے لیے ہرگز مفید نہیں ہوسکتا اگر وہ (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) ان کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا رہے۔ ایسی صورت میں کیا اس کا قرآن کریم حفظ کرنا اسے عبرتناک سزا سے بچا سکتا ہے؟[1]

اب ہم اپنے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ سابقہ گفتگو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم سیکھنے، اسے حفظ کرنے اور اس میں غور وفکر کرنے کا اولین مقصد اس پر عمل کرنا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا إِذَا تَعَلَّمَ عَشْرَ آيَاتٍ لَّمْ يُجَاوِزْهُنَّ حَتَّى يَعْرِفَ مَعَانِيَهِنَّ، وَالْعَمَلَ بِهِنَّ»

''جب ہم میں سے کوئی آدمی دس آیات سیکھ لیتا تھا تو اس وقت تک اس سے آگے نہیں بڑھتا تھا جب تک کہ اس کے معانی نہ جان لیتا اور ان کے مطابق عمل

[1] أنوار القرآن، ص: 211

نہ کر لیتا۔''[1]

قرآن کریم پر عمل کرنے والے کے فضائل ومناقب

بلاشبہ قرآن عظیم کا عامل جس فقید المثال جزا کا منتظر ہے، وہ جنت ہے۔ جنت کے کئی درجات ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ﴾

''اور ہر ایک کے لیے ان اعمال کی وجہ سے درجے ہیں جو انھوں نے کیے۔''[2]

یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا نافرمانی کرنے والے کے لیے اس کے عمل کے مطابق منازل و مراتب ہیں۔ اللہ تعالیٰ صاحب عمل کو ٹھیک اس کے عمل کے مطابق ہی اس کے انجام و مقام تک پہنچائے گا۔ اگر اعمال اچھے ہیں تو اچھائی کے درجے ملیں گے، برے ہیں تو برے درجے ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ بندے کو ہمیشہ اعمال کے مطابق ہی نتائج و عواقب پیش آتے ہیں۔[3]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم پر عمل کرنے والے شخص سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾

''جس نے نیک عمل کیے، مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ہم انھیں ضرور ان کا اجر و ثواب (بدلہ) اس سے بہتر دیں

---

[1] مقدمة تفسير ابن كثير: 36/1 تفسیر ابن کثیر کے محققین نے اس روایت کی سند کو ''جید'' قرار دیا ہے۔

[2] الأنعام 132:6 [3] تفسير ابن كثير: 383/3

گے جو وہ عمل کرتے تھے۔''[1]

قرآن عظیم پر عمل کرنے کے بہت سے متنوع فضائل ہیں۔ ان میں سے بعض فضائل دنیا میں اور بعض آخرت میں حاصل ہوں گے۔ بعض فضائل درج ذیل ہیں:

① دنیا و آخرت میں ہدایت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾

''لہٰذا آپ میرے (ان) بندوں کو بشارت دے دیں جو غور سے بات سنتے ہیں، اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، وہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی، اور وہی لوگ عقل والے ہیں۔''[2]

یہ اللہ عزوجل کا اپنے نبی کریم محمد ﷺ کے ساتھ تکریم کا معاملہ ہے کہ ارشاد ہوتا ہے آپ ان لوگوں کو خوش خبری دے دیں جو قرآن کریم کو غور سے سنتے ہیں، اور قرآن کریم کی سماعت انھیں اس پر عمل کرنے اور اسے عملی زندگی میں نافذ کرنے کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمْ﴾ ''وہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی'' کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب اللہ پر عمل کرنے کی گراں قدر خوبی سے وہی لوگ متصف ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے دین حق اور امور خیر کی ہدایت دی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انھیں بہترین اعمال اور اخلاق کی ہدایت دی ہے اور ان کو اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ دنیا میں گمراہ ہوں گے نہ آخرت میں بدبخت ٹھہریں گے۔

② دنیا و آخرت میں باعث رحمت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ لا﴾

---

[1] النحل 16:97 [2] الزمر 39:17-18

''اور یہ (قرآن ایک عظیم) کتاب ہے، ہم نے اسے نازل کیا ہے، (یہ) برکت والی ہے، پس تم اس کی پیروی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''[1]

یہ آیت کریمہ اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کا آسان، مختصر ترین اور واضح راستہ علم و عمل کے ذریعے سے کتاب اللہ کا اتباع ہے۔

بلاشبہ اس کتاب کی عظمت، اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونا اور اس میں جو بھی دینی اور دنیاوی منافع ہیں، وہ سب کچھ قرآن کریم کے اتباع اور اس پر عمل کرنے پر موقوف ہے۔[2]

''اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ ''تا کہ تم پر رحم کیا جائے'' میں قرآن مجید کا اتباع کرنے پر اللہ کے دامنِ رحمت میں پناہ ملنے کا وعدہ ہے، بصورت دیگر قرآن کا اتباع نہ کرنے پر دنیا و آخرت میں عذاب کی وعید کی طرف اشارہ ہے۔''[3]

اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کی امید رکھتے ہوئے اس مبارک کتاب کے احکام کے مطابق عمل کریں۔

③ دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

''چنانچہ جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔''[4]

---

[1] الأنعام 155:6

[2] تفسير أبي السعود: 201/3

[3] التحرير و التنوير: 133/7

[4] الأعراف 157:7

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ وہ جہالت کے اندھیروں کو مٹا دیتا ہے۔ اس کی روشنی سے حق ظاہر ہوتا ہے اور وہ باطل کے مقابلے میں ممتاز ہو جاتا ہے۔ اس کے ذریعے سے ہدایت اور گمراہی اور بھلائی اور برائی کے مابین تمیز کی جاتی ہے۔ قرآن کریم کی ہدایت کی پیروی کرنے والے کے حال کو رات کے وقت چلنے والے شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جب وہ روشنی دیکھتا ہے تو اس کی پیروی کرتا ہے کیونکہ اسے اس بات کا یقینی علم ہوتا ہے کہ وہ اس روشنی کے ذریعے خوف، خدشات اور سفر کے مصائب سے محفوظ رہ کر کوئی نہ کوئی جائے نجات ضرور پا لے گا۔

پس ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ قرآن عظیم کے نور سے روشنی حاصل کرے، اس کے عقائد کے مطابق اعتقاد رکھے، اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانے، اس کے احکام بجا لائے، اس کی منع کردہ باتوں سے اجتناب کرے اور اس کے واقعات اور مثالوں سے عبرت لے۔ اس ساری گفتگو کے بعد کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ قرآن کریم کے نور ہدایت سے محروم رہے اور بصیرت حاصل نہ کرے۔[1]

جس شخص نے اس نور کو قبول کر لیا، اس کا اتباع کیا اور اس میں جو کچھ ہے اس کے مطابق عمل کیا، وہی کامیاب اور دنیا و آخرت میں اپنے مطلوب کو پانے والا ہے۔ ایسا خوش قسمت فرد ہی دین و دنیا کی بھلائیاں حاصل کرے گا اور ان کے شرور سے نجات پا جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں فلاح پانے والے لوگوں میں شامل فرما دے۔

④ گناہوں کا کفارہ اور حال کی اصلاح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ○ ﴾

[1] أضواء البيان: 80/7، التحرير و التنوير: 319/8

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان لائے، جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا، اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔'' [1]

صحیح ایمان، قرآن کریم کے کامل اتباع اور اس پر عمل کرنے کا ثمرہ اور نتیجہ دو عظیم چیزیں ہیں: ❁ گناہوں کا کفارہ ❁ اصلاح حال۔

❁ گناہوں کا کفارہ: ﴿ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ﴾ ''اللہ ان سے ان کی برائیاں دور کر دے گا'' چاہے وہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔ جب ان سے ان کی برائیوں کو دور کر دیا جائے گا تو وہ دنیا و آخرت کے عذاب سے نجات پا جائیں گے۔'' [2]

''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے ان کے کفر اور معاصی کو چھپا دے گا کیونکہ انھوں نے ان برائیوں سے رجوع کر لیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لی ہے۔'' [3]

❁ اصلاح حال کی تشریح: ﴿ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴾ ''یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے اولیاء کے حال کی اصلاح کر دی اور آخرت میں وہ انھیں ہمیشہ رہنے والی نعمتوں اور اپنی جنتوں میں دائمی رہائش کا اعزاز عطا کرے گا۔'' [4]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دین و دنیا، ان کے دلوں اور اعمال کی اصلاح کر دی۔ اس نے انھیں تزکیے اور نیکی میں آگے بڑھا کر ان کے لیے بھرپور بدلے اور ثواب کا اہتمام کر دیا اور ان کے تمام احوال درست کر دیے۔ [5]

---

[1] محمد 2:47

[2] تفسیر السعدی: 784/1 [3] الکشاف: 319/4

[4] تفسیر الطبری: 39/26 [5] تفسیر السعدی: 784/1

اس میں کوئی شک نہیں کہ اصلاح احوال سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑا احسان ہے جو قدر و منزلت، قیمت اور اثر میں ایمان کی نعمت سے متصل ہے۔ اس میں نیکی کرنے والوں کے لیے اطمینان قلبی، سکون، راحت اور جلد یا بدیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی سے بھاری ثواب ملنے کی بشارت ہے۔

جب احوال کی اصلاح ہو جائے تو کردار سیدھا، قدم ثابت اور دل مطمئن ہو جاتا ہے، بندے پر سکینت نازل ہوتی ہے، دل راضی ہو جاتا ہے اور وہ امن اور ایمان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی اور نعمت اور سامان راحت ہے؟ [1]

اس بابرکت جزا کا براہ راست سبب یہ ہے:

﴿اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ط﴾

''انھوں نے اپنے رب کی طرف سے حق کی پیروی کی۔'' [2]

یعنی انھوں نے اس قرآن عظیم پر عمل کیا جو ان کے اس رب کی طرف سے نازل ہوا جس نے نعمتوں کے ساتھ ان کی تربیت کی اور اپنے لطف و کرم اور انتہائی باریک بینی سے ان کی فلاح کی تدبیر کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ ان کی تربیت کی تو انھوں نے اس کا اتباع کیا۔ یوں ان کے معاملات صحیح ہو گئے۔

یہ قرآن عظیم کی تعلیمات پر عمل کرنے کے بعض فضائل ہیں اور یہ دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اپنی کتاب پر احسن انداز سے عمل کرنے کی توفیق دے اور اس پر ہمیں بہترین جزا عطا فرمائے۔ بے شک وہ سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

---

[1] في ظلال القرآن: 3281/6

[2] محمد 3:47

باب 6

مسلمانوں پر قرآن کریم کے حقوق

قرآن کریم پر ایمان لانا

قرآن کریم کا پہلا حق یہ ہے کہ اس پر، اس میں نازل شدہ ہر امر پر اور اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کے رسول ﷺ پر نازل کیا گیا، نیز اس کے محفوظ ہونے پر ایمان لایا جائے۔ یہ کتاب اللہ کے حقوق کے قیام کے لیے اساس اور اولین نشان راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ، اس کے رسول اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے نازل کی۔''[1]

طبیب یا ڈاکٹر کے ہاتھوں صحت یابی کے امیدوار مریض سے سب سے پہلے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ طبیب یا ڈاکٹر پر اعتماد رکھے اور اس کی اعلیٰ مہارت، تعلیم اور اس کے فوائد پر پختہ یقین رکھے تاکہ مریض اس کی ہدایات پر عمل کرنے کے قابل ہو سکے۔ اگر یہ اعتقاد اٹھ جائے

---

[1] النساء 136:4

تو علاج ہرگز اپنے نتائج ظاہر نہیں کرے گا۔

یہی معاملہ مومن کا ہے۔ قرآن کریم کے قاری سے جس بات کا سب سے پہلے مطالبہ کیا جاتا ہے وہ قرآن پر ایمان لانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾

''اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔'' [1]

نیز فرمایا:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴾

''رسول اللہ (ﷺ) اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور سارے مومن بھی۔'' [2]

بلاشبہ ایمان وہ چیز ہے جو دل میں بیٹھ جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے، اسی لیے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہمیں حکم دیتا ہے:

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا ﴾

''تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر (ایمان لائے) جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔'' [3]

یقیناً ایمان وہ چیز ہے جو دل میں بیٹھ جائے اور زبان اسے بول کر بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت

---

[1] البقرة 4:2 [2] البقرة 285:2 [3] البقرة 136:2

کا حق ہے، وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔''[1]

یہی وہ چیز ہے جس کی عمل نے تصدیق کی۔ پس جو شخص اس کے حق کے مطابق اس پر ایمان لائے وہی اس کی تلاوت اس طرح کرتا ہے جس طرح اس کی تلاوت کا حق ہے۔''[2]

پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن کریم پر اپنا ایمان ثابت کرنے اور اس عالی مرتبہ کتاب کی نصیحتوں پر عمل درآمد کے لیے اس کی توقیر، تعظیم اور احترام کا پورا پورا اہتمام کریں۔[3]

---

[1] البقرۃ 2:121

[2] یعلمھم الکتاب التعامل مع القرآن الکریم، محمد خیر الشعال، ص:27-28

[3] نواقض الإیمان القولیة والعملیة، الدکتور عبدالعزیز بن محمد عبداللطیف، ص:392-393

قرآن کریم کی حفاظت کا اہتمام کرنا

اس کتاب عظیم کا بنیادی حق اس کی حفاظت کرنا، اس پر توجہ دینا، اس کی تعظیم اور اس کا اہتمام کرنا ہے، اسی لیے نبی اکرم ﷺ کی جانب سے اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«سَأَلْتُ عَبْدَاللهِ بْنَ أَبِي أَوفٰى: أَوْصَى النَّبِيُّ ﷺ؟ فَقَالَ: لَا، فَقُلْتُ: كُتِبَ عَلَى النَّاسِ الْوَصِيَّةُ، أُمِرُوا بِهَا وَلَمْ يُوصِ؟ قَالَ: أَوْصٰى بِكِتَابِ اللهِ»

''میں نے حضرت عبداللہ بن ابو اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی اکرم ﷺ نے کوئی وصیت کی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں! میں نے کہا: ''لوگوں پر وصیت فرض کی گئی ہے، انھیں اس کا حکم دیا گیا ہے اور آپ نے وصیت نہیں فرمائی''؟ انھوں نے جواب دیا: ''آپ نے کتاب اللہ کی وصیت فرمائی تھی۔'' [1]

حضرت عبداللہ بن ابو اوفی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی طرف سے مال و دولت اور امارت و خلافت

[1] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب الوصاة بکتاب اللہ عزوجل، حدیث: 5022

کے بارے میں وصیت کی نفی کی اور کتاب اللہ کے بارے میں وصیت کا اثبات کیا ہے۔ کتاب اللہ کی وصیت سے مراد یہ ہے کہ آپ نے کتاب اللہ میں جو کچھ ہے اس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

شاید نبی اکرم ﷺ نے کتاب اللہ ہی کی وصیت کرنے پر اس لیے اکتفا کیا کہ وہ سب سے عظیم اور اہم ترین چیز ہے۔ مزید برآں اس میں ہر چیز کی وضاحت بطور نص یا بطور استنباط موجود ہے۔[1]

کتاب اللہ کی وصیت کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے الفاظ و معانی حفظ کیے جائیں، اس کا اکرام کیا جائے، اس کی حفاظت کی جائے، اس کے ساتھ دشمن کی سرزمین کا سفر نہ کیا جائے، اس کے مندرجات کا اتباع کیا جائے، اس کے احکام پر عمل اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کیا جائے، اس کی تلاوت اور تعلیم و تعلم پر مداومت اختیار کی جائے وغیرہ وغیرہ۔[2]

اس بنا پر کتاب اللہ کی حفاظت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ صرف قرآنی اوراق کو خزانوں میں محفوظ کر دیا جائے، کارنس پر سجا دیا جائے یا اسے سونے کا تعویز بنا کر سینوں پر لٹکا لیا جائے، یا دیواروں پر اس کی آیات آویزاں کر دی جائیں، بلکہ اس کی حفاظت کا مقصد ان مظاہر سے بہت بعید ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے سینوں میں اور اس کے الفاظ کو ان کی نازل کردہ شکل کے مطابق سطور میں محفوظ کیا جائے، نیز افراط و تفریط، بدعت، استہزا اور تمسخر سے دور رہتے ہوئے اس کے معنی مقصود کا صحیح ادراک کیا جائے۔

کتاب اللہ کا ادب و احترام صرف اسے چومنے اور اسے اونچی جگہ پر رکھنے تک موقوف

---

[1] فتح الباری: 443/5

[2] أیضاً: 85/9

نہیں بلکہ اس کا احترام اس کی تلاوت کے وقت خشوع پیدا ہونے، اسے غور سے کان لگا کر سننے، اس میں موجود احکام نافذ اور ان پر عمل درآمد کرنے، اس کی دھمکیوں اور تنبیہات سے نصیحت حاصل کرنے اور اس کے منع کردہ امور سے باز آنے تک وسعت رکھتا ہے۔[1]

[1] دعوة إلى تدبر القرآن الكريم، مختار شاكر كمال، ص:33-34

قرآن کریم کی تلاوت کرنا

متعدد آیات کریمہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے بارے میں حکم الٰہی صادر ہوا ہے۔ ان میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان یہ ہے:

﴿وَاتْلُ مَآ أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝﴾

''اور آپ اس کی تلاوت کیجیے جو کچھ آپ کے رب کی کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور آپ اس کے سوا کوئی جائے پناہ ہرگز نہیں پائیں گے۔''[1]

اگرچہ اس آیت کریمہ میں ظاہری طور پر خطاب رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے لیکن بعینہ آپ کے پیروکاروں کے لیے بھی یہی حکم ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ﴾

''چنانچہ اس (قرآن) میں سے جتنا آسان ہو پڑھو۔''[2]

---

[1] الکھف 27:18 [2] المزمل 20:73

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حالت مرض، حالت صحت و عافیت، حالت مصروفیت اور طلب معاش و رزق کی جستجو کے دوران میں اس قدر قرآن پڑھنا فرض قرار دیا ہے جتنا آسان ہو، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حالت فراغت میں قرآن کریم پڑھنا بدرجہ اولیٰ فرض قرار نہ پائے، اسی طرح اللہ کے راستے میں جہاد کی حالت میں حتی المقدور تلاوت قرآن کرنا واجب قرار دیا گیا ہے، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ امن و سلامتی اور اطمینان کی حالت میں اس کا حکم نہ دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ﴾

''اسے علم ہے کہ تم میں سے کتنے بیمار ہوں گے اور کتنے اور زمین میں اللہ کا فضل ڈھونڈتے پھریں گے، اور کتنے اور اللہ کی راہ میں لڑیں گے، چنانچہ اس قرآن میں سے جتنا آسان ہو پڑھو۔'' [1]

---

[1] المزمل 20:73

قرآن کریم کی آیات پر غور وفکر کرنا

ایسی تلاوت قرآن کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ اسے اس طرح متعدد مرتبہ پڑھا جائے کہ پڑھنے والے کو اس بات کا ادراک ہی نہ ہو کہ وہ کیا پڑھے جا رہا ہے۔ آہستہ آہستہ ترتیل کے ساتھ اور غور وفکر کرتے ہوئے تھوڑی سی تلاوت کرنا تیزی سے زیادہ تلاوت کرنے سے افضل ہے کیونکہ تلاوت قرآن سے مقصود اسے سمجھنا، اس میں غور کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

قراءت میں جلدی کرنا معنی ومفہوم سے پوری آگہی نہ ہونے کی نشانی ہے جبکہ آہستہ آہستہ قراءت کرنا قرآن کریم پر غور وفکر کے سلسلے میں ایک اہم قدم ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے استفہامی انداز میں اس شخص کی مذمت کی ہے جس کی عقل اور دل قرآن کریم میں پائی جانے والی حکمتوں، اسرار اور قوانین وشریعت کے بارے میں فہم حاصل کرنے کے لیے نہیں کھلتے اور وہ اسے سمجھنے سے قاصر رہتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝﴾

''کیا پھر وہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟''[1]

---

[1] محمد 47:24، دعوة إلىٰ تدبر القرآن الكريم، ص: 41

جو شخص بلا سوچے سمجھے قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، وہ ریڈیو کی طرح ہے جو قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے اور جن آیات کو وہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھ رہا ہوتا ہے انھیں سمجھتا نہیں۔ یہ بات قرآن کریم کے مقصد کے خلاف ہے۔ متعدد آیات اس بات کا اشارہ کرتی ہیں کہ قرآن کریم اس لیے تلاوت کیا جاتا ہے کہ ہم اس میں غور وفکر کریں، اسے سمجھیں، عقل سے پرکھیں اور بصیرت حاصل کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾

''اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾

''اسی طرح ہم اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''[2]

مزید فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾

''بے شک ہم نے اسے عربی قرآن نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔''[3]

جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جس کے کان تو سنتے ہیں لیکن عقل نہیں سنتی، یا اس کی آنکھیں تو دیکھتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں دیکھتا، یا اس کی زبان تو کلام کرتی ہے لیکن اس کی سوچ اس کلام کی تہ تک نہیں پہنچتی تو وہ شخص بہرا، گونگا اور اندھا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾

[1] البقرۃ 2:242 [2] یونس 10:24 [3] یوسف 12:2

''اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں، پھر کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں؟'' [1]

اس آیت کریمہ میں اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ قرآن کریم کی محض تلاوت کرنا یا اسے سننا اصل مقصود نہیں بلکہ یہ تو مقصد تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہیں۔ یقیناً مشرکین قرآن کریم کو بڑے غور کے ساتھ کان لگا کر سننے کے بعد واپس چلے جاتے تھے اور اللہ کا کلام ان کے جمے ہوئے ساکن عقائد میں کوئی تحریک پیدا نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح آج کل بعض مسلمان کرتے ہیں۔ وہ روزانہ ریڈیو پر قرآن کریم کی تلاوت بڑے غور سے کان لگا کر سنتے ہیں، پھر اپنے اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتے ہیں اور قرآن کریم ان کے جامد نظریات اور افعال میں کوئی تغیر اور تحریک نہیں پیدا کرتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ڈنڈی مارنے والا ڈنڈی مارنے والا ہی رہتا ہے اور جھوٹا شخص جھوٹا ہی رہتا ہے۔ سود خور اپنی سود خوریاں مسلسل جاری رکھتا ہے اور فاسق اپنے فسق و فجور میں پیہم مبتلا رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن کریم کی تلاوت سننا محض ایک رسمی عادت بن گئی ہے۔ بعض مشرکین غور سے قرآن کریم سنتے تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی ہے کیونکہ وہ عقل رکھتے تھے نہ بصیرت اور نہ وہ اپنی مذموم خواہشات اور خطاؤں کو تبدیل کرتے تھے۔'' [2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾

''اور جلد ہی میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں (کی نگاہوں) کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔'' [3]

---

[1] یونس 43:10

[2] یعلمهم الكتاب التعامل مع القرآن، ص: 20-21

[3] الأعراف 146:7

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں: ''میں ان سے قرآن کریم کا فہم چھین لوں گا۔'' [1]

---

[1] الإتقان فی علوم القرآن:2/480

قرآن کریم پر عمل کرنا

قرآن عظیم پر عمل کرنا اس کے حقوق ادا کرنے کی معراج ہے۔ عمل کرنا ہی کتاب عزیز کے نزول کی غایت اور مقصد ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝﴾

''اور یہ (قرآن ایک عظیم) کتاب ہے۔ ہم نے اسے نازل کیا ہے۔ (یہ) برکت والی ہے، پس تم اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''[1]

❁ **یہودیوں کی مشابہت سے خوف دلانا:** بلاشبہ یہودیوں کی سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ انھوں نے تورات کو محض پڑھنے اور سننے پر اکتفا کیا لیکن اس پر عمل نہیں کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں گدھوں سے تشبیہ دی اور فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

''ان لوگوں کی مثال، جنھیں حامل تورات بنایا گیا، پھر وہ اسے نہ اٹھا پائے، اس

[1] الأنعام 155:6

گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے۔ بری مثال ہے اس قوم کی جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔'' [1]

ان یہود کو تورات اُٹھانے کے لیے دی گئی، یعنی اُنھوں نے اسے جان لیا اور وہ اس پر عمل کے مکلّف ٹھہرائے گئے، پھر اُنھوں نے اس پر عمل کیا نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھایا۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے اور انھیں اٹھاتے اٹھاتے تھک جاتا ہے مگر ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کرتا۔ [2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ مثال اگرچہ یہودیوں کے لیے بیان کی گئی ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے یہ ہر اس شخص پر صادق آتی ہے جسے حامل قرآن بنایا گیا مگر اس نے اس پر عمل ترک کر دیا۔'' [3]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَخَصَ بِبَصَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ قَالَ: هٰذَا أَوَانٌ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ» فَقَالَ زِيَادُ بْنُ لَبِيدِ الْأَنْصَارِيُّ: كَيْفَ يُخْتَلَسُ مِنَّا، وَقَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ؟ وَاللهِ! لَنَقْرَأَنَّهُ، وَلَنُقْرِئَنَّهُ نِسَاءَنَا وَأَبْنَاءَنَا؟ قَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَازِيَادُ، إِنْ كُنْتُ لَأَعُدُّكَ مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ: هٰذِهِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ عِنْدَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى فَمَاذَا تُغْنِي عَنْهُمْ؟»

''ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ نے آسمان کی جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھا، پھر فرمایا: ''وہ وقت بھی آئے گا جب لوگوں سے علم اچک لیا جائے گا حتی کہ وہ تھوڑے

---

[1] الجمعة 5:62

[2] روح المعاني: 95/28، تفسير البيضاوي: 338/5

[3] الأمثال في القرآن الكريم، ص: 27

سے علم پر بھی قادر نہیں ہوں گے۔'' حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہم سے علم کیسے اچک لیا جائے گا جبکہ ہم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟ اللہ کی قسم! ہم اسے ضرور پڑھتے رہیں گے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی قرآن کریم پڑھاتے رہیں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے زیاد! تیری ماں تجھے گم پائے! بے شک میں تو تجھے اہل مدینہ کے فقہا میں شمار کرتا تھا۔ یہ جو تورات و انجیل یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس ہیں، یہ انھیں کیا فائدہ پہنچاتی ہیں؟''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو قرآن کریم کی قراءت اور فہم کے بعد اس پر عمل کی دعوت دیتے تھے۔ آپ نے صرف قراءت پر اکتفا کرنے کی دعوت کبھی نہیں دی کہ مسلمان بھی قرآن کریم کی اسی طرح محض تلاوت کرتے رہیں جس طرح بنی اسرائیل تورات پڑھتے رہتے تھے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ ﴾

''اور ان میں سے کچھ ان پڑھ ہیں، وہ کتاب کو نہیں جانتے، سوائے جھوٹی آرزوؤں کے، اور وہ بس گمان ہی کرتے ہیں۔''[2]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''(أَمَانِيَّ) أُمْنِيَّةٌ کی جمع ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ صرف تلاوت ہی جانتے ہیں۔''[3]

آج کل اکثریت ان مسلمانوں کی ہے جو قرآن کریم کی صرف تلاوت ہی جانتے ہیں، بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس گروہ کے افعال سے ڈرایا تھا جو ان کے بعد آئے

[1] جامع الترمذی، العلم، باب ماجاء فی ذھاب العلم، حدیث: 2653۔ اس حدیث کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح سنن الترمذی: 2/337، حدیث: 2136)

[2] البقرۃ 2:78

[3] الجامع لأحکام القرآن: 2/6

گا۔ وہ لوگ قرآن کریم کی قراءت کریں گے جبکہ یہ قراءت ان کے گلے سے آگے نہیں بڑھے گی بلکہ بلا عمل آوازوں کے دائرے ہی میں رہے گی۔ رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے:

«يَخْرُجُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ ۔ قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَّعَ صَلَاتِهِمْ، يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوقَهُمْ، أَوْ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ»

''اس امت میں ایک ایسی قوم ظاہر ہوگی جن کی نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن کریم کی قراءت کریں گے تو قرآن ان کے حلق سے نہیں اُترے گا (یا فرمایا) ان کے گلے سے نہیں اُترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر اپنے نشانے کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل جاتا ہے۔''[1]

[1] صحیح البخاری، استتابة المرتدین ......، باب قتل الخوارج والملحدین......، حدیث :6931

قرآن کریم کے آداب

تلاوت قرآن کے آداب دو طرح کے ہیں: ❁ قلبی آداب ❁ ظاہری آداب

قلبی آداب

① کلام کی حقیقت اور اصل کی معرفت: اس سے مراد یہ ہے کہ پڑھے جانے والے کلام کی عظمت، بلند مقام اور اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق پر فضل و کرم کے بارے میں تنبیہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زبردست شرف والے کلام عظیم کے ذریعے سے مخاطب کیا ہے اور ان پر اپنی رحمت کرتے ہوئے اس کلام کے سمجھنے میں آسانی کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔

② قرآن نازل کرنے والے کی تعظیم: یہ اس لیے لازم ہے کہ جس قرآن کی آدمی قراءت کر رہا ہے وہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ خاص طور پر جب آدمی اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اسماء و افعال پر غور و فکر کرتا ہے تو اس کی عظمت و برگزیدگی واضح ہوتی ہے۔

③ تلاوت قرآن کے وقت دل کا متوجہ ہونا: دل کی حضوری کے باعث کلام اللہ کی تعظیم کرنے والا تلاوت سے خوشی محسوس کرتا ہے، اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس سے غافل نہیں ہوتا۔

④ پڑھے اور سنے جانے والے کلام پر غور وفکر کرنا: ایسی عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں سوجھ بوجھ سے کام نہ لیا جائے۔ پس آدمی کوشش کرے کہ قرآن کے تمام مطالب ومفاہیم کو سمجھے کیونکہ وہ اللہ رب العالمین کے احکام ہیں۔

⑤ ہر آیت کے مطابق دل کا متاثر ہونا: قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے معانی اور اس کے افعال پر غور وفکر کرے تاکہ وہ فعل کی عظمت سے فاعل کی بڑائی اور برگزیدگی پر استدلال کر سکے۔ انبیاء کے احوال سے تسکین حاصل کرے اور ان کے نقش قدم پر چلے اور سوچے کہ وہ کیسے جھٹلائے گئے، مارے گئے اور ان میں سے بعض قتل کر دیے گئے لیکن ان کے اس ابتلا نے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں مچھر کے پر برابر بھی کوئی کمی کی نہ اضافہ کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پروا ہے۔ اسے متقیوں کا تقویٰ کوئی فائدہ پہنچاتا ہے نہ کافروں کی بدکاریاں کوئی نقصان پہنچاتی ہیں، مزید برآں اسے جھٹلانے والوں کے احوال سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ اگر وہ غافل ہو گیا اور اس سے کوئی بے ادبی سرزد ہو گئی تو عین ممکن ہے کہ اسے کوئی سزا آ پکڑے۔

⑥ یہ سمجھنا کہ قرآن کریم کے ہر ارشاد کا روئے سخن میری طرف ہے: تلاوت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس طرح قرآن کریم کی قراءت کرے جس طرح غلام اس کتاب کو پڑھتا ہے جسے اس کے آقا نے اسی کے مطالعے کے لیے مخصوص کر دیا ہو اور اس میں اس نے بعض احکام صادر کیے ہوں اور بعض امور سے منع کیا ہو۔ اس کی توثیق ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''اگر تو قرآن کریم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے سماع کے وقت اپنے دل کو اسی کی طرف مرکوز کر دے، اپنے کان اسی طرف لگا دے اور اس پاک ذات کو اپنے پاس موجود سمجھ جس سے تو مخاطب ہوتا ہے اور جس سے

بذریعہ قرآن کریم کلام کرتا ہے، بلاشبہ یہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جاری ہونے والا، اللہ کی طرف سے تیرے لیے خطاب ہے۔''[1]

دور حاضر کے مسلمانوں کی اپنے اسلام، اپنے قرآن اور اپنے رب کے ساتھ تعلق کی جو حالت ہے اسے دیکھ کر نہایت افسوس ہوتا ہے۔ یقیناً ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ قرآن کریم کے احکام اور نصیحت بنیادی طور پر اسی کے لیے ہیں۔ اس کے برعکس وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ تو فلاں شخص کے لیے خطاب ہے۔ وہ اپنے آپ کو مسؤلیت اور جواب دہی سے بعید قرار دیتا ہے اور اپنے واجبات دوسروں کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے، اس لیے وہ قرآن کریم سے متاثر ہوتا ہے نہ اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل شروع کر دے۔[2]

⑦ جس آیت کی تلاوت کی جائے اس کا اثر قبول کیا جائے: آدمی کو چاہیے کہ وہ وعید اور جہنم کے تذکرے کے وقت خوف سے لرز جائے، جنت کے وعدے اور اس کے تذکرے سے مسرت محسوس کرے، اللہ تعالیٰ، اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کے تذکرے پر انکسار سے اپنا سر جھکا دے اور کفار کی باتوں کی قباحت اور اپنے دعووں میں ان کی بے ادبیوں پر شرمسار ہوتے ہوئے اپنی آواز پست رکھے اور اپنے باطن میں انکسار اور عاجزی پیدا کرے۔

⑧ مانع فہم امور سے اجتناب کیا جائے: جو باتیں قاری کی سمجھ میں نہ آنے والی ہوں وہ ان سے احتراز کرے اور اپنی ساری توجہ حروف کی تجوید پر مرکوز رکھے۔

مانع فہم امور سے علیحدہ ہونے کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ گناہوں سے فوراً توبہ کی

---

[1] الفوائد، ص: 3

[2] مفاتيح للتعامل مع كتاب الله، ص: 132-133

جائے۔ ترک گناہ کی پہلی منزل دل کی بیماریاں ہیں، انھیں ختم کیا جائے تاکہ دل مستعد ہو جائے اور اللہ کا کلام قبول کرنے کے قابل ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ذکر اور قرآن کریم کی تلاوت سے مطمئن ہونے والا دل ان چیزوں کی ضد، مثلاً لہو ولعب اور موسیقی وغیرہ کو چھوڑ دیتا ہے، اسی طرح اس کے برعکس ہو تو نتیجہ بھی برعکس نکلتا ہے۔ وہ دل جسے موسیقی اور لہو ولعب کا جام پلایا گیا ہو، وہ اللہ کے ذکر اور قرآن کی تلاوت سے کھلتا ہے نہ ان سے مستفید ہوتا ہے۔

⑨ اپنی طاقت اور قدرت سے اظہار براءت: اللہ تعالیٰ جو نہایت برگزیدہ، عالی اور عظیم ہے، اس کی بخشی ہوئی توفیق اور طاقت ہی سے آدمی نیکی کا کام کر سکتا ہے یا کسی برائی سے بچ سکتا ہے، لہٰذا آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے بارے میں ہرگز کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو اور خود کو متقی اور پرہیزگار نہ سمجھنے لگے۔[1]

ظاہری آداب

تلاوت قرآن کے آداب ظاہری درج ذیل ہیں:

طہارت کرنا، خوشبو لگانا، جگہ کی صفائی، پاک صاف اور اچھے کپڑے پہننا، مسواک سے منہ کی صفائی کرنا، قبلہ رخ ہونا، سکون اور وقار کے ساتھ بیٹھنا، مصحف کی ترتیب کے مطابق تلاوت کرنا، اللہ کے خوف کی کیفیت میں رونے کی کوشش کرنا۔ اگر اسے رونا نہ آئے تو پھر اسے اپنے دل کی سختی اور قساوت پر رونا چاہیے۔ جب جماہی آئے تو اس وقت تک تلاوت سے رک جائے جب تک کہ جماہی ختم نہ ہو جائے۔ سلام کا جواب دینے، چھینک کے بعد (اَلْحَمْدُلِلّٰہِ) کہنے اور چھینکنے والے کے لیے (یَرْحَمُكَ اللّٰہُ) کہنے کے لیے بطور وجوب اور صدائے مؤذن کا جواب دینے کے لیے بطور جواز قراءت قرآن موقوف کر دی جائے۔

---

[1] حق التلاوة ،حسني شيخ عثمان، ص:399-400

قرآن کریم کو ذریعہ معاش بنانا مکروہ ہے اور نجس منہ کے ساتھ قراءت کرنا، بازاروں میں شور وغل اور لہو ولعب کے مقامات پر اور بے وقوفوں کے مجمعوں میں اونچی آواز سے تلاوت کرنا بھی مکروہ ہے، اسی طرح قہوہ خانوں میں اور ایسے پبلک مقامات پر جہری تلاوت مکروہ ہے جہاں قراءت قرآن کو سنا ہی نہیں جاتا بلکہ اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اسے لہو ولعب کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

دنیاوی امور و معاملات کا کوئی موقع پیش آئے تو ایسے موقع پر قرآن کریم کی کسی آیت کی تاویل کرنا بھی مکروہ ہے، مثلاً اچانک کوئی شخص آئے تو کوئی یہ کہہ دے:

﴿جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝﴾

''اے موسیٰ! تو تقدیر الٰہی کے مطابق یہاں آیا۔''[1]

یا دستر خوان پر کھانا آئے تو یہ آیت پڑھ دے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝﴾

''مزے سے کھاؤ اور پیو ان (اعمال) کے بدلے جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجے۔''[2]

اس طرح کے ہنگامی دنیاوی امور کے سلسلے میں متعلقہ قرآنی آیت پڑھنا مناسب نہیں۔

قرآن کریم کو الٹا پڑھنا یکسر ناجائز ہے جیسا کہ بعض لوگ مہارت دکھانے کے زعم میں اس طرح پڑھتے ہیں (الضالین ولا علیھم المغضوب غیر......) نعوذ باللہ من ذلك۔[3]

---

[1] طٰہٰ 40:20 [2] الحاقة 24:69

[3] حق التلاوۃ، حسنی شیخ عثمان، ص:401

جو شخص مزید آداب تلاوت کی تفصیل جاننا چاہے، اسے امام نووی رحمہ اللہ کی بے مثل کتاب ''التبیان فی آداب حملة القرآن'' کا مطالعہ کرنا چاہیے جس میں آداب تلاوت قرآن بہ تمام و کمال بتلا دیے گئے ہیں۔

قرآن کریم کے ساتھ برتاؤ کے متعلق عمومی آداب

عظمت و برگزیدگی والی کتاب الٰہی کے عام آداب بھی ہیں۔ان سے کسی مسلمان کو بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔ان میں سے بعض آداب درج ذیل ہیں:

❁ قرآن کریم سے ترک تعلق نہ کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝﴾

''اور رسول کہیں گے: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔''[1]

اس آیت کریمہ کا مفہوم واضح ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ اپنے رب سے اپنی قوم (کفار قریش) کے قرآن کریم کو پس پشت ڈالنے یعنی اس کی تصدیق نہ کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے کی شکایت کریں گے۔ یہ بڑی سنگین شکایت ہے۔اس میں اس شخص کو نہایت شدت سے ڈرایا گیا ہے جس نے قرآن کریم کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔وہ اس میں موجود حلال و حرام، آداب اور اعلیٰ اخلاقیات کے احکام و امور پر عمل کرتا ہے نہ اس میں موجود عقائد پر اعتقاد رکھتا ہے اور نہ وہ اس میں موجود قصص و واقعات، مثالوں اور وعیدوں سے کوئی عبرت پکڑتا ہے۔[2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے قرآن سے ترک تعلق کی یہ قسمیں بیان کی ہیں:

❁ قرآن کریم پڑھنے، سننے، اس پر ایمان لانے اور اس کی طرف دھیان دینے کو ترک کر دینا۔

❁ اس پر عمل نہ کرنا اور اس کے حلال و حرام کو ملحوظ نہ رکھنا اگرچہ بندہ اس کی تلاوت کرے

---

[1] الفرقان 30:25

[2] أضواء البيان: 317/6

اور اس پر ایمان بھی لائے۔

- دین کے اصول وفروع میں قرآن کے فیصلے کو پس پشت ڈالنا اور اپنے جھگڑوں کے فیصلے احکام قرآن کے مطابق نہ کرنا۔ یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ یقینی فائدہ نہیں دیتا بلکہ اس کے دلائل لفظی ہیں اور ان سے کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔
- قرآن کریم کے ارشادات پر غور نہ کرنا، ان کا مفہوم نہ سمجھنا اور قرآن کے ساتھ کلام کرنے والے باری تعالیٰ کے مقصد کی پہچان ترک کر دینا۔
- دل کی بیماریوں میں قرآن کے نسخہ شفا سے کوئی فائدہ نہ اٹھانا بلکہ اپنی بیماری کے لیے قرآن کے بجائے غیروں سے شفا طلب کرنا اور قرآنی علاج کو ترک کر دینا۔''[1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے قرآن کریم سے ترک تعلق کی جو قسمیں بیان کی ہیں وہ سب آج واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم سے ترک تعلق کر لیا گیا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس کو یاد کرنے، حفظ کرنے اور اس کی تعلیم و تعلم سے بے رغبتی اختیار کر لی ہے، جبکہ اس کے برعکس وہ متعدد جائز اور ناجائز معلوماتی لٹریچر اور اخبارات و جرائد کا مطالعہ کرنے کے بڑے حریص ہیں تاکہ وہ بڑی حسرت اور شوق سے ایسی خبریں اور معلومات ازبر کر لیں جن پر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں۔

قرآن کریم غور سے سننا بھی چھوڑ دیا گیا ہے۔ اکثر لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ قرآن کریم سننے سنانے کا تعلق تو صرف رنج وغم کے مواقع یا ماتمی پنڈالوں سے ہے۔ اکثر تو لہو ولعب، موسیقی، گانے، شیطان کے باجے اور بانسریاں سنتے ہیں۔ انھوں نے اللہ رحمان و رحیم کے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ غور وفکر کے اعتبار سے بھی قرآن عزیز کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کو ان بلند و بالا اور زمین میں میخوں کی طرح گڑے ہوئے

---

[1] الفوائد، ص: 156

پہاڑوں پر نازل کرتا تو وہ بھی اس کی خشیت اور خوف سے پھٹ جاتے۔مگر انسانوں کے دل سخت ہو گئے، ان کی آنکھیں پتھرا گئیں اور ان کے دل تدبر نہیں کرتے کہ وہ ڈر جائیں، نہ ان کے اعضاء و جوارح قرآن کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں کہ وہ اس کے مطیع بن جائیں اور نہ ان کی آنکھیں متحرک ہوتی ہیں کہ آنسو چھلک اٹھیں۔

عمل کے اعتبار سے بھی قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔سوائے گنتی کے چند لوگوں کے جن پر اللہ نے رحم فرمایا ہے، باقی سب کی حالت یہ ہے کہ ان کے ہاں قرآن کریم زندگی بھر کا کامل منہج قرار پانے کے بجائے اس قابل ٹھہرا ہے کہ قبروں کے پاس اس کی آیات تلاوت کی جائیں اور مردوں کو ان کا ثواب بخش دیا جائے جبکہ خود یہ زندہ لوگ ان سے کہیں زیادہ ان آیات کے ثواب اور انھیں مختلف انداز سے اپنی زندگی کا منہج و دستور بنانے کے محتاج ہیں۔اکثر لوگ آیات قرآنی کے تعویذ گنڈے بناتے ہیں جنھیں چھوٹے بچوں کے سینوں پر لٹکا دیا جاتا ہے یا بزعم خویش گھروں، محلات اور کاروں وغیرہ کے اندر حفاظت اور حصول برکت کے لیے رکھا جاتا ہے۔

مقدمات وغیرہ میں بھی قرآن کریم سے فیصلے کرانا متروک ہو گیا ہے۔تنازعات طے کرنے کے لیے قرآن کریم سے رہنمائی لینے کا پاکیزہ دستور منسوخ کر کے مسلمان بہت بڑے گناہ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ (نعوذ باللہ!) آج اللہ تعالیٰ کی شریعت کو کمزوری، عاجزی، کوتاہی کا حامل قرار دیا جا رہا ہے اور پوری ڈھٹائی سے اس پر یہ تہمت تھوپی جا رہی ہے کہ شریعتِ الٰہیہ تہذیب جدید کے قافلے سے پیچھے رہ گئی ہے۔اب مالی، جانی، خونی اور عزت و آبرو کے مقدمے وضعی قوانین کے فیصلوں کی بنیاد پر چل رہے ہیں۔

افسوس! اب قرآن کریم کے نور شفا سے امراض کا علاج نہیں کرایا جاتا بلکہ اس مقدس اور زندہ کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے اور اس کے بجائے لوگ جادوگروں، قیافہ شناسوں

اور جھوٹے اور مکار لوگوں کے پاس جا کر ان سے اپنی بیماریوں کی شفا اور دوا کا مطالبہ کرتے ہیں۔

کیا ان مکروہ باتوں سے توبہ کر کے لوٹنا ممکن ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں بخشش اور عافیت کی التجا کرتے ہیں۔ [1]

❁ قرآن کریم کی قراءت میں ٹھہراؤ ہونا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ ﴾

''اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا اتارا تاکہ آپ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں۔'' [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿ فَرَقْنٰهُ ﴾ یعنی ہم نے اسے الگ الگ حصوں میں بانٹا ہے۔'' [3]

﴿ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ ﴾ یعنی آپ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ پڑھ کر لوگوں کو سنائیں۔ اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنے کا سبب بھی یہی ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اس کے الفاظ اور معانی سننے والوں کے دل و دماغ میں نقش ہو جائیں۔ [4]

اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہر ٹھہر کر وضاحت سے قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ ﴾

''اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے۔'' [5]

---

[1] فتح الرحمان فی بیان هجر القرآن، محمد آل عبدالعزیز و محمود الملاح، ص: 4-5

[2] بنی إسرآءیل 106:17

[3] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب الترتیل فی القراءة قبل حدیث: 5043

[4] التحریر والتنویر: 181/14

[5] المزمل 4:73

رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کے اس حکم کی بھرپور تعمیل کی، چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: كَانَ يَمُدُّ مَدًّا»

''میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کی قراءت کا حال پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''آپ ﷺ الفاظ کو لمبا کر کے پڑھتے تھے۔'' [1]

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: نبی اکرم ﷺ کی قراءت کیسی ہوتی تھی؟ تو انھوں نے فرمایا:

«كَانَتْ مَدًّا، ثُمَّ قَرَأَ ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ يَمُدُّ بِبِسْمِ اللهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيمِ»

''لمبی لمبی ہوتی تھی، پھر انھوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ پڑھ کر سنائی، چنانچہ انھوں نے ''بِسْمِ اللّٰهِ'' کو لمبا کیا اور ''اَلرَّحْمٰنِ'' کو لمبا کیا اور ''اَلرَّحِيمِ'' کو لمبا کیا۔'' [2]

مصحف کے بارے میں آداب

جب دو گتوں کے درمیان مصحف کریم خالق کائنات، معبود برحق ذوالجلال والاکرام کے کلام پر مشتمل ہے اور وہ دنیا میں موجود تمام کتابوں سے زیادہ عزت والی اور اشرف کتاب ہے تو قولی اور فعلی تعظیم کے اعتبار سے بھی یہ کتاب مقدس اعلیٰ سے اعلیٰ آداب کی مستحق ہے۔ مصحف کے ضروری آداب میں سے چند درج ذیل ہیں:

[1] صحيح البخاری، فضائل القرآن، باب مدالقراءة، حديث: 5045

[2] صحيح البخاری، فضائل القرآن، باب مدالقراءة، حديث: 5046

❁ اسے چھونے کے لیے طہارت شرط ہے۔ اس کے نام، رسم الخط اور حجم کو چھوٹا نہیں کرنا چاہیے۔ جو شخص قرآن عظیم لکھتا ہے اس سے تاکیداً مطالبہ کیا جائے کہ وہ اسے حسین وجمیل خط میں لکھے اور ایسے ورق پر لکھے جو قرآن کے شایان شان ہو۔[1]

❁ اس کی طرف کسی چیز کی نسبت کرنے، اس کی ملمع سازی اور گل کاری کرنے، اسے زیورات سے آراستہ کرنے، سونے یا چاندی سے لکھنے، عجمی رسم الخط میں لکھنے یا اسے ذریعۂ تجارت بنانے سے احتراز کرنا چاہیے۔

❁ اس کی طرف پیٹھ کرنے، اسے تکیہ بنانے، رکھتے وقت یا کسی کو پکڑاتے وقت اسے پھینکنے، اس کی طرف ٹانگیں پھیلانے، اس کے ساتھ پنکھا جھلنے، اسے پکڑتے یا پکڑاتے وقت بایاں ہاتھ استعمال کرنے اور اس کے نام کی تصغیر اور تحقیر کرنے سے بچنا اور ڈرنا چاہیے۔ یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ ''یہ چھوٹی سی سورت'' ہے۔[2]

❁ اس کے اوپر یا اس کے اوراق کے درمیان میں کوئی چیز رکھنے، گھٹیا مقامات میں داخل ہوتے وقت اسے پاس رکھنے، دشمن کے علاقے کی طرف اس کے ساتھ سفر کرنے اور اسے کسی بھی قسم کی گندگی سے آلودہ کرنے سے بہت ڈرنا چاہیے، مثلاً قرآن کریم کے اوراق پلٹنے کے لیے اپنی انگلی تھوک سے آلودہ نہیں کرنی چاہیے، اسی طرح اسے ایسی جگہ پیش نہیں کرنا چاہیے جہاں اس کی توہین کا خدشہ ہو۔ چھوٹے بچوں، پاگلوں اور کافروں کو قرآن مجید چھونے یا پکڑنے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہیے۔[3]

❁ اسے زمین پر یا مساجد کی دیواروں وغیرہ پر لکھنے سے ڈرنا چاہیے۔ قرآن کریم کے حاشیے یا جلد پر لکھنے سے بھی احتیاط برتنی چاہیے۔ مدارس کے اکثر طلبا قرآن کریم کے حاشیوں پر لکھتے

---

[1] الجامع لأحكام القرآن: 44/1

[2] أيضاً: 45/1

[3] أيضاً: 46/1-47

رہتے ہیں انھیں اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ہمارے قریب ترین دور میں اور زمانۂ حال میں اسلام کے کینہ پرور دشمنوں نے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے اور قرآن مجید کی تحقیر کرنے اور اس کی قدر و قیمت گھٹانے کے لیے اس کی بے ادبی کی یہ چال چلی کہ انھوں نے قرآن کریم کی آیات ملبوسات، جوتوں اور دیگر اشیائے ضرورت کی پیکنگ کے ڈبوں پر چھاپنی شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو قرآن کریم کے دشمنوں پر!

﴿وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○﴾

''وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔''[1]

- قرآن جس اصلی مقصد کے لیے آیا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے کام میں اسے استعمال کرنے سے ڈرنا چاہیے، مثلاً اس کے ذریعے کسی کو پریشان کرنا، بطور تعویذ، برائے حفاظت یا برائے زینت لٹکانا یا اسے صرف تبرک کے لیے حاصل کرنا ممنوع ہے، مزید برآں قرآن کریم کو ان تمام امور میں بروئے کار لانے سے گریز کرنا چاہیے جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔[2]

[1] الأنفال 8:30، کیف نحیا بالقرآن، ص:94-95

[2] المتحف فی أحکام المصحف ، الدکتور صالح بن محمد الرشید، ص:22-23

قرآن کریم کی دعوت اور اس کی تبلیغ

بلاشبہ ایک شرعی فریضہ جو مشارق و مغارب اور عرب وعجم کے تمام مسلمانوں پر بلا امتیاز واجب ہے، وہ قرآن کریم کی دوسروں کو تبلیغ کرنا، اس کی دعوت دینا اور اس کے محاسن کھول کھول کر بیان کر کے اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ بلاشبہ قرآن حکیم مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾

"اور ہم نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا۔"[1]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی محمد ﷺ کو کسی بات کا حکم دراصل آپ کی امت کے لیے بھی ہوتا ہے، لہٰذا ہر مسلمان پر بقدر استطاعت اس کی تبلیغ اور اس کے عملی نفاذ کی کوشش کرنا لازم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علمائے کرام پر اس کی مسئولیت دوسروں کی نسبت زیادہ ہے کیونکہ انھیں شرعی علوم کے رسوخ میں انفرادیت حاصل ہے اور وہ لوگوں کے روبرو

[1] النحل 44:16

قرآنی احکام کی تفسیر اور اس کے مطالب کی وضاحت کی زیادہ دسترس رکھتے ہیں۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اپنے نبی ﷺ کی طرف اس لیے وحی کیا ہے تاکہ آپ سب سے پہلے اپنی قوم کو ڈرائیں اور پھر تمام لوگوں کو یہ قرآن پہنچا دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ﴾

''اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس جس کو یہ پہنچے ان سب کو ڈراؤں۔''[1]

ربیع بن انس فرماتے ہیں: ''جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اسی طرح دعوت دین دے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے دی اور اسی طرح ڈرائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ڈرایا۔''[2]

تمام مسلمان حضرت محمد ﷺ کی امت ہیں اور ان سب پر آپ کی رسالت کی تبلیغ واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: یہی میری راہ ہے، میں (تمھیں) اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی، جنھوں نے میرا اتباع کیا، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔''[3]

پس ہر مسلمان کے لیے بذات خود نیک اور صالح ہونا کافی نہیں بلکہ اس کا فرض عین ہے کہ وہ دوسروں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے اپنی تمام تر کوششیں بروئے کار لائے۔

---

[1] الأنعام 6:19 [2] تفسیر ابن کثیر: 3/279 [3] یوسف 12:108

قرآن کریم کی دعوت اور اس کی تبلیغ

❁ اہل عرب کی اہم ترین ذمہ داری: اس دور میں عرب کے مسلمانوں پر قرآن مجید کی تبلیغ کی مسئولیت بطور خاص زیادہ ہے کیونکہ قرآن انھی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ ان کے لیے شرف وفخر کی یہی متاع بہت ہے کہ وہ سب سے زیادہ قرآن کریم کے مطالب سمجھتے ہیں اور اس کے مقصد اور مدعا کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں، لہٰذا ان پر یہ فرض ہے کہ وہ ساری دنیا کے آگے قرآن عظیم پیش کریں اور تمام انسانوں کو رب ذوالجلال کے احکام پوری وضاحت سے سنائیں۔

کاروان زندگی آگے بھاگا جا رہا ہے۔ بڑا نازک زمانہ آ گیا ہے۔ موجودہ دور کا تقاضا تو یہ ہے کہ اندھے بھی دیکھنے لگیں اور لنگڑے بھی اٹھ کر چل کھڑے ہوں۔

کیا عرب اب بھی خواب غفلت سے بیدار نہ ہوں گے؟ بلاشبہ معاملہ بہت خطرناک ہے، مسئولیت بہت عظیم ہے، امانت بہت بھاری ہے۔ اس دور میں قرآنی دعوت کا فریضہ عربوں پر بالخصوص اور دوسرے مسلمانوں پر بالعموم عائد ہوتا ہے اور ہم سب پر لازم ہے کہ ہم مادی سرکشی، تہذیب جدید کی چکا چوند، مذہبی کشمکشوں، فکری جنگ اور سیاسی اختلافات کا مؤثر مقابلہ کرنے کے لیے دوگنی اور چوگنی جدوجہد کریں۔

عجب احوال وظروف ہیں، کتنا عجیب منظر ہے۔ حصول اقتدار کی خوفناک بھاگ دوڑ کا سامنا ہے۔ وقت کی پکار ہے کہ ہر مسلمان اس شعور سے لیس ہو جائے کہ بلاشبہ وہ اسلام کی سرحدی چوکیوں میں سے کسی ایک چوکی پر تعینات ہے۔ اس شعور واحساس کا مطالبہ ہے کہ وہ فضائی چینلوں، نشری پروگراموں، اخبارات وجرائد اور کتابوں کے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لائے اور ہر اس مرکز، جمعیت اور ادارے کو سہارا دے اور اسے ناقابل تسخیر قلعہ بنا دے جو قرآن عظیم کا پرچم بلند کر کے تمام ابنائے آدم کو رب ذوالجلال کی بندگی کی دعوت دے رہا ہو۔[1]

......آواز دے رہا ہے زمانہ بڑھے چلو!

---

[1] قرآنکم......یا مسلمون، ص: 32-37

ہمارے مقدس پروردگار کو انسانوں کی باہمی محبت بڑی محبوب ہے۔ وہ تفرقے اور آپس کے لڑائی جھگڑے ہرگز گوارا نہیں فرماتا۔ اللہ نے بے حد کرم فرمایا کہ سب انسانوں کی رہبری کے لیے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان کی معرفت قرآن کریم جیسی متاع بے بہا عطا کی۔ قرآن کریم نے انسانوں کو باہمی یگانگت کے رشتے میں جوڑنے کا گر بتادیا کہ سب انسانوں کا ایک ہی پروردگار ہے۔ سب کو اسی کی بندگی کرنی چاہیے، اس کی وحدت و یکتائی میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے اور اچھے کام کرنے چاہییں۔

''قرآن کی عظمتیں اور اس کے معجزے'' کے زیر عنوان یہ کتاب درحقیقت اسی نصب العین کی تشریح ہے۔ آج دنیا بھر میں جگہ جگہ تفرقے اور تہلکے برپا ہیں۔ دنیا امن اور عزت وراحت کی زندگی کے لیے ترس رہی ہے۔ اُسے یہ نعمت صرف قرآنی تعلیمات کی چھاؤں ہی میں نصیب ہوسکتی ہے...... یہ کتاب قرآن کی عظمت وجلالت اور اس کے علوم ومعارف کا جامع تعارف ہے۔ اِسے خود بھی پڑھیے اور اپنے عزیز واقارب اور دوست احباب کو بھی اس کے مطالعے کی دعوت دیجیے!

ISBN 969913444-5
9789699134449

دارُالسّلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • هیوسٹن • نیویارک
DARUSSALAM